

دیوان ذوق

یعنی

ملک الشعراء خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق علیہ السلام کا کلام
بحق بہم پہنچ سکا اور دیباچہ میں سوانح عمری

مؤلفہ

شمس العلماء مولینا مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی

حسب فرمایش

آغا محمد ظاہر مینجر آزاد بک ڈپو

مولوی عبدالحی حسن کے مطبعہ رفقاء عام لکھنؤ میں طبع ہوا

۱۹۲۲ء

(تعداد ۲۲۰۰)

قیمت درجہ دوم

قیمت درجہ اول



یہ علم معنی کی روحیں ہیں کہ الفاظ کی دنیا میں تری تھیں ذوق و شوق کئے عدے تھے کہ
 دلوں کو آگاہ کریں گے۔ استاد مرحوم یہ حسرت ساتھ لے گئے۔ والد میرے شہید آزاد و خوش
 میں بٹھا ہو گیا۔ اب خطر ہے کہ امانت رہے۔ اور آزاد کو مسافرخانہ سے کوچ
 کا حکم آجائے۔ ان کے کلام کی ترتیب آسان کام نہیں۔ صد ہا شعروں کے لوگوں
 کے پاس کچھ لکھے تھے۔ دیوان مروجہ میں کچھ دھچھے۔ اور ان کی زبان سے کبھی کچھ
 سنے کبھی کچھ سنے۔ پھٹے پرانے مسودے لڑکپن سے بڑھاپے تک کی یادگار ہیں
 والد مرحوم کے ہاتھ کی بہت تحریریں ہیں۔ بہت کچھ میری قسمت کے نوشتے ہیں۔ کہ
 حاضر و غائب لکھتا اور جمع کرتا تھا۔ کٹے پھٹے اشعار کا پڑھنا۔ نئے حروف کا آجانا اس
 زمانہ کے خیالات کو سمیٹنا۔ حالتوں کا تصور باندھنا۔ بھولے بسرے الفاظ و مطالب کو
 سوچ سوچ کر نکالنا میرا کام نہ تھا۔ خدا کی مدد اور پاک روحوں کی برکت بحال تھی
 میں حاضر اور خدا ناظر تھا۔ راتیں صبح ہو گئیں۔ اور دن اندھیرے ہو گئے جب میم سرانجام
 ہوئی ہے۔ پہلے مرحوم و مغفور کا حال سوانح عمری کے طور پر لکھتا ہوں۔ اور جس جس موقع
 پر کوئی صورت خاص پیش آتی۔ یا کوئی نظم کسی تقریب خاص سے نکلی گئی۔ یا کوئی لطیفہ قابل
 آگاہی شگفتہ ہوا۔ وہ بھی جا بجا درج کرتا ہوں۔ والد مرحوم کا اور ان کا آغاز تحصیل میں تھا

ہوا تھا۔ ساتھ پڑھے۔ ساتھ بڑھے۔ ہر سرگرمی میں شریک ٹال رہے۔ اور قحطی
فاصلہ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ مجھے بس برس تک اس طرح حضور غیثت
رہی کہ ہر وقت پاس جھیکر ظاہر و باطن کے فوائد حاصل کرتا تھا۔ جو مال نہیں
دیکھے وہ بھی اس طرح مٹے بس گویا سامنے گذرے ہیں +

تحریر حالات میں بعض باتوں کے لکھنے کو درگ فضول سمجھینگے۔ مگر کیا کروں بھی یہی چاہتا ہے کہ کوئی حرفت اس گراں بہا داستان کا نہ چھوڑوں۔ یہ شاید اس لیے کہ اپنے پیارے اور پیار کرنے والے زرگ کی ہر بات پیاری ہوتی ہے لیکن نہیں اس شعر کے پتلے کا ایک روگ لگا بھی بیکا رہ تھا۔ ایک صنعتکاری کی کل میں کون سے پرزے کوڑا کھتے ہیں کہ کمال ٹوالو یہ کام کا نہیں۔ اور کوئی حرکت اس کی ہے جس سے کچھ حکمت انگیز فائدہ نہیں پہنچتا۔ اسی واسطے میں لکھو لگا اور ب کچھ لکھو لگا۔ جو بات سلسلہ حالات میں مسلسل ہو سکیگی ایک حرف نہ چھوڑو لگا۔

خالد

شیخ مرحوم کے والد شیخ محمد رمضان ایک غریب سپاہی تھے مگر زمانہ کے تحریک اور بزرگوں کی صحبت نے انہیں ملاقات زمانہ سے ایسا باخبر کیا تھا کہ ان کی نربانی باتیں کتب تاریخ کے قیمتی سرمائے تھے۔ وہ دلی میں کابلی دور دروازہ کے پاس رہتے تھے اور نواب لطف علی خاں نے انہیں معتبر اور بایات شخص سمجھ کر اپنی حرم ہر اکے کا دربار سپرد کر کے تھے ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۰۲ھ میں شیخ محمد رمضان کے گھر میں یہ مبارک چاند نکلا جو سلمان سخن پر عید کا چاند ہو کر چمکا۔ جب پڑھنے کے قابل ہوئے تو حافظ علامہ رسول نام ایک شخص بادشاہی حافظان کے گھر کے پاس رہتے تھے۔ محلہ کے اکثر اراکے انہی کے پاس پڑھتے تھے انہیں بھی وہیں بٹھا دیا۔

[illegible]

حافظ غلام رحیل شاعر بھی تھے۔ شوقِ تخلص کرتے تھے۔ اگلے دنوں کے



۱۔ فہم کلام ہے :- مزا انگو کا ہے رنگتے میں اصل زبور کا ہے رنگتے میں
 ہر شاعر بالی کی پکیں مضامین کا ہے رنگتے میں شیخ بک ونگریں ہوا نظر ہو رہا ہے رنگتے میں
 چھٹوں کے دیر غوں حق جو کہ رنگتے میں مزاج کا گیسو بھی جتن والی ہو گا ہے رنگتے میں

لوگ جیسے شعر کہتے ہیں ویسے شعر کہتے تھے۔ محلہ کے شوقین نوجوان دلوں کے انگ میں اُن سے کچھ کچھ کوالے جاتے تھے۔ اکثر اصلاح بھی لیا کرتے تھے۔ بغرض ہر وقت انکے پاس ہی چرچا رہتا تھا۔ شیخ مرحوم خود فرماتے تھے کہ وہاں سنتے سنتے مجھے بہت شرمایا گئے۔ نظم کے پڑھنے اور سننے میں دل کو روحانی لذت حاصل ہوتی تھی۔ اور ہیشہ اشعار پڑھتا پڑتا تھا۔ دل میں شوق تھا اور خدا سے دعائیں مانگتا تھا کہ الہی مجھے شعر کہنا آجائے ایک دن خوشی میں کہ خود بخود میری زبان سے دو شعر نکلے۔ اور یہ فقط حسن اتفاق تھا کہ ایک محلہ میں ایک نعت میں۔ اُس عمر میں مجھے اتنا ہوش تو کہاں تھا کہ اس مبارک نام کو خود اس طرح سمجھ کر شروع کرنا کہ پہلا حمد میں ہو دوسرا نعت میں ہو جب یہ بھی خیال نہ تھا کہ اس قدر قی اتفاق کو مبارک فال سمجھوں۔ مگر اُن دو شعروں کے سوزوں ہو جانے سے جو خوشی دل کو ہوئی اُس کا مزہ اب تک نہیں بھولتا۔ انہیں کہیں اپنی کتاب میں کہیں جا بجا کاغذوں پر رنگ برنگ کی روشنائیوں سے لکھتا تھا۔ ایک ایک کو منسا تھا اور خوشی کے بارے چوہوں نہ سنا تھا۔ غرض سی عالم میں کچھ کچھ کہتے رہے اور حافظ بھی سے اصلاح لیتے رہے +

اسی محلی میں میر کاظم حسین نام ایک ان کے ہم سن ہم سبق تھے کہ نواب سید رفیقاں وکیل سلطانی کے بھانجے تھے۔ بیقرار تخلص کرتے تھے۔ اور حافظ علام رسول ہی سے اصلاح لیتے تھے۔ ان کا ذہن بھی تیزی اور بتراتی میں لا جواب تھا۔ انہیں اپنے بزرگوں کی صحبت میں تحصیل کمال کے لئے اپنے اپنے موقع ملتے تھے۔ شیخ مرحوم اور وہ اتنا طبیعی کے جب سے اکثر ساتھ رہتے تھے۔ اور شوق کے میدان میں ساتھ ہی گھومتے دوڑاتے تھے +

نہیں ہے کوئی اب ایسا جس کے پردہ پر
آؤ کی چوہ ساتھ ادھر سے جنگ کو اپنے ادھر پہلی
آج وہ آئے پاس مرے جب ڈیڑھ پہر کی توپ جلی
تانی میں کی آنی پھٹی میں محرم سے لے کر گھٹی کھڑی
دو طرہ اکھاڑے ہیں یا ست قلندر غمی کھڑی

فلحہ لکھا ہوا تھا اُس رہیں کے پردہ پر
کو کب جگاں چشم ٹکرائے جگر میں گھوپ پل
وہ کہ کیا قاشام کا جو سے خون ہنواں کل دن کو
فاتحے مست مدد سے دہلیا ہی چلی کار تاج ہے
شیخ مجھارے شفیق اپنی مفت کے لئے کھانا ہے

ایک دن میر کاظم حسین نے غزل لاکر سنائی شیخ مرحوم نے پوچھا: یہ غزل کب کی؟
 خوب گرم شعر نکالے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم تو شاہِ نصیر کے شاگرد ہو گئے! انہیں سے یہ
 اصلاح لی ہے۔ شیخ مرحوم کو بھی شوق پیدا ہوا اور اُنکے ساتھ جا کر شاگرد ہو گئے۔
 اسے عطا اللہی کتنا چاہئے کہ جوں جوں عمر بڑھتی گئی۔ علم کا شوق بڑھتا گیا۔ یہاں
 عبد الرزاق ایک مثل اُسی محلہ میں صاحبِ تہذیب تھے۔ اُن کے درس میں جا کر شامل ہونے
 لگے۔ وہیں والد مرحوم سے بھی ملاقات ہوئی۔ اور کئی برس تک دونوں کی تعلیم ایک استاد
 کے احسنِ شفقت میں ملتی رہی۔ نیکی کی بنیاد ہمیشہ استقلال پر ہوتی ہے۔ اول کا رابطہ
 اخیر دم تک قائم رہا۔ یہ بات اب گئے بھائیوں کو نصیب نہیں ہوتی +

سلسلۂ اصلاح جاری تھے شاعروں میں غزلیں پڑھی جاتی تھیں۔ لوگوں کی ادوار
 طبیعتوں کو بلند پروازی کے پر لگاتی تھی کہ رشک جو تلاذیمۃ الرحمن کے آئینوں کا جوہر ہے
 استاد شاگردوں کو چمکانے لگا۔ بیضِ موقع پر ایسا ہوا کہ شاہ صاحب نے ان کی غزل کو
 دیکھ کر بے اصلاح پھیر دیا۔ اور کہا کہ طبیعت پر زور ڈال کر کہو۔ کبھی کہہ دیا کہ یہ کچھ نہیں۔
 پھر سوچ کر کہو۔ بیضِ غزلوں کو جو اصلاح دی تو اُس سے بے ادائی پائی گئی اور طرزِ انہیں
 کچھ تو یاروں نے چمکا دیا۔ کچھ اپنی خریطالت نے یہ آزدوگی پیدا کی کہ شاہ صاحب اصلاح میں
 بے توجہی یا پہلو تھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی طرح کئی وفد غزلیں پھیریں کبھی بہت سے شعر
 کٹ گئے۔ زیادہ تر قباحت یہ ہوئی کہ شاہ صاحب کے صاحبزادے شاہ وجیہ الدین منیر
 تھے جو بڑا قی طبع میں اپنے والد کے خلف الرشید تھے۔ ان کی غزلوں میں توادد سے یا
 خدا جانے کس اتفاق سے وہی مضمون پائے گئے۔ اس لئے انہیں زیادہ پہنچ ہوا +
 منیر مرحوم کو جس قدر دعوے تھے اس سے زیادہ طبیعت میں نوجوانی کے زور بھی
 ہوئے تھے۔ وہ کسی شاعر کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ جس غزل پر ہم قلم اٹھائیں
 آئین میں یہ کون قدم رکھ سکتا ہے خشک خشک طرحیں کرتے تھے اور کہتے تھے کون پہلوں سے
 جو اسٹال کو اٹھا سکے بغرض کہ اُن سے اور شیخ مرحوم سے بہت تناسل سن کر کھرا رہ جاتی تھی

اور رہا جسے ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک غزل پر جو سرکہ ہوا ردیف سی میں جمع ہے یکجہ

یہاں کے آنے کا مقرر قاصدا وہ دن کرے | غز ۷۲ |

اگرچہ لوازمات شاعری جو ایک ہونا رخنہ رکھنے چاہئیں سب اپنی طبیعت میں جمع تھے لیکن ایک غریب سپاہی کے بیٹے تھے نہ دنیا کے معاملات کا خبر نہ کوئی ان کا دوست ہمدرد تھا۔ اس لئے رنج اور دل فشنگی حد سے زیادہ ہوتی تھی۔ اسی قبل قال میں ایک ن سودا کی غزل پر غزل کہی۔ دوش نقشش پا۔ آغوش نقشش پا۔ شاہ صاحب کے پاس لے گئے۔

انہوں نے فضا ہو کر غزل پسند کی کہ استاد کی غزل پر غزل کتا ہے؟ اب تو مرزا رفیع سے بھی آہنچا اڑنے لگا یہ وہاں سے چپکے چلے آئے۔ ان دنوں میں ایک جگہ شاعرہ ہوتا تھا۔ اشتیاق نے بیقرار کر کے گھر سے نکالا مگر غزل بے صلاح تھی۔ دل کے ہڑس

نے روک لیا کہ ابتداء کا رس ہے۔ احتیاط شرط ہے۔ قریب شام کے نذر کی لڑکیوں سی کے عالم میں جامع مسجد تک جا پہنچے۔ آثار شریف میں فاتحہ پڑھی حوض پر آئے۔ داں میر کلہ حقیر بیٹھے تھے۔ چونکہ شاعرہ کی گرم غزلوں نے روشناس کر دیا تھا۔ اور پچیس

اشخاص شغف کرتے تھے۔ میر صاحب نے انہیں پاس بٹھایا اور کہا اگر کیوں سیں ابراہیم؟ آج کچھ مکذرمعلوم ہوتے ہو۔ خیر ہے؟ جو کچھ ملا ل پر تھا انہوں نے بیان کیا۔ میر صاحب نے کہا بھلا وہ غزلیں ہیں تو سناؤ! انہوں نے وہی غزل سنائی۔

میر صاحب کو ان کے معاملے پر درد آیا۔ کہا کہ جاؤ بے تانی غزل پڑھ دو۔ کوئی اعتراض کر گیا تو جواب ہمارا ذمہ ہے۔ اور اتھ اٹھا کر دیر تک ان کے لئے دعا کرتے رہے۔ اگرچہ میر صاحب موصوف کا قدیانہ انداز تھا مگر وہ ایک کہن سال غنص تھے بڑے بڑے

بالکمال شاعروں کو دیکھا ہوا تھا۔ اور مکتب پڑھایا کرتے تھے۔ اس لئے شیخ مرحوم کی خلعت جمع ہوئی اور شاعرہ میں جا کر غزل پڑھی۔ وہاں بہت تعریف ہوئی دیکھو دیکھو

رکھتا ہنر قدم ہے یہ وہ ہوش نقشش پا | غز ۷۳ |

اس دن سے جرات زیادہ ہوئی اور بے صلاح شاعرہ میں غزل پڑھنے لگے طبیعت

کی شوخی اور شعر کی گرمی سُخنے والوں کے دلوں میں اثرِ برقی کی طرح دوڑی! اور کلام کا چرچا بڑھا، اس زمانہ کے لوگ مصحف ہوتے تھے۔ ہندوگان پاکِ طینت جو اساتذہٗ سلف کے یادگار باقی تھے۔ مشاعرہ میں دیکھتے تو شفقت سے تعریفیں کر کے دل بڑھاتے بلکہ غزل پڑھنے کے بعد آتے تو دوبارہ پڑھوا کر سنتے۔ غزلیں اربابِ نشاط کی زبانوں سے نکل کر کوچہ و بازار میں رنگ اُڑانے لگیں +

اکبر شاہ بادشاہ تھے۔ انہیں تو شعر سے رغبت نہ تھی۔ مرزا ابو ظفر ولیعہد کے بادشاہ ہو کر، بہادر شاہ ہوئے شعر کے شیدا تھے۔ اور ظفر تخلص سے ملکِ شہرت کو تسخیر کیا تھا۔ اس لئے وہ بارشاہی میں جو جو کہنہ شاعر تھے مثلاً حکیم شاہِ اند خان، قلی میر غالب علیخان سید۔ عبدالرحمن خان احسان۔ برہان الدین خان زار۔ حکیم

قدرت اللہ خان قاسم۔ ان کے صاحبزادے حکیم عزت اللہ خاں عشق بیاباں شکیبا شاگرد میر تقی مرحوم۔ مرزا عظیم بیگ عظیم شاگرد سودا۔ میر تقی الدین منت اور ان کے صاحبزادے میر نظام الدین منون وغیرہ سب شاعر وہیں آکر جمع ہوتے تھے۔ اپنے اپنے کلام سناتے تھے۔ مطلع اور مصرع طبع میں ڈالتے تھے۔ ہر شخص مطلع پر مطلع کتابصرع پر بصرع لگا کر طبع آزمائی کرتا تھا میر کا نظم حسین بیکر کہ ولیعہد موصوف کے لازم خاص تھے اکثر ان صحبتوں میں شامل ہوتے تھے۔ شیخ مرحوم کو خیال ہوا کہ اس جلسہ میں طبع آزمائی ہوا کرے تو قوتِ فکر کو خوب بلند پروازی ہو۔ اس عہد میں کسی امیر کی ضمانت کے بعد بادشاہی اجازت ہوا کہ قلی عقی جب کوئی قلمد میں جانے پاتا تھا۔ چنانچہ میر کا نظم حسین کی وساطت سے یہ قلمد میں پہنچے اور اکثر دوبارہ ولیعہد ہی میں جانے لگے +

شاہ نصیر مرحوم کہ ولیعہد کی غزل کو اصلاح دیا کرتے تھے دکن چلے گئے۔ میر کا نظم حسین انکی غزل بنانے لگے۔ انہیں دلوں میں جانِ الفشن صاحب شکار پور سندھ وغیرہ سرحدات سے لیکر کابل تک عہد نامے کرنے کو چلے۔ انہیں ایک

قدیمی کس
تقریب سے
پہنچے -

قدرتی
سامان

میر غفری کی ضرورت ہوئی کہ قابلیت و علمیت کے ساتھ ادارتِ خانہ دانی کا جوہر بھی رکھتا ہو۔ میر کاظم حسین نے اس عہدہ پر سفارش کے لئے ولیعہد سے شفق چاہا۔ مرزا افضل بیگ اُن دنوں میں اُن کے مختار نکل تھے۔ اور وہ ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے۔ کہ جس پر ولیعہد کی زیادہ نظر عنایت ہو اُسے کسی طرح سامنے سے سرکاتے رہیں۔ اس قدر قریبی بیچ سے میر کاظم حسین کو شنبہ سفارش آسان حاصل ہو گیا۔ اور وہ چلے گئے +

چند روز کے بعد ایک دن شیخ مرحوم جو ولیعہد کے ہاں گئے تو دیکھا کہ تیر اندازی کی مشق کر رہے ہیں انہیں دیکھتے ہی شکایت کرنے لگے کہ بھئی میاں ابراہیم! استاد تو دکن گئے میر کاظم حسین اُدھر چلے گئے تم نے بھی ہیں چھوڑ دیا؟ غرض اسی وقت ایک غزل جیب سے نکال کر دی کہ دُعا سے تو بنا دو! یہ وہیں بیٹھ گئے اور غزل بنا کر سنائی۔ ولیعہد بہادر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ بھئی کبھی تم آکر ہماری غزل بنایا کرو۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ ممتاز محل کی خاطر سے اکبر شاہ کبھی مرزا سلیم اور کبھی مرزا جہانگیر وغیرہ شاہزادوں کی ولیعہدی کے لئے کوششیں کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ مرزا ابو ظفر میر سے بیٹے ہی نہیں۔ مقدمہ اس کا گورنمنٹ میں دائر تھا۔ اور ولیعہد کو بجائے ۵ ہزار روپیہ کے فقط ۵ سو روپے مہینا ملتا تھا۔ غرض چند روز اصلاح جاری رہی اور آخر کو سرکارِ ولیعہدی سے لحد مہینا بھی ہو گیا۔ اُس وقت لوگوں کے دلوں میں بادشاہ کا رعب و داب کچھ اور تھا۔ چنانچہ کچھ ولیعہدی کے مقدمہ پر خیال کر کے کچھ تنخواہ کی کمی پر نظر کر کے باپ نے اکلوتے بیٹے کو اس نوکری سے روکا۔ لیکن اُدھر تو شاعروں کے جمگھٹ کی دل لگی نے اُدھر کھینچا۔ اُدھر قسمت نے آواز دی کہ لحد نہ بھینایا۔ یوں ملک الشعراء کے چار ستون قائم ہوتے ہیں۔ موقع کو اتھ سے نہ جانے دینا۔ چنانچہ شیخ مرحوم ولیعہد کے استاد ہو گئے +

ولی میں تو اب انہی جنس خانِ سرود ایک عالی خاندان امیر علوم ضروری

ولیعہد شاہ
ہوتے ہیں

نواب علی بخش خان
امین محلہ جیہ

باخبر اور شاعری کے کہنے مشاق۔ اس فن سے ایسا عشق رکھتے تھے کہ فانی الشعر کا مرتبہ اسی کو کہتے ہیں۔ جہاں تباہ نیک دیکھتے تھے۔ نہ چھوڑتے تھے۔ زمانہ کی دوازی نے سات شاعروں کی نظر سے ان کا کلام گزرا تا تھا۔ ابتدا میں شاہ نصیر مرحوم سے اصلاح لیتے رہے اور سید طیحاں عظیمی وغیرہ و غیرہ استادوں سے بھی مشورہ ہوتا رہا۔ جب شیخ مرحوم کا شہرہ ہوا تو انہیں اشتیاق پیدا ہوا یہ موقع وہ تھا کہ نواب مرصوف نے دولت لکھنؤ کی برکت سے ترک دنیا کر کے گھر سے نکلتا بھی چھوڑ دیا تھا۔ استاد مرحوم فرماتے تھے کہ میری ۱۹۔۲۰ برس کی عمر تھی۔ گھر کے قریب ایک قدیمی مسجد تھی ظہر کے بعد وہاں بیٹھ کر وظیفہ پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن ایک چوہا آیا اُس نے سلام کیا اور کچھ چیزیں مال میں لپیٹی ہوئی میرے سامنے رکھ کر الگ بیٹھ گیا۔ وظیفہ سے فارغ ہو کر میں نے دیکھا تو اُس میں ایک خوش انگور کا تھا۔ چوہا نے کہا کہ نواب صاحب نے دعا فرمائی ہے۔ یہ تبرک بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ کا کلام تو پہنچا ہے مگر آپ سے سُنے کو جی چاہتا ہے۔ استاد نے کہا کہ کل تو کام ہے۔ کھدینا کہ پرسوں حاضر ہونگا۔ تیسرے دن تشریف لے گئے۔ وہ بزرگانہ اخلاق سے ملے اور بعد گفتگو نے معمولی کے شعر کی فرمائش کی انہوں نے ایک غزل شروع کی تھی اُس کا مطلع پڑھا ہے

اگر کدواں تھا دل پر پھر کتنے جان لگی | چلی تھی برجھی کسی پر کسی کے آن لگی

سن کو دست خوش ہوئے اور کہا کہ حال تو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا مگر تہااری زبان سے سن کراؤ لطف حاصل ہوا۔ ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ عجیب اتفاق یہ حافظ غلام بول شوق یعنی استاد مرحوم کے قدیمی استاد اُسی وقت آئے تھے +

نواب انہیں دیکھ کر سُکرائے۔ اور شیخ مرحوم نے اُسی طرح اُنھیں سلام کیا جو استاد شاگردوں کا فرض ہے۔ وہ ان سے خفا رہتے تھے کہ شاگرد میرا اور مجھے غول نہیں دکھاتا۔ اور مشاعروں میں میرے ساتھ نہیں چلا۔ غرض انہوں نے اپنے شعر پڑھنے

شروع کر دئے۔ شیخ مرحوم نے دلیں ٹھیکرنا مناسب نہ سمجھا اور رخصت چاہی چٹکے
نواب مرحوم کے برابر بیٹھے ہوئے تھے۔ نواب نے چپکے سے کہا۔ کان بد مزہ ہو گئے
کوئی شعر اپنا سناتے جاؤ۔ استاد مرحوم نے انہی دنوں میں ایک غزل کہی تھی۔ دو
مطلع اس کے پڑھے :-

جینا نظر اپنا نہیں اصلاً نہیں آتا	گر آج بھی وہ رشک مسحا نہیں آتا
مذکور تری بزم میں کس کا نہیں آتا	پر ذکر جاہ نہیں آتا نہیں آتا

اس دن سے معمول ہو گیا کہ ہفتہ میں دو دن جاتے۔ اُن سے غزل لے آتے اور
اصلاح کی ہوتی دے آتے۔ چنانچہ جو دیوان معروف اب لالچ ہے وہ تمام
کمال نہیں کا اصلاح کیا ہوا ہے۔ نواب مرحوم اگرچہ ضعف پیری کے سبب سے
خود کاوش کر کے مضمون کو حفظوں میں بٹھا نہیں سکتے تھے۔ مگر اس کے خقائق و
دقیق کو ایسا پسختے تھے کہ جو حق ہے اس عالم میں استاد مرحوم کی جوان طبیعت اور ذہن
کی کاوش اُن کی فرمائش کے نکتے نکتے کا حق ادا کرتی تھی۔ کہا کرتے تھے کہ اگرچہ
بڑی بڑی کامشیں اُنہی پر ہیں مگر اُن کی غزل بلند فنی میں ہم آپ بن گئے۔

ذاتے تھے کہ اپنی مدت شوق میں وہ بھی کبھی تجرات کبھی سودا کبھی میسر
کے انداز میں غزلیں لکھتے رہے مگر انہیں کچھ بقتضائے سن۔ کچھ اس سب سے کہ
صاحب دل اور صاحب نسبت تھے۔ خواجہ میسر و رو کی طرزیں آگئے تھے۔ یہ بھی
آپ ہی کہتے تھے کہ اُن دنوں میں ہمارا عالم ہی آؤر تھا۔ جوانی دوانی۔ جرات کے
دنگیں۔ کبھی سودا کے انداز میں۔ اور وہ روکتے۔ آج الٹی بخش غاں مرحوم
ہوتے تو ہم لکھ دکھاتے۔ اب اُن کا دیوان ویسا بنا دیتے جیسا اُن کا جی چاہتا
تھا۔ اُن کی باتیں کرتے اور بار بار افسوس کرتے۔ اور کہتے۔ اے الٹی بخش غاں۔
اُن کا تمام ادب سے لیتے تھے۔ اور اس طبع ذکر کرتے تھے۔ جیسے کوئی با اعتقاد
اپنے مرشد کا ذکر کرتا ہے۔ اُن کی میگزوں باتیں بیان کیا کرتے تھے جو دین دنیا

نواب الٹی بخش غاں
سودا کا شعر
کے کمال پر تھے

کے کاموں کا دستور العمل ہیں +

یہ بھی فرماتے تھے کہ ایسا سخی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ جو آتا تھا۔ امیر۔ فقیر۔ بچہ۔ بوڑھا اُسے بغیر دئے نہ رہتے تھے۔ اور دینا بھی وہی کہ جو اُس کے مناسب حال ہو کوئی سوداگر نہ تھا کہ آئے اور خالی پھر جائے۔ اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ ہماری غزل ہمارے پاس بیٹھ کر بناتے جاؤ سناتے جاؤ۔ میں نے اس باب میں پہلو بچایا تھا مگر اُن کی خوشی اُسی میں دیکھی تو مجبور ہوا اور یہی خوب ہوا + ایک دن میں اُن کا دو غزل بنا رہا تھا۔ اُس کا منقش تھا +

آگ غزل پر دروسی معروض کلمہ اس طرح ہیں	ذوق ہے دل کو نہایت دور کے اشعار سے
کون روتا ہے یہ لگ کو باغ کی دیوار سے	جانور گرنے لگے جائے ثمر اشجار سے

سوداگر آیا اپنی چیزیں دکھانے لگا۔ اُن میں ایک اسمہانی تلوار بھی تھی۔ وہ پسند آئی۔ خم دم۔ آبداری اور چہرہ دیکھ کر تعریف کی اور میری طرہ دیکھ کر کہا۔ ع

اس ضیفی میں بیان تک شوق ہے تلوار سے

میں نے اُسی وقت دوسرا مسرع لگا کر داخل غزل کیا۔ بہت خوش ہوئے +

سر نگاہیں بروئے خمدار کی نیت میں آج	اس ضیفی میں بیان تک شوق ہے تلوار سے
-------------------------------------	-------------------------------------

خیر اور چیزوں کے ساتھ تلوار بھی لے لی۔ میں حیران ہوا کہ یہ تو ان کے حالات و خیالات سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتی۔ اسے کیا کریں گے۔ خدا کی قدرت ۲-۳ ہی دن کے بعد بڑے صاحب (فرزیر صاحب رزیدنٹ) ایک اور صاحب کو اپنے ساتھ لے کر نواب احمد بخش خاں مرحوم کی ملاقات کو آئے۔ وہاں سے انکے پاس آئے۔ باتیں چیتیں ہوئیں۔ جو صاحب ساتھ تھے اُن سے ملاقات کروائی۔ جب چلنے لگے تو اُنہوں نے وہی تلوار منگا کر صاحب مہراہی کی کمر سے بندھوائی اور کہا +

برگ سبز است شمع درویش	چہ کند بے نوا ہمیں دارد
-----------------------	-------------------------

ان کے ساتھ سیم صاحب بھی تھیں۔ ایک ارگن باجا نہایت عمدہ کسی روئی سوداگر

ہائی غزل میں
مرحوم کی بات

تلوار کی
قدردانی

سے لیا تھا وہ انہیں دیا +

ان کے اشعار کا ایک سلسلہ ہے جس میں روایت وار ایک سو ایک مطلع ہے اور کوئی ہنری کے مضمون سے خالی نہیں۔ اسی روایت سے اس کا نام تسبیح نور و رکھا تھا۔ یہ تسبیح بھی استاد مرحوم نے پر دوئی تھی۔ اور آخر میں ایک تاریخ فارسی زبان میں اپنے نام سے لکھ کر لگائی تھی۔ جن دنوں اس کے دانے پر دتے تھے تو نواب صاحب مرحوم کی سب پر فراٹش تھی کہ کوئی مثل۔ کوئی محاورہ ہنری کا بتاؤ۔ ان کے ہڈل و کرم اور حسن اخلاق اور علو مرتبہ کے سبب اکثر شرفاً خصوصاً شعرا اگر جمع ہوتے تھے۔ اور اشعار سنتے سناتے تھے۔ ان دنوں میں ان کے شوق سے آوروں پر بھی سبز رنگ چھایا ہوا تھا۔ بھورے خاں آشفتمہ ایک پرانے شاعر شاہ محمدی مائل کے شاگرد اور ان کے مرید تھے صدہ دلیط میں پاتے تھے۔ آشفتمہ کے طعنے میں ہری چک کا لفظ آیا کہ ان کے ہاں ابھی تک نہ بندھا تھا ان سے وہ شعر لے لیا اور اپنے انداز سے بھایا :-

آج یہاں کل ہاں - گذرے ہیں بنگ میں | کہتے ہیں سب سبز رنگل میں ہری چک میں
آشفتمہ کو سو روپے ایک رومال میں باندھ کر دے دئے کہ تمہاری کاوش طبع
کیوں خالی جائے +

فرماتے تھے ایک دن مجھے ایک غزل دی اور کہا کہ یہاں ابراہیم بیگن ہاری
وقت سے پڑی ہے۔ دیوان میں درج نہیں کی۔ روی کرنے کو جی نہیں چاہتا۔
مطلع اس کا میں پسند ہے۔ مطلع :-

میں جو کہنے لگا کچھ یار کے ناخونوں میں | بولے رکھ پھوڑے ہیں تجھ سار کے ناخونوں میں

اسی وقت مہذبتول میری سبھ میں آگیا۔ اور معروف اس غزل سے سوزوں ہوا :-

عظا العام فصیح ہے سخن میں معروف | پھر سخن کیا ہے ان اشعار کے ناخونوں میں

دلی میں اب جیات کو دیکھ کر بعض اشخاص نے مجھ سے کہا کہ ایسا کہہ شق صواب کہ امت

تسبیح نور

سو روپے کا ایک رومال
تسبیح نور

بزرگ ایک نوجوان شخص کا کیونکر شاگرد ہوا ہوگا۔ اس مضمون کو تم نکال ڈالو میں کیا کہوں کہ استاد کی صحبت میں ہفتہ میں کئی دفعہ اُن صحبتوں اور اصلاحوں کے ذکر ہو جاتے تھے۔ دو غزلوں کے اصل ستوے اب تک بھی میرے پاس موجود ہیں دکھاؤں گے +

استاد مرحوم فرماتے تھے کہ دالان میں ایک طرف جانا زبھی جتی تھی۔ جب میں رخصت ہوتا تو آٹھویں دسویں دن فرماتے۔ بھئی میاں ابراہیم نور جہاں علی ناز کے چنے دیکھنا۔ میں نے گوشہ جانا ز اشاکر دیکھا تو حیران ہوا ایک پڑیاں کچھ پٹنے دھرے تھے۔ میں سمجھ گیا اور نے لئے۔ اس میں لطیف یہ تھا کہ ہم کس قابل ہیں جو کچھ دیں۔ جس سے ہم مانگتے ہیں یہ وہی تمہیں دیتا ہے۔ پھر جب کچھ دیتے تو اسی طرح دیتے۔ یہ گوشہ جانا ز اُٹھاتے اور لے لیتے +

ایک دفعہ استاد بیمار ہوئے اور کچھ عرصہ کے بعد گئے بیعت تھا اور کچھ کچھ تھیں باقی نہیں۔ فرمایا کہ خنہ پاکر عرض کی کہ بہت خوب۔ مگر نواب صاحب خنہ پلوئیں تو خالی کیا پلوئیں۔ ایک چاندی کی گڑبڑی۔ پلم اور چمیل۔ منفرد نیچہ مضع ٹنٹال تیار کروا کر سامنے رکھوا دی +

خلیفہ صاحب (میاں محمد اسماعیل) چھوٹے سے تھے۔ ایک دن استاد کے ساتھ چلے گئے۔ رخصت ہوئے تو ایک چھوٹا سا ناگن اسٹبل سے منگایا زین تزیں کسا ہوا۔ اس پر سوار کر کے رخصت کیا کہ یہ بچہ ہے کیا جانیکا کریں کس کے پاس گیا تھا +
ادھر ولیعہد بہادر کی فرمایشیں۔ ادھر نواب مرحوم کی غزلوں پر طبیعت کی آزمائشیں تھیں کہ کئی برس کے بعد شاہ نصیر مرحوم دکن سے پھرے اور اپنا مولیٰ مشاعرہ جاری کیا۔ فتح علی احمد کی شقیں خوب زوروں پر چڑھ گئی تھیں انہوں نے بھی شاعر وں جا کر غزل پڑھی۔ شاہ صاحب نے دکن میں کسی کی فرمایش سے + شعر کی ایک غزل کہی تھی۔ آتش و آب و خاک و باد۔ وہ غزل مشاعرہ میں

سخاوت کا
انگلا تو دیکھو

خاص میں
پلو تھیں

بچہ بھی نکال
رہا ہے

شاہ نصیر مرحوم
سے کہہ کر نکالی
ہوئی ہے

مٹائی۔ اور کہا اس طرح میں جو غزل لکھے اُسے میں استاد مانتا ہوں۔ دوسرے شاعرہ میں انہوں نے اس پر غزل پڑھی۔ شاہ صاحب کی طرف سے بجائے خود اس پر کچھ اعتراض ہوئے۔ جشن قریب تھا۔ شیخ علیہ الرحمہ نے بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ اسی طرح میں لکھا۔ مگر پہلے مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس لے گئے کہ اس کے صحت و سقم سے آگاہ فرمائیں۔ انہوں نے سن کر پڑھنے کی اجازت دی۔ مگر ولیمہ بہادر نے اپنے شقہ کے ساتھ اُسے پھر شاہ صاحب کے پاس بھیجا۔ انہوں نے جو کہا تھا۔ وہی جواب میں لکھ دیا اور یہ شعر بھی لکھا:-

برود گشت من حرف اعتراض چناں	کسے پدیدہ بنیا فردا بدو انگشت
-----------------------------	-------------------------------

شیخ مرحوم کا دل اور بھی قوی ہو گیا۔ اور دربار شاہی میں جا کر قصیدہ منایا۔ ایسے بڑے بڑے چرچے ہوئے۔ اور کئی دن کے بعد شاہ اس پر اعتراض لکھے گئے ہیں + شیخ مرحوم قصیدہ مذکور کو شاعرہ میں لے گئے کہ وہاں پڑھیں اور برو۔ برسرِ بحرِ فیصلہ ہو جائے۔ چنانچہ قصیدہ پڑھا گیا۔ شاہ فیصلہ مرحوم نے ایک مستند طالب علم کو کہ کتب تحصیل اُسے خوب رواں تھیں۔ جلسہ میں پیش کر کے فرمایا۔ کہ انہوں نے اس پر کچھ اعتراض لکھے ہیں شیخ علیہ الرحمہ نے عرض کی کہ میں آپ کا شاگرد ہوں۔ اور اپنے تئیں اس قابل نہیں سمجھتا۔ کہ آپ کے اعتراضوں کے لئے قابل خطاب ہوں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے کچھ تعلق نہیں۔ انہوں نے کچھ لکھا ہے۔ شیخ مرحوم نے کہا کہ خیر تحریر تو اُسی وقت تک ہے۔ کہ فاصلہ دوری دریاں ہو۔ جب آسنے سامنے موجود ہیں۔ تو تقریر فرمائیے۔ قصیدہ کا مطلع تھا:-

صحر کو دیں ہوں گر آتش آبِ خاکِ باد	آج زل کیلئے پر آتش آبِ خاکِ باد
------------------------------------	---------------------------------

مفترض نے اعتراض کیا کہ سنگ میں آتش کے جلنے کا ثبوت چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ جب پانی کو بڑھنے کے سبب سے حرکت ہے۔ تو اس میں آگ کو بھی حرکت ہوگی مفترض

لحن: یہ شعر شیخ مرحوم پر کہ ولیمہ بہادر اور نواب اعلیٰ بخش خاں کے استاد کہلاتے تھے +

نے کہا کہ نگ میں آتش کا ثبوت چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ مشاہدہ! اُس نے کہا کہ کتابی سند دو۔ انہوں نے کہا تاہم سے ثابت ہے کہ ہوشنگ کے وقت میں آگ تھی۔ اُس نے کہا کہ شاعری میں شعر کی سند درکار ہے۔ تاہم شعر میں نہیں چلتی۔ حاضرین عہد ان سوال جواب کی آگ پلٹ کے تماشے دیکھ رہے تھے اور اعتراض پر حیران تھے کہ دفعہ شیخ علیہ الرحمہ نے یہ شعر محسنِ تاثیر کا پڑھا :-

پیش از ظہور جلوه جانا نہ سونقیم	آتش بہ سنگ بود کا خانہ سونقیم
---------------------------------	-------------------------------

مشاعرہ میں ایک دلولہ پیدا ہوا اور ساتھ ہی سودا کا صبح گزرا نا۔ ع

مرنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا

اسی طبع اور اکثر اشعار پر سوال و جواب ہوئے۔ شاہ صاحب بھی بیچ میں کچھ دخل دیتے جاتے تھے۔ اخیر میں ایک شعر پر اُس نے یہ اعتراض کیا کہ اس میں ثبوت آئی کا نہیں ہے۔ شیخ علیہ الرحمہ نے کہا کہ تغلیب ہے۔ اُس وقت خود شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ تغلیب کیس آئی نہیں۔ انہوں نے کہا کہ تغلیب کا قاعدہ نام ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے شعر کی غزل پڑھ کر فرمایا تھا کہ اس طبع میں کوئی غزل کہے تو ہم آسے استاد جانیں میں نے تو ایک غزل اور تین قصیدے کہے اب بھی استاد ہوا؟ معترض نے کہا کہ اس وقت مجھ سے اعتراضوں کا پورا سراہجام نہیں ہو سکتا۔ کل پر منحصر رکھنا چاہئے۔ اور بلبہ بر فاست ہوا۔

اُسی دن سے تکمیل علوم اور سیر کتب کا شغل واجب ہوا۔ تھوڑی سالانہ کا یہ ہوا کہ راجہ صاحب رام جو اماک شاہ اودھ کے فخر تھے۔ انہیں پیشوق ہوا کہ اپنے بیٹے کو کتب علمی کی تحصیل تمام کروائیں۔ مولوی عبدالرزاق کو شیخ مرحوم کے قدیمی استاد تھے۔ وہی اُن کے پڑھانے پر مقرر ہوئے۔ اتفاقاً یہ بھی ایک دن مولوی صاحب کے ساتھ گئے۔ چونکہ ان کی تیسری طبع کا شمار ہو گیا تھا۔ راجہ صاحب اہم

تکمیل علوم
سے محمد رقی
سالانہ

نے ان سے کہا کہ یہاں ابراہیم تم ہمیشہ درس میں شریک ہو۔ چنانچہ یہ نوبت ہو گئی کہ اگر یہ کبھی شغل یا ضرورت کے سبب وہاں نہ جاتے۔ تو راجہ صاحب کا آدمی انہیں ڈھونڈ کر لاتا۔ اور انہیں تو ان کا سبق بھی ملتا ہی رہتا۔

کہا کرتے تھے کہ جب بادشاہ عالم ولیعہدی میں تھے۔ تو مرزا سلیم کے بیاہ کی تمینیت میں ایک مثنوی ہم نے لکھی۔ اُس کی بحرِ مثنوی کی سہولِ بحر میں سے الگ تھی۔ لوگوں نے چرچا کیا کہ یہ جائز نہیں۔ میرِ نجات کی گلِ شقی ہم نے دیکھی پئی تھی۔ مگر حکیم مرزا محمد صاحب رحمہ اللہ زندہ تھے اور میرے والد مرحوم انہیں کا علاج کرتے تھے۔ وسعتِ معلومات اور حصولِ تحقیقات کی نظر سے ہم نے اُن سے جا کر پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ رواجِ اتفاقی ہے جو مثنوی آٹھ بحر میں منحصر ہو گئی ہے۔ نہ طبعِ سلیم پر کون حاکم ہے جو روکے۔ جس بحر میں چاہو لکھو۔ استاد کے ستودوں میں ایک پرچہ پر چند شعرا کے لکھے تھے۔ اُن میں سابق کا مضمون تھا۔ دو شراب تک یا وہیں۔

یا قلمِ مستی کے جاب لب جو تھے
ہے بند کیا عیش کے دریا کو ٹہو میں

ٹھیلیاں تو غیبی سئے عشرت کے ٹہو تھے
لازم تھا کہ کہانہ ہتھ یہ اُن کے گلو میں

چند سال کے بعد ایک قصیدہ اکبر شاہ کے دربار میں کہہ کر لایا کہ جس کے حلقہٴ شعروں میں انواع و اقسام کے صنائع و بدائع صرف کئے تھے اس کے علاوہ ایک زبان میں جو ایک ایک شعر تھا اُن کی تعداد ۱۸ تھی مطلع اُس کا یہ ہے :-

جگہ سلطان واسد مہر کا ٹھیرا سکن | آب و ایلو ہوئے نشو و نمائے گلشن

اس پر بادشاہ نے خاقانی ہند کا خطاب عطا کیا۔ اُس وقت شیخ مرحوم کی

دیکھو انھوں نے علمِ فضل کے فائدوں سے ایک نالوش کامل اور جانِ کلمات تھے۔ یہ بھی عرب میں علمِ کلام کے شاگرد تھے۔ جو کچھ خود وہاں کہہ دیا تھے۔ کچھ مرزا محمد صاحب خود بھی شاعر تھے۔ اور ان کے دل میں صاحبِ علمِ فضل شاعر تھے۔ کمالِ کمال کرتے تھے۔ اور یہ کمالِ کمال کے شاعر تھے۔ ان کے کلام کے سبب وہ علمِ کلام میں سب سے دیکھا ہوا ہے۔ انہوں نے کچھ اشعار طرز کا جواب لکھا تھا۔ پھر کہیں باب آئی کہ دنیا سے استعمال کیا۔ کچھ طرائف کتاب مذکورہ کے جواب لکھے ہیں۔ مگر جس شانیت اور جاسیت اور اقتدار کے ساتھ انہوں نے لکھا ہے۔ کسی نے نہیں لکھا۔

در بارہ شاہی سے
خاقانی ہند
خطاب لکھا

عمر ۱۹ برس کی تھی +

حافظ احمد یار نے چند روز پہلے خواب میں دیکھا۔ کہ ایک جنازہ رکھا ہے۔ بہت لوگ گرد جمع ہیں۔ وہاں حافظ عبد الرحیم کہ حافظ احمد یار کے والد تھے۔ ایک کھیر کا پیالہ لئے کھڑے ہیں۔ اور شیخ علی الرحمہ کو اس میں سے چھپے بھر بھر کر دیتے جاتے ہیں۔ حافظ موصوف نے اُن سے پوچھا کہ یہ کیا سحر کر رہے۔ اور جنازہ کس کا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ مزار فیح کا جنازہ ہے۔ اور میاں ابراہیم اُن کے قائم مقام معزز ہوتے ہیں + خاقانی ہند کے خطاب پر لوگوں نے جسے چرچے کئے کہ بادشاہ نے یہ کیا کیا۔ کہیں سال اور نامی شاعروں کے ہوتے ایک نوحہ ان کو ملک الشعرا بنایا۔ اور ایسا عالی درجہ کا خطاب دیا! ایک جلسہ میں یہی گفتگو ہو رہی تھی۔ کسی نے کہا کہ جس قصیدہ پر یہ خطاب ہوا ہے۔ اُسے بھی تو دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ قصیدہ مذکور لاکر پڑھا گیا۔ میسر ہو گیا کہ شاعر بن رسیدہ اور شعراے قدیم کے صحبت یافتہ تھے۔ سن کر ہلے کہ بخشی انصاف شرط ہے۔ کلام کو بھی تو دیکھو۔ ایسے شخص کو بادشاہ نے خاقانی ہند کے خطاب سے ملک الشعرا بنایا تو کیا بُرا کیا۔ مجھے یاد ہے جب بادشاہ مرحوم نے یہ حال بیان کیا تھا اُس وقت بھی کہا تھا۔ اور جب میں ارباب زمانہ کی بے انصافی یا اُن کی پیغمبری اور بے بصری سے ذوق ہو کر کچھ کہتا۔ تو فرماتے تھے کہ بے انصافوں ہی میں سے کوئی با انصاف بھی بول اُٹھتا ہے۔ بے خبروں میں باخبر بھی نکل آتا ہے۔ اپنا کام کئے جاؤ۔ ۳۶ برس کی عمر تھی جبکہ جملہ منسیات سے توبہ کی۔ اور اُس کی تاریخ کسی ع

توبہ کا بیان

اُسے ذوق بگو سہ بار توبہ

مرزا ابو ظفر بادشاہ ہو کر بہاؤر شاہ ہوئے۔ تو انہوں نے یہ پہلے قصیدہ گزانا

ہر کہہ شاکر
بادشاہ ہوا

لے حافظ احمد یار رسیدہ انشا کے بار تھے۔ یہ سب گفت مزاج خوش طبع سخن فہم شخص تھے۔ بادشاہ دیکر اتنا دوا جان تھے۔ وہ بڑے تھے۔ مگر یاروں کی شیخ ملتے تھے۔ حافظ مرحوم انہیں ہادی ستار کے داناہ تھے۔ جنہوں نے ملت نانہ کا نعت سن دیا تھا۔ اور سودا نے اُس کی کچھ کہی تھی۔ ترجیح بخش میں ع اک سخرایہ کہتا ہے کہ طالع ہے +

روکش تھے مرغ سے ہو کیا نور سحر رنگ شفق ہے ذرہ تو پرتو، نور سحر رنگ شفق

اگرچہ مرزا ابو ظفر ہمیشہ انہیں دل سے عزیز رکھتے تھے۔ اور دلی مازوں کے لئے خیر خواہ رہتے تھے۔ مگر بعد ہی میں مرزا اسفل بیگ مختار تھے۔ جب بھی بڑی سے بڑی ترقی یا انعام کے موقع آئے۔ تو استاد کے لئے یہ ہوا۔ کہ صلہ جینے سے مر ہو گئے وہ سے معذور ہو چکے ہو گئے۔ جب بادشاہ ہوئے۔ اور مرزا اسفل بیگ نیر ہوئے تو وزیر شاہی کا سارا کنبہ قلعہ میں بھر گیا۔ مگر استاد شاہی کو منہ مینا! پھر بھی انہوں نے حضور میں اپنی زبان سے ترقی کے لئے عرض نہیں کی۔ ان کی عادت تھی کہ فکر سخن میں مشغول کرتے تھے اور شعروں کو کیا کرتے تھے چنانچہ ان دنوں میں جب کوئی عالی حنون چاقی اور دینی کے ساتھ موزوں ہوتا تو اُس کے سرور میں اُن کی طرف دیکھتے اور کہتے پھرتے :-

یوں پھر پہل کمال آشفتمحال فوس ہے اے کمال فوس ہے تجھ پر کمال فوس ہے

بیان عبدالعزیز خاں صاحب ایک مرد بزرگ صاحب نسبت فقیر تھے۔ شیخ مرحوم بھی ان سے بہت اعتقاد رکھتے تھے۔ اس عالم میں ایک دن اُن کے پاس گئے۔ اور کہا کہ تخت نشینی سے پہلے حضور کے بڑے بڑے وعدے تھے۔ اب یہ عالم ہے کہ اللہ کے نام پر نہیں جاتے زبان تک درست نہیں۔ مگر جو کچھ میں مرزا اسفل بیگ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ خلائی کے کارخانے ہیں عقل ظاہر میں کام نہیں کرتی۔ مگر یہ دیکھو کہ جو دولت تم کو دی ہے وہ اُس کو بھی تو نہیں دی ہے۔ جس دعوے سے تم دربار میں کھڑے ہو کر اپنا کلام پڑھتے ہو۔ اُس دعوے سے وہ اپنی وزارت کے مقام پر کب کھڑا ہو سکتا ہوگا۔ اونٹے اونٹے منشی مقصدی اُس کے کھتے پڑھتے ہو گئے۔ وہ کیسا ترشنا ہوگا۔ کہ نہ اُنکے کلمے کو سمجھ سکتا ہے۔ نہ اُن کا جھوٹ سچ معلوم کر سکتا ہے۔ شیخ مرحوم نے اُن کی ہدایت کو تسلیم کیا اور پھر کبھی شکایت نہ کی۔

چند روز کے بعد مرزا اسفل بیگ کی ترکی تمام ہو گئی۔ تمام کنبہ قلعہ سے نکالا گیا۔ نواب حامد علی خاں مرحوم مختار ہو گئے۔ تب استاد شاہی کا سو روپیہ مینا ہوا۔ ہمیشہ

عیدوں اور نوروزوں کے جشنوں میں قصیدے مبارک پاؤں کے پڑھتے تھے۔ جلالت سے اغزا پڑاتے تھے +

ادھر آیام میں ایک دفعہ بادشاہ بیمار ہوئے۔ جب شفا پائی اور انہوں نے ایک قصیدہ غزلیہ لکھ کر گزارا تو خلعت کے علاوہ خطاب خان بہادر اور ایک تہی مہر خاں نے تقریباً اتمام ہوا +

پھر ایک بڑے زور شور کا قصیدہ لکھ کر گزارا جس کا مطلع ہے - ع

شب کو میں اپنے سر پر شیر خواہم راحت

آس پر ایک گھاؤں جاگیر میں عطا ہوا +

جس رات کی صبح ہوتے انتقال ہوا۔ تقریباً شام میں بھی موجود تھا کہ آنسو میں شیب کی حاجت معلوم ہوئی۔ خلیفہ صاحب نے آٹھ یا۔ چونکہ پانسی لگی ہوئی تھی۔ اٹھ کا سہارا دیا اور انہوں نے کھک کر آگے بڑھنا چاہا۔ طاقت نے یاری نہ دی تو کما۔ آہ نانوئی۔ خلیفہ صاحب نے فرمایا کہ۔ شاعروں ہی کا ضعف ہو گیا۔ حافظ ویران ہیں بیٹھے تھے۔ وہ بولے کہ آپ نے بھی ضعف کے بڑے بڑے مضمون باخبر ہیں مسکرا کر فرمایا کہ اب تو چھ آس سے بھی زیادہ ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ۔ اس عالم میں بھی بے لوث قایم ہے۔ خدا اسی بے لوث کے ساتھ توانائی دے میں نصرت ہوا۔ رات اسی حالت سے گزری۔ صبح ہونے کو ۲ صفر ۱۰۲۰ جموں کا دن تھا۔ ۷ اون بیمارہ کروفات پائی۔ مرنے سے ۴ گھنٹے پہلے یہ شعر کہا تھا

کہنے ہیں کج ذوق جاں سے گزر گیا | کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

شعراے ہند نے جس قدر تائید نہیں ان کی کہیں آج تک کسی بادشاہ یا صاحب کمال کو نصیب نہیں ہوئیں +

آرہ اخبار ان دنوں دہلی میں جاری تھا۔ برس دن تک کوئی پرچہ اس کا ایسا نہ تھا جس میں ہر ہفتہ کئی کئی تاریخیں نہ چھپی ہوں +

خاص حالات اور طبعی عادات

شیخ مرحوم قدو قاست میں متوسط اندام تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں :-

آدینت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ	بہت بہت شہ ہو سکتا ہے تمام کا تو ہو
--------------------------------	-------------------------------------

رنگ سانولا۔ چہک کے داغ بہت تھے۔ کہتے تھے کہ ۹۰ دنو چہک نکلی تھی۔ مگر رنگت اور وہ داغ کچھ ایسے مناسب سوزوں واقع ہوئے تھے کہ چمکتے تھے اور پچھلے معلوم ہوتے تھے آنکھیں روشن اور رنگ ہیں تیز تھیں۔ چہرہ کا نقشہ کھڑا کھڑا تھا۔ اور بدن میں پھرتی پانی جاتی تھی۔ بہت جلد پلتے تھے۔ اکثر سفید کپڑے پہنتے تھے۔ اور وہ ان کو نہایت زیب دیتے تھے۔ آواز بلند اور خوش آئند۔ جب مشاعرہ میں پڑھتے تھے۔ تو محفل گونج اُٹھتی تھی۔ ان کے پڑھنے کا انداز اُن کے کلام کی تاثیر کو زیادہ زور دیتا تھا۔ اپنی غزل آپ ہی پڑھتے تھے۔ کسی اور سے ہرگز نہ پڑھواتے تھے ۷

صانع قدرت جنہیں صاحب کمال کرتا ہے انہیں اکثر صفیں دیتا ہے جن میں وہ اپنا بے جنس سے صاف الگ نظر آتے ہیں۔ تیزخی ذہن اور برائی طبع کا حال تو اب بھی اُن کے کلام سے ثابت ہے۔ مگر قوتِ حافظہ کے باب میں ایک ماجرا عالم خیر خوارمی کا اُنہوں نے بیان کیا جسے سُن کر سب تعجب کریں گے۔ کہتے تھے مجھے اب تک یاد ہے کہ اُس عالم میں ایک دن مجھے بخار تھا۔ والدہ نے چنگ پر ڈاکر لکھاٹ اُٹھا دیا اور آپ کسی کام کو چلی گئیں۔ ایک بی لکھاٹیں گھس آئی۔ مجھے اُس سے اور خُرخُر کی آواز سے نہایت تکلیف ہونے لگی۔ لیکن نہ اُٹھ سے ہٹا سکتا تھا۔ نہ زبان سے پکار سکتا تھا۔ گھبراتا تھا اور وہ جاتا تھا۔ تھوڑی دیر میں والدہ آگئیں۔ اُنہوں نے اُسے ہٹایا تو مجھے غصیت معلوم ہوا۔ اور وہ دونو کیفیتیں اب تک یاد ہیں۔ چنانچہ جب بڑا ہوا۔ تو

قوتِ حافظہ

جیس نے والدہ سے پوچھا انہوں نے یاد کر کے اس واقعہ کی تصدیق کی۔ اور کہا کہ فی الحقیقت اُس وقت تیری عمر برس دن سے کچھ کم تھی۔

صلاحیت طبع کے باب میں خدا کا شکر کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ایک دن لڑی کے وقت میں کنکڑا اٹک گیا۔ میں اُتارنے کو اوپر چڑھ گیا۔ ایک ہنسی کو سہارے کے قابل سمجھ کر پاؤں رکھا۔ وہ ٹوٹ گئی۔ میں نیچے آ پڑا۔ بہت چوٹ لگی۔ مگر خدا نے ایسی توفیق دی کہ پھر نہ کنکڑا اڑایا۔ نہ دھت پر چڑھا۔

عمر بھرا اپنے ہاتھ سے جانور ذبح نہیں کیا۔ عالم جوانی کا ذکر کرتے تھے کہ یاروں میں ایک مجرب نسخہ قوت باہ کا بڑی کوششوں سے ہاتھ آیا۔ شریک کر اُس کے بنانے کی صلاح تھیری۔ ایک ایک جُز کا ہم پنچانا ایک ایک شخص کے وقت ہوا چنانچہ ۴۰ چڑوں کا مغز ہمارے سر ہوا۔ ہم نے گھڑا کر اُن کے پکڑنے کے سامان پھیلا دئے۔ اور دو تین چڑے پکڑ کر ایک پنجرے میں ڈالے۔ اُن کا پھر کنا دیکھ کر خیال آیا کہ ابراہیم ایک پُل کے پُل مزے کے لئے ۴۰ بے گناہوں کا مارنا کیا انسانیت ہے۔ یہ بھی تو آخر جان رکھتے ہیں۔ اور اپنی پیاری زندگی کے لئے ہر قسم کی لذتیں رکھتے ہیں۔ اُسی وقت اُٹھا۔ انہیں چھوڑ دیا۔ اور سب سامان توڑ پھوڑ یاروں میں جا کر کھدیا کہ بھی ہم اس نسخہ میں شریک نہیں ہوتے۔

عادت تھی کہ ٹہلتے بہت تھے۔ دروازہ کے آگے ایک بسی لگی تھی اکثر اُس میں پھر کرتے تھے۔ رات کے وقت ٹہلتے ٹہلتے آئے اور کہنے لگے کہ کیاں ابھی ایک سانپ گلی میں چلا جاتا تھا۔ اُس وقت حافظ غلام رسول دیران شاگرد رشید بھی بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت پھر آپ نے اُسے مارا نہیں؟ کسی کو آواز دی ہوتی۔ فرمایا کہ خیال تو مجھے بھی آیا تھا۔ مگر پھر میں نے کہا کہ ابراہیم آخر یہ بھی تو جان رکھتا ہے۔ تجھے کے رکوت کا ثواب ہوگا۔ پھر

سلامتیت طبع

خوب خدا

خوب خدا

پھر یہ قطعہ پڑھا :-

چہ خوش گفت فردوسی پاک ات	کہ رحمت براں تربت پاک باد
میا زار مورے کہ دازکش است	کہ بان اردو جان شیر خورش است

ایک دفعہ برسات کا موسم تھا۔ بادشاہ قطب میں تھے۔ یہ جیشہ ساتھ ہونے لگے۔ اُس وقت قصیدہ لکھ رہے تھے ع شب کو میں اپنے سہرستہر خواب راحت چڑیاں سایہ بان میں تنگے رکھ کر گھونسل بنا رہی تھیں۔ اور جو گرتے تھے انہیں لینے کو بار بار ان کے آس پاس آ بیٹھتی تھیں۔ یہ عالم محبت میں بیٹھے تھے۔ ایک چڑیا سر پر آن بیٹھی۔ انہوں نے ہاتھ سے اُڑا دیا۔ تھوڑی دیر میں پھر آن بیٹھی۔ انہوں نے پھر اُڑا دیا۔ جب کئی دفعہ ایسا ہوا تو ہنس کر کہا کہ اس غیبانی نے میرے سر کو کبوتروں کی چھتری بنایا ہے؟ ایک طرف میں بیٹھا تھا ایک طرف حافظ ویران بیٹھے تھے وہ ناہینا تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ حضرت کیا؟ میں نے حال بیان کیا۔ ویران بولے کہ ہمارے سر پر تو نہیں بیٹھتی۔ استاد نے کہا بیٹھے کیونکر؟ پانتی ہے کہ یہ ملا ہے۔ عالم ہے۔ حافظ ہے۔ ابھی اُچل لگے الصید پڑھ کر کھلوا داکر بوا کہیگا اور فیض اللہ اکبر کرو گیگا۔ دیوانی ہے جو تمہارے سر پر آئے +

فرامتنے تھے کہ میں نے ساڑھے سات سو دیوان استادہ سلف کے دیکھے اور ان کا خلاصہ کیا۔ خان اردو کی تصنیفات۔ ٹیک چند ہمار کی تحقیقات اور اس قسم کی اور کتابیں گویا ان کی زبان پر تھیں مگر مجھے اس کا تعجب نہیں۔ اگر شعراءِ عجم کے ہزاروں شعرا نہیں از بر تھے تو مجھے حیرت نہیں لگے کہ وقت جس تڑاتے سے وہ شعر مندیں دیتے تھے مجھے اس کا بھی خیال نہیں کیونکہ جس فن کو وہ لئے بیٹھے تھے یہ سب اس کے لوازمات ہیں۔ ان تعجب یہ ہے کہ تاریخ کا ذکر آئے تو وہ ایک صاحب نظر مؤرخ تھے تفسیر کا ذکر آئے تو ایسا

خوب خدا
میں لطیف

پیش صاحب
نظر کہان ہنر
میں

معلوم ہوتا تھا گویا تفسیر کبیر دیکھ کر اٹھتے ہیں۔ خصوصاً تصوف میں ایک عالم خاص تھا کہ جب تقریر کرتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ شیخ مشبلی ہیں۔ یا یازید بسطامی بول رہے ہیں۔ وحدت وجود اور وحدت شہود میں علم اشراق کا پر توہ دیکر کبھی ابوسید ابوالخیر تھے۔ کبھی محی الدین عربی۔ پھر جو کہتے تھے۔ ایسی کانٹے کی قول کہتے تھے کہ دل پر نقش ہو جاتا تھا۔ اور جو کچھ اُن سے سُن لیا ہے آج کل پر نقش ہے رمل و نجوم کا ذکر آتے تو وہ بخوبی تھے۔ خواب کی تفسیر میں انہیں خدا نے ایک ملک راسخ دیا تھا۔ اور لطف یہ کہ احکام اکثر مطابق واقع ہوتے تھے۔ اگرچہ مجھے اس قدر وسعتِ نظر و سم پہنچانے کا بڑا تعجب ہے مگر اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ اُن کے حافظہ میں اس قدر مضامین محفوظ اکیونکر رہے +

علم طب کو خوب حاصل کیا مگر کام نہ کیا۔ خوف آتا کہ ایسا نہ ہو۔ بے پروائی سے کسی کا خون ہو جائے +

کہتے تھے کہ شعر کا بچپن سے عشق ہے۔ ابتدا میں دنیا کی شہرت اور مہموری اور تفریح طبع نے مجھے غفلت کمالوں کے رستے دکھائے۔ چند روز مویہ کی کاشوق ہوا اور کچھ حاصل بھی کیا مگر خاندان سے ایک بڑا صاحب کمال گویا آیا۔ اُس سے ملاقات کی۔ باتوں باتوں میں اُس نے کہا کہ جو گانے کاشوق کرے اُس کے لئے ۳۰ برس کی عمر چاہئے ۲۰۰ برس بیکھے ۱۰۰ برس سننا پھرے اور جو بیکھا ہے اُسے مطابق کرے پھر ۱۰۰ برس بیٹھ کر آوروں کو سنائے اور اُس کا لطف اٹھائے۔ یہ سُن کر دل برداشتہ ہو گیا۔ اور یہ بھی خیال آیا کہ ابراہیم اگر بڑا کمال پیدا تو ایک ڈوم ہو گئے۔ اس پر بھی جو کلامت ہو گا وہ تک چڑھا کر یہی کہیگا کہ اتانی ہیں۔ سپاہی ناوے سے ڈوم بننا کیا ضرور؟ نجوم رمل کا بھی شوق کیا اُس میں دستگاہ پیدا کی۔ نجوم و رمل کا ایک صاحب کمال منظر ہوئے رہتا تھا اُس سے نجوم کے مسائل حاصل کیا کرتے تھے۔ ایک دن کسی سوال کا

نہایت درست جواب اُس نے دیا اور گفتگو ہوتے ہوتے یہ بھی کما کر ایک ایک
تیارہ کا حال اور اُس کے خواص معلوم کرنے کے لئے آدھے آدھے برس چاہئے ہیں۔
یہ سن کر اُس سے بھی دل برداشتہ ہو گیا +

نجومِ دول

نجوم کے چھوڑنے کا یہ سبب بھی ہوا کہ ولیم دی کا زمانہ تھا۔ مرزا منگل بیگ
بھائی روشن بیگ اور بھائی بندوں کی طرح بے علم بے تربیت جاہل تھا۔ غریبی سے
بھائی کی بدولت آسودہ ہو گیا تھا۔ وضع کو تراشنا تھا۔ سرکار میں صاحب خدمت
تھا۔ کاروبار میں وخیل تھا۔ یہی لوگ اجڑا سے دربار تھے۔ استاد جلتے تو انہیں
میں بیٹھنا اور وقت گزارنا پڑتا۔ اُن دنوں جوانی کا عالم تھا۔ اُس سے ہنسا
کرتے اور دل ہلایا کرتے۔ اُس کی ایک رنڈی بھی تھی۔ استاد بھی کبھی کہتے کہو
تمہاری وہ کیسی ہیں؟ وہ کہتا خوب! اُن دنوں احکام نجوم کی شوق چڑھی ہوئی
تھی۔ کبھی گھر سے کبھی دیہں حساب لگا کر دیکھ لیتے۔ اور کہتے کیوں ہی کج رات کو
تو جو تپتی رہی۔ کبھی معلوم ہوتا تو کہتے کیوں رات کو تو مزے میں تھے۔ کیوں جی
وہ عطر ہی پر بگڑی تھی یا اور بات پر۔ روشن بیگ سوچتا کہ انہیں کہاں سے
خبر ہو جاتی ہے۔ اُسے وہم یہ تھا کہ شاید اُس سے ملتے نہ ہوں گے۔ مرزا اور شرماتا +
اُس نے کتنا شروع کیا کہ حضور انیس نجوم میں بڑا دخل ہے۔ ایک دن
استاد گئے۔ بادشاہ محل میں تھے۔ خبر ہوئی۔ باہر آئے۔ تھیں سامنے بند کر کے
اُن سے پوچھا۔ بھئی میاں ابراہیم اپنے نجوم سے حساب کر کے بتاؤ۔ ہمارے
ہاتھ میں کیا ہے۔ وہ دل میں شرمندہ ہوئے۔ مگر حساب کر کے عرض کی لگوشت
کی بوٹی معلوم ہوتی ہے۔ ہنس پڑے اور مٹھی کھول کر دکھادی وہی تھی۔ ہاتھ میں
ایک سونے کی انگوٹھی تھی وہ مرحمت فرمائی۔ انہوں نے اُس دن سے توبہ کی
پھر کبھی موقع ہی آجائے تو حساب کر کے دیکھ لیتے تھے۔ وہ بات نہیں تھی +
کتنے بھل کے گنج میں ایک جوتشی پنڈت تلسی رام نامی تھا۔ ایک مرد

جو پیشینہ

دیرینہ سال فتنی درگاہ پر شاد کہ شیخ مرحوم کے قیدی دوست تھے اور جوشی صاحب کے پاس بھی جایا کرتے تھے۔ انہوں نے جوشی صاحب کی بہت تعریف کی اور ایک دن قرار پاکر یہ بھی ان کے پاس گئے۔ کئی دسپلے لنگھوٹوں کے ہوئے۔ بعد ازاں انہوں نے بے اظہار نام اپنے زانچہ کی صورت حال بیان کی۔ جوشی صاحب نے کہا کہ وہ شخص صاحب کمال ہو۔ اور غالباً کمال اس کا کسی ایسے فن میں ہو کہ باعث تفریح ہو۔ اس کا کمال رواج خوب پاوے۔ اس کے حریف بھی بہت ہوں مگر کوئی سامنے نہ ہو سکے۔ وہ اسی قسم کی باتیں کہے جاتے تھے جو شیخ مرحوم نے پوچھا کہ اس کی عمر کیا ہو؟ انہوں نے کہا کہ ۶۷-۶۸-۶۹ حد ۶۹ یہ سن کر شیخ مرحوم کے چہرے پر آثارِ طال ظاہر ہوئے اور خدا کی قدرت کہ ۶۸ برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ اگرچہ عقل اور نقل احکام نجوم پر اعتقاد نہ کرنا چاہئے لیکن واقعہ نظر پیش گذشتہ اس لئے واقعہ نگاری کا حق ادا کیا۔ میں بھی دیکھتا کہ انہیں آخر عمر میں مرنے کا خیال اکثر رہتا تھا۔ ایک دفعہ بادشاہ بیمار ہو کر اچھے ہوئے۔ غسل صحت کا جشن قریب تھا۔ انہوں نے مبارکباد کا قصیدہ کہا۔ میں حسب معمول خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اُس وقت اس قصیدہ کے شعر کہہ رہے تھے۔ چنانچہ شعراء اس کے سننے لگے۔ مطلع تھا:-

زجہ نثا کہ گر کیجئے اسے تحریر	عیاں ہو خام سے تحریر نثر جائے سر
-------------------------------	----------------------------------

اس کے آگے شعر سناتے جاتے تھے پس تعریف کرتا جاتا تھا۔ وہ مسکراتے جاتے تھے اور پڑھتے جاتے تھے۔ جب یہ شعر پڑھا:-

ہوا چہ دوڑنا ہے اس طرح سے ابر سیاہ	کہ جیسے جائے کوئی قیل مست بندہ خیر
------------------------------------	------------------------------------

بے اختیار میری زبان سے نکلا کہ سبحان اللہ۔ رنگینی اور یہ زور! ظہور کی ساقی کا ہو گیا۔ چپ ہو گئے۔ اور کہا کہ اس میں زور آتا جاتا ہے میں غصہ جاتا ہوں۔ اس کی جوانی ہے اور میرا بڑھا پا ہے۔ ان کی طبیعت کو خدا نے تقائے نے شعر سے ایسی مناسبت دی تھی کہ رات دن اس کے سوا کچھ خیال نہ تھا اور اسی میں

خوش تھے۔ ایک تنگ و تاریک مکان تھا جس کی انگن ٹی اس قدر تھی کہ ایک پھوٹی سی چارپائی ایک طرف بچتی تھی۔ دوطرف آثارِ رستہ رہتا تھا کہ ایک آدمی چل سکے۔ حقانہ سے لگا رہتا تھا۔ کھڑی چارپائی پر بیٹھتے رہتے تھے۔ کھسے جلتے تھے۔ یا کتاب دیکھے جلتے تھے۔ گرمی جاڑا برسات تینوں موسموں کی بہاریں وہیں بیٹھے گزر جاتی تھیں۔ انہیں کچھ خبر نہ ہوتی تھی۔ کوئی سیلہ کوئی عید اور کوئی موسم بلکہ دنیا کے شادی و غم سے انہیں سروکار نہ تھا۔ جہاں اول روز بیٹھے وہیں بیٹھے۔ اور جب ہی اُٹھے کہ دنیا سے اُٹھے ۛ

ہر وضو کے بعد ایک لوٹے سے برابر نکلیاں کئے جاتے تھے۔ ایک دین میں نے سبب پوچھا۔ قاتل ہو کر بولے کہ خدا جانے کیا کیا ہر لیاات زبان سے نکلتے ہیں۔ خبر یہ بھی ایک بات ہے۔ پھر فراموش کر کے۔ ایک ٹھنڈی مائنس جمی اور یہ مطلع اُسی وقت لکھ پڑھا :-

پاک رکھ اپنا دہاں ذکرِ خدائے پاک سے کم نہیں ہرگز زباں میں ترے سوا کے
مسمول تھا کہ رات کو کھانے سے فانی ہو کر بادشاہ کی غزل کہتے تھے۔ آدمی بچے تک اس سے فراغت ہوتی تھی۔ پھر وضو کرتے اور وہی ایک لوٹے پانی سے کلیاں کر کے ناز پڑھتے۔ پھر وظیفہ شروع ہوتا۔ زیر آسمان کبھی ٹپکتے جلتے کبھی قبلہ رو خمیر جاتے۔ اگرچہ آہستہ آہستہ پڑھتے تھے مگر اکثر اوقات اس جوشِ دل سے پڑھتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا گویا سینہ پھٹ جائیگا ۛ

وظیفہ پڑھ کر دعا میں شروع ہوتی تھیں۔ یہ گویا ایک نمونہ تھا۔ ان کی طبیعت کی نیکی اور عام نیکیواری کا اس میں سب سے پہلے یہ دعا تھی کہ اے الہی ایمان کی سلامتی۔ بدن کی صحت۔ دنیا کی عزت و حرمت۔ پھر اے الہی میرے بادشاہ کو بادشاہت با اقبال صبح و سالم رکھ۔ اس کے دشمن رو ہوں وغیرہ وغیرہ پھر میاں بھٹیل پھرنے اپنے بیٹے کے لئے۔ پھر اپنے عیال اور خاص خاص دوستوں کے لئے۔

یا جو کسی دوست کے لئے خاص مشکل درپیش ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایک شب اس موقع پر میرے والد مرحوم انہیں کے ہاں تھے۔ ساری دُعا میں سنا کئے چنانچہ اُن کے دروازے کے سامنے محلہ کا حلال خور رہتا تھا۔ اُن دنوں میں اُس کا بیل بیا رہا تھا۔ دُعا میں مانگتے مانگتے وہ بھی یاد آگیا کہ کاکڑی جتنا حلال خور کا بیل بیا رہا ہے اُسے بھی شفا دے۔ بیچارہ بڑا غریب ہے بیل مر جائیگا تو یہ بھی مر جائیگا والد نے جب یہ سنا تو بے اختیار ہنس پڑے۔ فقرا اور بزرگانِ دین کے ساتھ انہیں ایسا دینی اعتقاد تھا کہ اُس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔ علما اور اساتذہ سلف کو ہمیشہ یاد کرتے تھے اور کبھی اُن پر طعن و تشنیع نہ کرتے تھے۔ اس واسطے اُن کے مذہب کا حال کسی کو نہ کھلا +

ترتیبِ جوان

فصاحت کا دل غون ہوتا ہے جب اُن کے دیوان مختصر پر نگاہ پڑتی ہے اس کا بیان ایک نصیبت کا انشا ہے۔ اور مرثیہ خوانی اُس کی میرا فرض ہے۔ فرماتے تھے کہ بچپن میں جبکہ ۱۵-۱۶ برس کی عمر تھی ہم نے اپنا دیوان مرتب کیا تھا۔ اور اُسے بڑے شوق سے لکھا تھا۔ پھر زمانہ نے فرصت نہ دی۔ جو غزل ہوتی بجا کاغذ پر لکھی جاتی۔ اسی طرح طاق میں رکھ دیتے۔ کہ فرصت میں نظر ثانی کر سکے جب طاق بھر گیا۔ تکیہ کے غلات میں بھرے اور گھر میں دیدئے اور کہہ دیا کہ احتیاط سے رکھنا۔ کبھی شکے میں کبھی ٹھلیا میں بھرے اور گھر میں بھجوا دئے کہ ضائع نہ ہو۔ اس طرح بہت سے قیلے اور شکے ٹھلیاں بھر گئے تھے +

والد مرحوم نے آغاز شباب میں کئی بیاضیں بنائی تھیں۔ وہ ہمیشہ علی در منصبی کار و بار میں عظیم الفرصت تھے۔ باوجود اس کے جب فرصت پاتے۔ تو استاد کا کلام اُن سے لیتے اور صاف کرتے جاتے۔ بہ اندیشوں میں گھرے ہوتے تھے۔ اس لئے بہت احتیاط کرتے تھے۔ اپنی تصنیف کسی کو دیتے نہ تھے۔ البتہ جو چیز والد مرحوم کو دیتے۔ جانتے تھے کہ اب محفوظ ہوگئی +

وفات کے چند روز بعد میں نے اور خلیفہ اسماعیل مرحوم نے چاہا کہ کلام کو ترتیب
 دیں۔ سب ذخیرہ نکالا۔ محنت نے اس کے انتخاب میں پسینہ کی جگہ لہو ٹپکا یا کہینہ لکھیں
 سے لیکر دم واپس تک کلام انہیں میں تھا۔ اور بہت سی غزلیں باوشاہ کی بہتری
 غزلیں شاگردوں کی بھی ملی ہوئی تھیں۔

چنانچہ اول اُن کی اپنی غزلیں اور قصاید انتخاب کر لئے۔ یہ کام کئی مہینے میں
 ختم ہوا۔ غرض پہلے غزلیں صاف کرنی شروع کیں۔ اس خطا کا مجھے اقرار ہے کہ کام
 کو میں نے جاری کیا مگر باطلینان کیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اس طرح یکا یک زمانہ کا
 ورق کٹ جائیگا۔ عالم تہ و بالا ہو جائیگا۔ حسرتوں کے خون بہ جائیگے۔ دل کے راز
 دل ہی میں رہ جائیگے۔ وندہ شہداء کا نذر ہو گیا۔ کسی کا کسی کو ہوش نہ رہا چنانچہ
 افسوس ہے کہ خلیفہ محمد اسماعیل اُن کے فرزند جہانی کے ساتھ ہی اُن کے فرزند ابن
 روحانی بھی دنیا سے رحلت کر گئے۔ میرا یہ حال ہوا کہ قنطاریہ منکر کے ہمارے دفتر انگر
 میں گھس آئے۔ اور بندوبست و کھائیں کہ جلد نکلو۔ دنیا آنکھوں میں اندھیر پھی۔ بھرا
 ہوا انگر سامنے تھا اور میں حیران کھڑا تھا کہ کیا کیا کچھ اٹھا کر لے چلوں۔ انکی غزلیں
 کے جنگ پر نظر پڑی۔ یہ ہی خیال آیا کہ محمد حسین زندگی باقی ہے تو سب کچھ چھوڑ
 مگر اٹھا وہاں سے پیدا ہونگے۔ جو غزلیں پھر آکر کہیں گے۔ اب اُنکے نام کی زندگی
 ہے اور ہے تو ان پر منحصر ہے۔ یہ ہیں تو مرکز بھی زندہ ہیں۔ یہ گئیں تو نام بھی
 نہ رہیگا۔ وہی جنگ اُن کا بغل میں مارا۔ مجھے سجانے لگے کہ چھوڑ ۲۲ نیم جانوں کے
 ساتھ لگے بلکہ شہر سے نکلا۔ غرض میں تو آوارہ ہو کر خدا جانے کہاں کا کہاں نکل آیا۔
 حافظ غلام رسول ویران نے شیخ مرحوم کے بعض درد خواہ دوستوں سے ذکر
 کیا کہ سُنو دوں کا سراپہ تو سب دلی کے ساتھ برباد ہوا۔ اس وقت یہ زخم نازہ
 اگر اب دیوان مرتب نہ ہوا تو کبھی نہ ہوگا۔ حافظ موصوف کو خود بھی حضرت مرحوم کلام
 بہت کچھ یاد تھا۔ اور خدا نے اُن کی بصیرت کی آنکھیں ایسی روشن کی تھیں کہ بصارت

کے محتاج نہیں تھے باوجود اس کے کھنے کی سخت مشکل ہوئی غرضکہ ایک شکل میں
 کئی کئی شکلیں تھیں۔ انہوں نے اس مہم کا سر انجام کیا۔ اور شش ماہ ہجری میں ایک مجموعہ
 جس میں اکثر غزلیں تمام اکثر نام۔ بہت سے متفرق اشار۔ اور چند قصیدے ہیں
 چھاپ کر نکالا مگر وہ مندی کی آنکھوں سے لہو چکا۔ کیونکہ جس شخص نے دنیا کی لذتیں
 عمر کے مختلف موسم اور موسموں کی بہاریں۔ دن کی عیدیں رات کی شب بڑتیں۔ جن
 کے تمام۔ دل کی خوشیاں طبیعت کی انگلیں۔ سب چھوڑیں اور ایک شعر کو دیا۔
 جس کی انتہا تنہا ہی ہوگی کہ اس کی بدولت نام نیک باقی رہیگا۔ تباہ کا زمانہ
 کے ہاتھوں آج اُس کی عمر بھر کی محنت نے یہ سراپا دیا۔ اور جس نے اونٹے اونٹے
 شاگردوں کو صاحبِ دیوان کر دیا اُس کو یہ دیوان نصیب ہوا خجیل ہی خدا جو چاہے
 تو بندہ کا کیا پئے + میرے پاس بعض قصیدے ہیں۔ اکثر غزلیں ہیں۔ یہ داخل
 ہو جائیگی۔ یا نام تمام غزلیں پوری ہو جائیگی۔ مگر تصنیف کے دریا میں سے پاس
 پانی بھی نہیں +

جو غزلیں اپنے تخلص سے کسی نہیں اگر جمع کی جاتیں تو بادشاہ کے چاروں
 دیوانوں کے برابر ہوتیں۔ غزلوں کے دیوان کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے۔ کہ عام جو ہر
 اُن کے کلام کا تازگی مضمون۔ صفائی کلام۔ چستی ترکیب۔ خوبی محاورہ۔ اور
 عام فہمی ہے۔ مگر حقیقت میں رنگ۔ مختلف وقتوں میں مختلف رہا۔ ابتدا میں
 مرزا رفیع کا انداز تھا۔ شاہ نصیر سے اُن دنوں سر کے ہوتے تھے اُن کا ڈھنگ
 وہی تھا۔ اس لئے انہوں نے بھی وہی اختیار کیا۔ اس کے علاوہ مرزا کی طرز کو جلسہ
 کے گرانے میں۔ اور لوگوں کے لبِ دہن سے واہ وا کے نکال لینے میں جاوہر کا اثر
 ہے۔ چنانچہ وہی مشکل طریقیں۔ چست بندشیں۔ برجستہ ترکیبیں۔ صفائی کی بلند سی
 الفاظوں کی شکوہ ہیں۔ ان کے ہاں بھی پائی باقی ہیں +

چند روز بعد جناب الہی بخش خاں معروف کی خدمت میں۔ اور وسیعہ کے دربار میں

غزلوں پر
 رائے

پہنچے۔ مروت ایک ویرینہ سال مشاق اور فقیر مزاج شخص تھے۔ اُن کی پسند طبع کے بموجب انہیں بھی تصوف اور عرفان اور درود کی طرف خیالات کو مائل کرنا پڑا۔
 نوجوان ولیمہ طبیعت کے بادشاہ تھے۔ ادھر یہ بھی جوان اور ان کی طبیعت بھی جوان تھی۔ وہ مجرات کے انداز کو پسند کرتے تھے۔ اور جرات اور سیدانشا و مصحفی کے مطلع اور اشعار بھی لکھنے سے اکثر آتے رہتے تھے اُن کی غزلیں اُنہیں کے انداز میں بناتے تھے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ان کی غزل اخیر کو گلدستہ گلہارے رنگارنگ ہوتی تھی۔
 دو تین شعر بلند خیالی کے۔ ایک دو تصوف کے۔ دو تین معاشقے کے۔ اور چارچ اس میں یہ ہوتا تھا کہ ہر قافیہ بھی ایک خاص انداز کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے کہ اسی میں بند سے قوافط دے۔ نہیں تو پھیکا رہے۔ پس وہ مشاق بلکمال اس بات کو پورا پورا سمجھا ہوا تھا۔ اور جس قافیہ کو جس پہلو کے مناسب دیکھتا تھا۔ اسی میں باندھ دیتا تھا۔ اور اس طرح باندھنا تھا۔ کہ اور پہلو نظر آتا تھا۔ ساتھ اس کے صفائی اور محاورے کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ اور انہیں اصول کے لحاظ سے میر۔ مرزا۔ درو۔ مصحفی۔ سیدانشا۔ جرات بلکہ تمام شعراء متقدمین کو اس ادب سے یاد کرتے تھے گویا اُنہیں کے شاگرد ہیں۔ ایک ایک کے چیدہ اشعار اس محبت سے پڑھتے تھے گویا اسی دستورِ عمل سے انہوں نے تہذیب پائی ہے۔ اور فی الحقیقت سب کے انداز کو اپنے اپنے موقع پر پورا پورا کام میں لاتے تھے پھر بھی جانتے والے جانتے ہیں کہ اصلی سلطان ان کی طبیعت کا سودا کے انداز پر زیادہ تھا۔

نظم اردو کی تقاضی میں مرزا نے موصوف نے قصیدہ پر دستکاری کا حق ادا کر دیا ہے۔ اُن کے بعد شیخ مرحوم کے سوا کسی نے اس پر قلم نہیں اٹھایا اور آئندہوں نے مرقع کو ایسی اونچی محراب پر سجایا کہ جہاں کسی کا ہاتھ نہیں پہنچا۔ انوری۔ ظہیر۔ ظہوری۔ نظیری۔ غری۔ فارسی کے آسان پر بھلی ہو کر چلکتے ہیں۔ لیکن ان کے قصیدوں نے اپنی کڑاک۔ دمک سے ہند کی زمین کو آسمان کر دیا۔

ہر جن میں ایک قصیدہ کہتے تھے۔ اور خاص خاص تقویٰ میں جو پیش آتی تھیں۔ وہ الگ تھیں۔ اگر جمع ہوتے تو خاقانی ہند کے قصاید خاقانی شروانی سے دو چند ہوتے۔ جب تک اکبر شاہ زندہ تھے۔ ان کا دستور تھا کہ قصیدہ کہہ کر لے جاتے۔ اور اپنے آقا یعنی ولیعہد بہادر کو سناتے۔ دوسرے دن دایمہ مدوح اس میں اپنی جگہ بلو شاہ کا نام ڈلا کر لے جاتے۔ اور دربار شاہی میں سنواتے۔ انیسویں یہ ہے کہ عالم جوانی کی طبع آزمائی سب برباد ہوئی۔ جو کچھ ہیں وہ چند قصیدے بڑھاپے کی برکت ہے۔ کئی غنم تھے۔ بہتری رباعیاں تھیں۔ سب ان کے ساتھ لگائیں۔

مرثیے سلام کہنے کا انہیں موقع نہیں ملا۔ بادشاہ کا قاعدہ تھا کہ شاہ عالم اور اکبر شاہ کی طبع محرم میں کم سے کم ایک سلام ضرور کہتے تھے۔ شیخ مرحوم بھی اسی کو اپنی رعایت اور عبادت سمجھتے تھے۔

ہزاروں گیت۔ ٹپتے۔ ٹھمریاں۔ ہوریاں کہیں۔ وہ بادشاہ کے نام سے عالم میں مشہور ہیں اور ان باتوں میں وہ اپنی شہرت چاہتے بھی نہ تھے۔

ان کے اور ان کے دیکھنے والوں کے لئے بڑے فخر کی بات یہ ہے کہ خود انے کمال شاعری اور ایسا اعلیٰ درجہ قادیان کلامی کا دیا اور چند آدمیوں سے انہیں ناضی بار بھی پہنچا۔ مگر تمام عمر میں ایک شعر بھی جمو میں نہ کہا۔ خدا ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل دیتا ہے۔ اس کی شان دیکھو کہ ۶۸ برس کی عمر پائی مگر خدا نے ان کی جو بھی کسی کے منہ سے نہ نکلائی۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ زبان جو ہر طبیعت ہے اسے بدی سے آلودہ نہ کرنا چاہئے۔

اکثر نئے ایجاد و اختراع ان کے ارادے میں تھے اور بعض بعض ارادے شروع ہوئے مگر ناتمام رہے۔ کیونکہ بادشاہ کی فرمائشیں دم لینے کی مہلت نہ دیتی تھیں۔ اور تماشایہ کہ بادشاہ بھی ایجاد کا بادشاہ تھا۔ اتنا تھا کہ بات نکالنا مگر اسے سمیٹ نہ سکتا تھا۔ اس کا کیا ہوا انہیں منہ لانا پڑتا تھا۔

اپنی غزل بادشاہ کو سناتے نہ تھے۔ اگر کسی طبع پہنچ جاتی تو وہ اسی غزل پر خود غزل کہتے۔ اب اگر نئی غزل لکھ دیں اور وہ اپنی غزل سے پست ہو تو بادشاہ بھی ہتھ نہ تھا۔ ۷ برس کا سخن فہم تھا۔ اگر اس سے چست کہیں تو اپنے کلمے کو آپ شانا بھی کچھ آسان کام نہیں۔ ناچار اپنی غزل میں ان کا تخلص ڈال کر دے دیتے تھے۔ بادشاہ کو بڑا خیال رہتا تھا کہ وہ اپنی کسی چیز پر زور طبع نہ خرچ کویں۔ جب ان کی شوق طبع کو کسی طرف متوجہ دیکھتا تو برابر غزلوں کا تار باندھ دیتا کہ جو کچھ جوش طبع ہوا دھر ہی آجائے +

عموماً اندازِ کلام

کلام کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ مفیلمین کے ستارے آسمان سے اتارے ہیں مگر اپنے فظوں کی ترکیب سے انہیں ایسی شان و شکوہ کی کرسیوں پر بٹھایا ہے کہ پہلے سے بھی اونچے نظر آتے ہیں۔ انہیں قیادرا نکلامی کے دربار سے ملک سخن پر حکومت مل گئی ہے کہ ہر قسم کے خیال کو جس رنگ سے چاہتے ہیں کہ جاتے ہیں۔ کبھی تشبیہ کے رنگ سے جھکا کر استعارہ کی بوت سے بھرتے ہیں۔ کبھی بالکل سادہ لباس میں جلوہ دکھاتے ہیں۔ مگر ایسا کچھ کہ جاتے ہیں کہ دل میں نشتر سا کھٹک جاتا ہے اور منہ سے کبھی واہ نکلتی ہے اور کبھی آہ نکلتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہونٹوں میں شمت اور برجستہ فظوں کے خزانے بھرے ہیں۔ اور ترکیب الفاظ کے ہزاروں رنگ ہیں۔ مگر جسے جہاں جتنا دیکھتے ہیں وہ گویا وہیں کے لئے ہوتا ہے۔ وہ طبیعتِ کامل کی طبع ہر مضمون کی طبیعت کو پہچانتے تھے کہ کونسا ہے کہ سادگی میں رنگ دے جائیگا۔ اور کونسا رنگینی میں۔ کامل مصور کی تیز بینی ظلم کو اس کے رنگوں کی شوخی روشن کرتی ہے۔ اسی طبع ان کے مضمون کی باریکی کو ان کے الفاظ کی لطافت جلوہ دیتی ہے۔ انہیں اس بات کا کمال تھا کہ باریکی باریکی

مطلب اور پیچیدہ سے پیچیدہ مضمون کو اس صفائی سے ادا کر جاتے تھے۔ گویا ایک شربت کا گھونٹ تھا کہ کانوں کے رستہ سے پلا دیا۔ اسی وصف نے نادانوں کو غلطی میں ڈالا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ ان کے ہاں عالی مضامین نہیں بلکہ سیدھی باتیں اور صاف صاف خیالات ہوتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ان کے ہونٹوں میں خدا نے عجیب تاثیر دی تھی کہ جو لفظ ان سے ترکیب پا کر نکلتے ہیں۔ خود بخود زبانوں پر ڈھلکتے آتے ہیں۔ جیسے رشیم پر سوتی۔ خدا جانے زبان نے کسی آئینہ کی صفائی آرائی ہے۔ یا انہوں نے الفاظ کے نگینوں پر کیونکر جلا کی ہے جس سے کلام میں یہ بات پیدا ہو گئی ہے۔ حقیقت میں اس کا سبب یہ ہے کہ قدرت کلام ان کے ہر ایک نازک اور باریک خیال کو محاورہ اور ضرب المثل میں اس طرح ترکیب دیتی ہے جیسے نیند گر شیش کو قطعی سے ترکیب دیکر آئینہ بناتا ہے۔ اسی واسطے صاف ہر ایک شخص کی سمجھ میں آتا ہے اور دل پر اثر بھی کرتا ہے +

بیش فکر سخن میں غرق رہتے تھے۔ اور اپنے کلام کو آپ الٹ پلٹ کرتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ بعض اشعار دو دو تین تین چار چار طرح سننا دیکھنے نظر آتے ہیں ان کا کلام جس طرح دل کو بھلا معلوم ہوتا ہے اسی طرح پڑھنے میں زبان کو مزا آتا ہے۔ ان کے نظموں کی ترکیب میں ایک خدا داد چستی ہے جو کلام میں زور پیدا کرتی ہے۔ وہ زور فقط ان کے دل کا جوش ہی نہیں ظاہر کرتا۔ بلکہ سننے والے کے دل میں ایک خروش پیدا کرتا ہے۔ اور یہی قدرتی رنگ ہے جو ان کے کلام پر خدا کی تقلید کا پرتوہ ڈالتا ہے +

ان کے دیوان کو جب نظر غور سے دیکھا جاتا ہے تو اس سے رنگا رنگ کے نغمے اور بوتلوں آوازیں آتی ہیں۔ ہر رنگ کے انداز موجود ہیں جیسے کہ انکے دیکھنے سے دل اکٹا نہیں جاتا۔ وہ لفظ لفظ کی بغض پہچانتے تھے۔ اور مضامین کے طیب تھے۔ جس طرح بوجہ بیعتا دیکھتے تھے۔ اسی طرح ہنسا دیتے تھے خیال نہی

ہو یا عاشقانہ یا تصنوف۔ ان کے سینہ میں جو دل تھا گویا ایک آدمی کا دل نہ تھا۔ ہزاروں آدمیوں کے دل تھے۔ اس واسطے کلام ان کا مقنا طیس کی طرح قبول عام کو کیجئے۔ دل کے خیال باندھتے۔ اور اس طرح باندھتے تھے گویا اپنے ہی دل پر گزری ہے +

عزیز اصلا ح

شاگردوں کی غزل بڑی توجہ سے درست کرتے تھے یہیں نے پوچھا کہ اور استاد اس قدر زیادہ اصلاح نہیں دیتے۔ فرمایا کہ میری غزل پر استاد توجہ کم کرتے تھے اکثر واپس بھی کر دیتے تھے کہ دوبارہ دیکھو۔ طبیعت پر زور دے کر کہو۔ بعض شعر کاٹ دیتے تھے۔ مجھے رنج ہوتا تھا۔ اس لئے شاگردوں کے کلام کا درد آتا ہے۔ اور کاوش سے درست کرتا ہوں +

اس میں خوبی یہ تھی کہ شاگرد کا کلام اس کی حیثیت اور استاد سے گھٹنے یا بڑھنے نہ پاتا تھا۔ اور کیفیت اس کی شاعری کی غزلوں میں کھلتی تھی۔ مثلاً بادشاہ کی غزل بناتے تھے۔ ولی عہد کی غزل بھی بناتے تھے۔ اور جب جدا جدا دیکھو تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ بادشاہ کا کلام ہے یہ ولی عہد کا۔ اور ہر شاگرد کا کلام بعد اصلاح کے اپنے انداز پر تھا۔ ویران اپنی جگہ داغ اپنی جگہ۔ اور اپنی غزل دیکھو تو سب سے الگ +

اعتراض

ان کے کلام پر لوگ اعتراض بھی کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ایک پانی غزل کا شعر ہے۔

سر بوقت بھج اپنا آنکھیں زیر پا ہے	یہ نصیب! اللہ اکبر لوٹنے کی جا ہے
-----------------------------------	-----------------------------------

لوگوں نے کہا کہ بے اضافی یا صفتی ترکیب کے اس میں سچی زیادہ کرنی جائز نہیں۔ مگر یہ اعتراض ان کی کم نظری کے باب سے تھے +

ورنہ تھے کہ کنوں گرفت است پلے	یہ نیروے مردے برآید نہ جاے
لے زندہ برتر از گمان و ابن کبریاے را	دست بتو کجا رسد عقل شکستہ پاے را

ایک پرانی غزل شاہ نصیر کے شاعر میں طبع ہوئی تھی :-

داغِ خرم ہے ہیں قطرہ ہے دریا ہم کو | آئے ہے جز میں نظر کل کا تماشا ہم کو
اس پر اعتراض ہوا کہ اصل لفظ جزو مع داد کے ہے۔ فقط جز صحیح نہیں اس کا
بھی وہی حال تھا۔ امیر خسرو فرماتے ہیں :-

ہر چہ کند در جز و در کل اثر | کفی و جزائش بود زان خبر

اور میر تقی فرماتے ہیں :-

جز مرتب کل کو۔ حاصل کو ہے آخر | ایک قطرہ نہ دیکھا جو۔ دریا نہ ہوا ہوگا

ایک دن میں اوج سے ملا اور استاد مرحوم کے مطلع کا ذکر آیا :-

مقابل اُس منج روشن کے شمع گرم جالے | صبادہ دھول لکٹے کہ بس سحر ہو جالے

کئی دن کے بعد جو رت میں ملے تو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور کہا۔

یہاں جو برگ گل خود شید کا کھڑکا ہو جالے | دھول دتارِ فلک پر لگے تڑکا ہو جالے

اور کہا کہ دیکھا! محاورہ یوں باندھا کرتے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ طنز کرتے ہیں سحر ہو جالے
جو استاد نے باندھا ہے۔ یہ جائز نہیں مگر تجاہل کر کے میں نے کہا کہ اس حقیقت میں
پات کے کھڑکے کا آپ نے خوب ترجمہ کیا۔ اور استعارہ میں لاکر! میری طرف دیکھ کر
چنے اور کہا کہ بھئی داغِ آخر شاگرد تھے۔ ہماری بات ہی بگاڑ دی +

دوسرے دن میں استاد مرحوم کی خدمت میں گیا اور یہ ماجرا بیان کیا۔ فرمایا کہ
شمع کو صبح ہوتے اتنا مار کر بجھا دیتے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ شمع اگر مقابلہ کرے
تو اُس گستاخی کی سزائیں صبا اُسے ایسی دھول مارے کہ وہ بجھ جائے اور بسنی گھے
کہ وہی اُس کے حق میں سحر ہو جائے یعنی روشنی نصیب نہ ہو۔ کبھی دوسری تیسری
رات ہوتی ہوتی۔ نہ ہوتی نہ ہوتی۔ وہ اور بات ہے۔ اب یہ ایک محسن اتفاق ہے
کہ ہماری زبان میں اس کے مقابل ایک محاورہ بھی موجود ہے کہ۔ دمی دھول
گلی کہ تڑکا ہو گیا۔ خیر اگر ہوا تو کچھ لطیف ہی پیدا ہوا۔ بلکہ طرز بیان میں ایک مسرت

کا قدم آگے بڑھا۔ قباحت کیا ہوئی۔ اور یہ بھی دیکھو۔ وہ محاورہ تھا تو کیا تھا۔
 مبتذل غایانہ۔ اب ثقہ متین اور شریفانہ ہے +
 آزاد۔ ایک شعر ناخ کا بھی اسی ترکیب کا ہے :-

جو شکر ہیں کبھی وہ پھرتے پھلتے نہیں | سبز ہونے کیت دیکھا ہے کیں شمشیر کا

محاورہ میں تلوار کا کیت کہتے ہیں۔ شمشیر کا کیت نہیں ہے +

آن کی ایک غزل کا شعر ہے :-

سُنا اُٹھائے ہوئے جاتا ہے کہاں کر تھے | ہے ترافش قدم چشم نائی کرتا

نواب کلب حسین خاں نادر انھیں کھٹکے میں فرماتے ہیں (بچھے) دوسرے مصرع کا
 حق ہے۔ پھلتے مصرع میں نہیں لانا چاہئے۔ اس کا جواب مجھے نہیں آتا +

نقل۔ شاہ نصیر مروجہ کے اہل سال بسال ایک عرصہ ہوا کرتا تھا۔ اس میں
 بعد فاتحہ کے کچھ مٹھی کھلایا کرتے تھے۔ ابھی نوجوانی کا عالم تھا حسب معمول استاد
 بھی گھٹے۔ فاتحہ کے بعد سب کھانا کھانے بیٹھے۔ شاہ صاحب ایک ہاتھ میں چھچھ
 دوسرے میں ایک باویہ لئے ہوئے آئے۔ اس میں دہری تھا۔ کدھاس خاص خاص
 کے سامنے ڈالنے آتے تھے۔ ان کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور چھچھ بھرا۔
 انہیں ریزش ہو رہی تھی۔ پرہیز کے خیال سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ شاہ صاحب نے
 کہا نکلیا ہے نکلیا۔ کھاؤ گے تو مر جاؤ گے۔ استاد نے ہنس دیا اور کہا کہ ع

| بھلا تم زبردے دیکھو اثر ہو سے تو میں جانوں

مصرع میاں مجذوب کا ہے۔ مگر کھانے کا موقع تھا اس لئے سب کو بہت فرمایا +
 ایک دن حسب معمول حضور میں گئے۔ مرزا شاہ رخ ایک بیٹے حضور کے تھے
 انہوں نے اُن دنوں بہت سے کاروبار کی خدمتیں قبضہ میں لے رکھی تھیں اور اکثر
 حاضر ہا کرتے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی بولے کہ بیٹے وہ بھی آئی پیچھے، معلوم ہوا
 کہ حضور کی ایک غزل ہے اُس کے ہر شعر میں ایک صبح لگا کر شلٹ کرنا چاہتے

ہیں۔ مگر ایجاب یہ ہے کہ مصرع جو لگے بوجب رواج قدیم کے اوپر نہ لگے۔ بلکہ شعر کے نیچے ایک ایک مصرع لگے کہ جس سے گویا ہر بند میں ایک ایک مطلع پیدا ہوتا جائے۔ غرض بادشاہ نے وہ غزل نہیں دی کہ استاد اس پر مصرع لگا دو اینٹوں نے قلم اٹھا کر ایک شعر پر نظر کی۔ اور فوراً مصرع لگا دیا۔ اسی طرح دوسرے میں تیسرے میں مسلسل غزل تمام کر کے جتنی دیر میں نظر ڈالی بے تامل ساتھ ہی مصرع لکھتے تھے اور اُسی وقت پڑھ کر سنائی۔ سب حیران ہو گئے۔ بلکہ مرزا شاہرجہ نے کہا کہ استاد آپ گھر سے کمر لائے تھے۔ بادشاہ بولے۔ بھلا انہیں کیا خبر تھی کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔

نقل۔ برسات کا موسم تھا۔ بادشاہ بوجب معمول کے قلم صاحب میں تھے۔ مرزا فخر بادشاہ کے صاحبزادے (کہ اخیر کو و بعد بھی ہو گئے تھے) شب منتاب میں تلاؤ کے کنارہ چاندنی کی جبار دیکھ رہے تھے۔ استاد مرحوم پاس کھڑے تھے۔ انہیں بھی شعر کا شوق تھا اور شاگرد تھے۔ اُن کی زبان سے یہ مصرع نکلا

چاندنی دیکھے اگر وہ مجھیں تالاب پر

ان سے کہا کہ استاد اس پر مصرع لگا بیٹے گا۔ انہوں نے فوراً کہا۔ ع

عکس رخ کی تاب پانی پھیرے منتاب پر

نواب حامد علیخان کے خسر نواب فضل علیخان سے اور شیخ مرحوم سے سابقہ محبت بھی تھا۔ اس لئے نواب حامد علیخان مرحوم بھی محبت و اخلاق سے ملا کرتے تھے۔ ایک دن ویدان خاص میں کھڑے ہوئے شعر سننے نکلتے تھے۔ نواب موصوف نے خواجہ وزیر کا مطلع پڑھا :-

اے شوخِ سن وہ چھٹے ہی جا ہوتا ہے

جانور جو ترے صدقہ میں رہا ہوتا ہے

اعطاء مرحوم نے کہا کہ صدقہ میں کس کو آچھڑواتے ہیں اس نے زیادہ تر مناسب ہے :-

اے شوخِ سن وہ چھٹے ہی جا ہوتا ہے

نزع بھی اگر تے صدقہ میں رہا ہوتا ہے

بدیہ

فرماتے تھے کہ جوانی کا آغاز۔ اور میری بدیہ گوئی پر نظریں پڑتی تھیں کہ ایک دن میرے محمد خاں اعظم اللہ وہ کہے بالاخانہ کے بچے سے میرا گزر ہوا۔ وہ پڑنے شاعر تھے۔ اور سرورِ مخلص کرتے تھے۔ مجھے دیکھ کر آواز دی۔ میں گیا۔ بیٹھتے ہی فرمائش کی کہ تذکرہ ہم نے تمام کر دیا۔ اب اس کی تاریخ کدو۔ میں نے کہا۔ اچھا تذکرہ نگار۔ انہوں نے کہا۔ تذکرہ نگار کی سہی نہیں۔ ابھی تذکرہ۔ اور کدو۔ فرماتے تھے۔ خدا کی قدرت۔ ان کے خطاب کے خیال سے اسی وقت ذہن میں آیا۔ دریاۓ اعظم حساب کیا تو عدد ہزار۔ جب خوشی دل کو ہوئی۔ میں نے جھٹ کر دیا۔ ہنسے اور کہا۔ پہلے سے کہہ رکھی ہوگی۔ پھر کہا۔ مصرع ابھی لگا دو۔ میں نے کہا کہ مصرع پھر انشاء اللہ۔ جو بات تھی وہ ہو گئی +

زبہ
ملی چنر

ایک دن معمولی دربار تھا۔ استاد بھی حاضر تھے۔ ایک مرشدِ نادے شریف لاتے۔ وہ شاید کسی اور مرشدِ نادے کی یا بیگمات میں سے کسی بیگم صاحب کی طرف سے کچھ عرض لے کر آئے تھے۔ انہوں نے آہستہ آہستہ بادشاہ سے کچھ کہا اور رخصت ہوئے۔ حکیم حسن اللہ خاں بھی موجود تھے۔ انہوں نے عرض کی صاحبِ عالم اس قدر جلدی؟ یہ آنا کیا تھا اور شریف لے جانا کیا تھا۔ صاحبِ عالم کی زبان سے اس وقت نکلا کہ اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے۔ بادشاہ نے استاد کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ استاد! دیکھنا کیا صاف مصرع ہوا ہے۔ استاد نے بے توقف عرض کی کہ حضور۔

لائی حیات آئے تھنا لے چلی چلے	اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
-------------------------------	-----------------------------------

یہ آواخر عمر کی غزل ہے۔ اس کے دو تین ہی برس بعد انتقال ہو گیا +
ایک دن دربار سے آکر بیٹھے تھے جو میں پہنچا۔ افسردہ ہو کر کہنے لگے کہ آج عجیب ماجرا گذرا۔ میں جو حضور میں گیا تو محل میں تھے وہیں بلایا۔ اور مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے۔ استاد آج مجھے دیر تک ایک بات کا افسوس رہا۔ میں نے حال

پوچھا۔ کہا کہ وہ! جو قصیدہ تم نے ہمارے لئے کہا تھا اس کے وہ! اشعار آج
 ہیں یاد آ گئے۔ اُن کے خیالات سے طبیعت کو عجب لطف حاصل ہوا اگر ساتھ ہی
 خیال آیا کہ اب تم یہ قصیدے ہمارے لئے کہتے ہو۔ ہم مر جائیں گے تو جو تخت پر بیٹیکا
 اس کے لئے کوئے۔ میں نے عرض کی کہ حضور کچھ ترود نہ فرمائیں۔ خیر دیکھو۔ گزرا
 ہے یہیں اور ملنا میں پہلے ہی آگڑ جاتی ہیں۔ ہم حضور سے پہلے ہی آگڑ جائیں گے۔
 اور حضور خیال فرمائیں کہ عرش آرام گاہ کے دربار کے لوگ حضور کے دربار میں کہاں
 تھے؟ فردوس منزل کے امرا ان کے عہد میں کہاں تھے عرش منزل کے فردوس منزل
 کے دربار میں کہاں تھے فردوس منزل کے امیر عرش آرام گاہ کے دربار میں کہاں تھے۔
 عرش آرام گاہ کے امرا آج حضور کے دربار میں کہاں ہیں! بس یہی خیال فرمائیے۔
 جو جس کے ہوتے ہیں وہ اُسی کے ساتھ جاتے ہیں۔ نیا میر مجلس نئی ہی مجلس جاتا ہے۔
 اور اپنا سامان مجلس بھی اپنے ساتھ ہی لاتا ہے۔ بیشک حضور بھی آبدیدہ ہوئے۔ میں بھی
 آبدیدہ ہوا مگر خیال مجھے یہ آیا کہ دیکھو ہم ہمیشہ غازی کے بعد حضور کی سلاستی کی دمائیں
 مانگتے ہیں خدا شاہ ہے اپنا خیال اس طبع آج تک کبھی نہیں آیا۔ حضور کو ہمارا خیال
 بھی نہیں۔ میاں! دُنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہے +

شیخ مرحوم حضرت جہانی کے سبب سے آواخر عمر میں روزہ نہ رکھتے تھے۔
 مگر اس پر بھی کسی کے سامنے کھاتے پیتے نہ تھے کبھی دوا یا شربت یا پانی بھی
 پینا ہوتا تو یا کوٹھے پر جا کر یا گھوڑوں جاگرونی آتے۔ ایک دفعہ میں نے پوچھا۔ کہا کہ
 میاں خدا کے گنہگار ہیں وہ عالم شان و آسکار کا ہے۔ اس کی تو شرم نہیں ہو سکتی۔
 بھلا بندے کی تو شرم رہے +

پھر ایک دفعہ رمضان کا مہینا تھا۔ گرمی کی شدت عصر کا وقت۔ نوکرنے
 شربت نیلو فر کٹورے میں گھول کر کوٹھے پر تیار کیا۔ اور کہا کہ ذرا اوپر تشریف لے پڑے
 چونکہ وہ اُس وقت کچھ کھلوا رہے تھے عصر وقت کے بجائے نہ بکھلا دسب پچھا۔

اُس نے اشارہ کیا۔ فرمایا کہ لے آئیں۔ یہ ہمارے یار ہیں۔ ان سے کیا چھپانا۔
جب اُس نے کنوڑا لاکر دیا تو یہ مطلع کما کہ فی البدیہہ واقع ہوا تھا۔

پلائے آشکارا ہم گوس کی مہاتیا چوری خدا کی جہنیں چوری تو پھر سبکی کیا چوری

تاریخ کی کماٹی بھی سب بادشاہ کے حصے میں آتی۔ کیونکہ کثرتِ انہی کی فرمائش سے کہتے تھے۔ انہی کا تخلص ہوتا تھا۔ نوابِ زینت محل بیگم۔ بادشاہ بیگم تھیں اور کل احکامِ مملکت کی حاکم تھیں۔ انہوں نے شہر میں ایک مکان بنوایا۔ تاریخ کے لئے بادشاہ سے عرض کی۔ انہوں نے دربارِ خلوت میں استاد سے فرمایا۔ بیگم و بیس کو حضورِ استاد سے کہئے کہ آج تاریخ لکھ جائیں۔ استاد نے وہیں بیٹھے بیٹھے کہا۔

کرو ان ظفرِ زینت محل تعمیرِ قصر بے بدل تاریخ گفتہ محل این خانہ زینت محل

ایسی ایسی تاریخیں سینکڑوں کھدیتے تھے۔ یا و کہاں! اور کھسے کون؟
والدِ مرحوم نے بہ نیتِ وقتِ امام بارہ تعمیر کیا۔ ایک دن تشریف لائے۔
اُن سے تاریخ کے لئے کہا۔ اُسی وقت تامل کر کے کہا تعزیت گا و امامِ دین
پوری تاریخ ہے +

حکیم میر فیض علی مرحوم طب میں ان کے استاد تھے اور انہیں کا آپ علاج
بھی کیا کرتے تھے۔ ایک دن میں بھی موجود تھا نوکرنے آکر کہا کہ آج میر فیض علی
کا انتقال ہوا۔ بار بار پوچھا اور ایسا اضطراب ہوا کہ انہیں ٹھٹھنے لگے کچھ سوچ کر
دفعہ بولے کہ اے میر فیض علی۔ مجھ سے کہا کہ دیکھو تو یہی تاریخ ہے؟ حساب
کیا تو عدد برابر تھے۔ یوں تاریخیں سینکڑوں کہیں کہاں کہاں کھیں! اور یاد کہاں؟
ایک شخص نے کہا کہ میرے دوست کا نام غلام علی ہے اور باپ کا نام غلام محمد
ہے۔ اُس نے نہایت تاکید سے فرمائش کہی ہے کہ حضرت سے ایسا صحیح کہو اور
کہ جس میں دونو نام آجائیں۔ آپ نے سن کر وعدہ کیا اور کہا کہ دو تین دن میں آپ
آئیے گا۔ انشاء اللہ ہو جاوے گا۔ وہ رخصت ہو کر چلے۔ ڈیوڑھی کے باہر نکلے ہوئے

جو نوکر سے کہا کہ محمد بخش بلانا انیس۔ لینا لینا۔ خوب ہوا ان کے تقاضے سے جلدی
مخلصی ہو گئی۔ مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

ع پدر غلام محمد پسر غلام علی

دیوان چند دلال نے ان کا کلام سن کر مصرع طبع بیجا اور بلا بیجا۔ آپ نے غزل
کہہ کر بھیجی اور مقطع میں لکھا۔

آج کل گرچہ دکن میں ہے بڑی قدر سخن | کون جانتے ذوق پر دلی کی گلیاں محمد کر

انہوں نے خلعت اور پانسو روپے بھیجے گریہ نہ گئے۔ ایک دن میں نے نہ جانے کا
سبب پوچھا فرمایا۔

نقل۔ کوئی مسافر دلی میں مہینہ میں دن رہ کر چلا۔ یہاں ایک کتا بل گیا تھا۔ وہ
وفا کا مارا ساتھ ہویا۔ شاہد رہ چنچکر دلی یاد آئی اور رہ گیا۔ وڈاں کے کتوں کو
دیکھا گردنیں فرس۔ بدن تیار چکنی چکنی پشیم۔ ایک کتا انیس دیکھ کر خوش ہوا۔ اور
دلی کا بھٹکے دست خاطر کی۔ دلیاٹیوں کے بازار میں لے گیا۔ حلوائی کی دکان سے
ایک بالو شاہی اڑا کر سامنے رکھا۔ بھٹیاریہ کی دکان سے ایک کدو چھٹا۔ یہ
ضیافتیں کھاتے اور دلی کی باتیں سناتے رہے۔ تیسرے دن رخصت آگئی اُس
نے روکا۔ انہوں نے دلی کے سیر تماشے اور خوبوں کے ذکر کئے۔ آخر چلے اور
دوست کو بھی دلی آنے کی تاکید کرائے۔ اُسے بھی خیال رہا اور ایک دن دلی کا
سج کیا۔ پہلے ہی مرگھٹ کے گئے مردار غوار۔ غوفی آنکھیں۔ کالے کالے منظر تھے۔
یہ رشتے بھرتے تھے۔ دریا ملا۔ دیو ترک کنارہ پر پھرے۔ آخر کو پڑے رکھ پکر
پار پنچے۔ شام چو گئی تھی۔ شہر میں گلی کوچوں کے گتوں سے بچ پکار ڈیڑھ پہر
رات گئی تھی جو دوست سے ملاقات ہوئی یہ بیچارے اپنی حالت پر طرہائے۔
بظاہر خوش ہوئے اور کہا ادھواس وقت تم کہاں؟ دل میں کہتے تھے کہ رات
نے پردہ رکھا۔ ورنہ دن کو یہاں کیا دھرا تھا۔ اُسے لے کر ادھر ادھر پھرنے لگے۔

یہ چاندنی چوک ہے۔ یہ دریا ہے۔ یہ جامع مسجد ہے۔ مہمان نے کہا۔ یار بھوک
 کے مارے جان نکلی جاتی ہے۔ سیر ہو جائیگی۔ کچھ کھلو او تو سہی۔ انہوں نے کہا
 عجب وقت تم آئے ہو اب کیا کروں۔ بارے جامع مسجد کی میز چبوں پر چائی کبابی
 مرجوں کی ہانڈی بھول گئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ لو یار بڑی قسمت دالے ہو۔
 وہ دن بھر کا بھوکا تھا منہ پھاڑ کر گرا۔ اور ساتھ ہی منہ سے مفرنگ گویا باروت
 آؤ گئی۔ پھینک کر پیچھے پٹا۔ اور چل کر کہا وہ یہی دلی ! انہوں نے کہا۔ اس
 چٹخارے ہی کے مارے تو پڑے ہیں +

لطیفہ۔ مرزا فخر و شاہزادے اور سلطنت میں علی عہدی کے خدار ہوئے
 تھے۔ وہ بھی استاد سے اصلاح لیتے تھے۔ شہر میں چھوٹی بیگم نام ایک حسین
 صاحب جمال اپنے ہنر کی بہت سی تھیں۔ عمر کی دوپہر چل چکی تھی۔ اور کہتے ہی
 امیروں کو مار کر خنجر کھینچتی تھیں۔ اس پر بھی لو کہیں کی کلیاں پھینچتی تھیں۔ مرزا فخر کی
 ۲۴-۲۵ برس کی عمر تھی۔ زبڈی کو نوکر رکھ کر غلام ہو گئے۔ مرزا نے ایک شانِ استاد
 کو بلا بھیجا یہ گئے۔ انہوں نے غزل عنایت کی اور کہا کہ استاد اسے میں اصلاح
 دے دیجئے۔ استاد غزل بنانے لگے۔ مرزا نے ایک تصویر صندوق میں سے نکال۔
 اُسے دیکھا اور کہا کہ استاد ذرا اسے دیکھئے۔ استاد سمجھ گئے کہ اُسی کی تصویر ہے۔
 دیکھ کر کہا۔ بہت خوب۔ مرزا کی خاطر جمع نہ ہوئی۔ پھر کہا۔ دیکھئے تو سہی۔ اگر وہی
 ایسا معشوق ہو تو کیا ہو۔ استاد دیکھے کہ دل آیا ہوا ہے۔ چاہتا ہے کہ میں بھی
 بڑھیا کی تعریف کروں۔ پھر بھی اتنا کہا کہ۔ خوب ! بہت خوب ! ان سے پھر
 بھی ذرا۔ تیسری دفعہ تصویر اُنہ میں دی اور کہا۔ بھلا استاد اس حسن میں کچھ
 نقص تو بتائیے۔ استاد نے دیکھا۔ اور کہا ذرا چھاتیاں ڈھلکی ہوئی ہیں استاد
 خود فرماتے تھے کہ میں نہ کہتا۔ مگر دل نے کہا۔ لڑکا ہے۔ اور ایک بیوا کے
 دام میں چنس گیا ہے۔ کہ تو وہ۔ شاید سمجھ جائے۔ میں نے استاد سے پوچھا۔

حضرت! پھر مرزا نے کیا کہا۔ فرمایا۔ پہلو میں رکھ لی۔ میں نے کہا۔ ہاں اُس بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ فرمایا۔ کہتے کیا؟ پتی گئے؟

لطیفہ۔ دلی میں ایک شریف خاندانی۔ خوش اخلاق خوش مزاج تھے۔ اُن کا قاعدہ تھا کہ نوکر کے پاس خاصا دن میں ہر وقت چڑھ گھوڑیاں رکھتے تھے۔ جہاں جاتے یا راہ میں کوئی دوست ملتا۔ مزاج پر سی کے بعد اُسے ایک گھوڑی بھی دیتے تھے۔ اور اسی واسطے میر گھوڑی مشہور تھے۔ انہوں نے بیٹے کی نختہ کی۔ اور بعد غسل صحت کے تمام اجاب کو بلا کر کھانا کھلایا۔ جبہ ضیافت میاں عنایت انہوں خواجہ سرا کے مکان میں تھا۔ استاد مرحوم بھی گئے۔ کھانا کھا کر دوسرے مکان میں آ بیٹھے۔ چند بزرگ اور بھی موجود تھے کہ اتنے میں میر گھوڑی صاحب آئے۔ یعنی میں ایک شخص گھوڑیاں لئے ساتھ۔ اپنے ہاتھ سے سب کو گھوڑیاں دیں۔

حکیم آقا جان جنس استاد سے باتیں کر رہے تھے۔ میر صاحب سے گھوڑی لیکر کہا۔ آج تو دوست مبارک سے گھوڑیاں کھلائی واجب تھیں۔ استاد نے کہا۔ ہاں ضیافت فرست ہی تھی۔ حکیم صاحب ہنسے اور کہا حضرت! میر صاحب کی ظرافت کے نکتے کوئی کہاں تک پائے۔ نختہ کی ضیافت کی۔ خواجہ سرا کے مکان میں کھانا کھلایا۔ استاد نے کہا ظرافت پر ظرافت یہ کہ کھلایا بھی خسی پلاؤ +

عادت تھی کہ سات آٹھ بچے مکان ضرور جاتے تھے اور تین چار چلیں تخت کی لٹاں پینتے تھے میں چھٹی کے دن اُس وقت جایا کرتا تھا۔ اور دن بھر وہیں رہتا تھا۔ مکان ضرور ڈیوہڑی میں تھا۔ پاؤں کی آہٹ پہچانتے تھے۔ پہچنتے کہ تم ہو؟ میں تسلیم عرض کرتا۔ چھوٹی سی انگنائی تھی۔ پاس ہی چار پائی۔ وہیں بیٹھ جاتا۔ فرماتے۔ اچی ہا ما وہ شعر اُس دن تم نے پڑھا تھا؟ ایک دو لفظ اُس کے پڑھتے۔ میں سارا شعر عرض کرتا۔ فرماتے۔ ہاں اب اسے یوں بنالو۔ ایک دن ہشتے ہوئے

لے خسی پلاؤ اُس پلاؤ کہتے ہیں کہ گوشت کی گجاس میں چھنے کی حال ہوتی ہے۔ گجاس گوشت کا پلاؤ ہے۔

پانچھانے سے نکلے۔ فرمایا کہ زوجی ۳۳ برس کے بعد آج اصلاح دینی آئی ہے۔
حافظ ویران نے کہا۔ حضرت کیونکر؟ فرمایا۔ ایک دن شاہ نصیر مرحوم کسی شاگرد کو
اصلاح دے رہے تھے۔ اس میں مصرع تھا۔ ع

کھاتی کر ہے تین بل اک گد گدی کے ساتھ

ابتدائی شوق تھی۔ اتنا خیال میں آیا کہ یہاں کچھ اور ہونا چاہئے اور جب سے کثرتِ مصرع
کھٹکتا رہتا تھا آج وہ نکتہ حل ہوا۔ عرض کی۔ حضرت پھر کیا۔ فرمایا۔ ع

کھاتی ہے تین تین بل اک گد گدی کے ساتھ

کر کو اور ڈال دو عرض کی پھر وہ کیونکر؟ تم صحیح الٹ پٹ کئے تھے ایک شوقِ خیال میں
بل بے کر کو زب سلسل کے بیچ میں

کھاتی ہے تین تین بل اک گد گدی کے ساتھ
کابلی دروازہ کسے پاس ہی مکان تھا۔ شام کو باہر نکل کر گھنٹوں ٹپکتے تھے میں اکثر ساتھ
ہوتا تھا۔ مضامین کتابی۔ خیالاتِ علمی افادہ فرماتے۔ شعر کہتے۔ ایک دن بادشاہ کی
غزل کہہ رہے تھے۔ تیر ہمیشہ۔ تصویر ہمیشہ۔ سوچتے سوچتے کہنے لگے۔ تم بھی تو کچھ
کہو۔ میں نے کہا کیا عرض کروں۔ فرمایا۔ میاں! اسی طے آتا ہے۔ ہوں ہاں۔
غوں غاں کچھ تو کہو۔ کوئی مصرع ہی سہی میں نے کہا۔ ع

سینہ سے لگائے تری تصویر ہمیشہ

ذرا سا تل کر کے کہا۔ ہاں درست ہے ع

آجائے اگر تاتہ تو کی چین سے ہے

سینہ سے لگائے تری تصویر ہمیشہ
اب جو کبھی ٹپ جانا ہوتا ہے اور اس مقام میں گزرتا ہے تو آئینہ نکل پڑتے ہیں +
اس مطلع پر حضور نے کئی دفعہ جال مارے گریہ خیال مجھے بغضوں آنے لگا۔ مطلع انہوں نے دیا۔

کیا کہوں میں اب ہر قسم ہو سکے دل میں ہے

ایک طرہ چھلیاں دو کشکش آہم میں ہے
بادشاہ کے چار دیوان ہیں۔ پہلے میں کچھ غزلیں شاہ نصیر کی اصلاحی ہیں۔ کچھ میر
کاظم حسین بقیار کی ہیں غرض پلا دیوان نصف سے زیادہ اور باقی تین دیوان

سزا پا حضرت مرحوم کے ہیں۔ جن سنگلاخ زمینوں میں قلم کو چلنا مشکل ہے مگر کا
نظامِ سرانجام اس خوبصورتی سے کیا ہے کہ دل شگفتہ ہوتے ہیں۔ والدِ مرحوم
کہا کرتے تھے کہ بادشاہِ تمہارا زمین کا بادشاہ ہے۔ مگر جس خوب نکالتا ہے مگر تم
سر پہن کرتے ہو۔ ورنہ شور زار ہو جائے۔ مسودہ خاص میں کوئی شعر پورا۔ کوئی ڈیڑھ
صرع۔ کوئی ایک۔ کوئی آدھا صرع فقط بھر اور رویتِ قافیہ معلوم ہو جاتا تھا۔ باقی بغیر۔
یہ ان پتہیوں پر گوشتِ پوست چڑھا کر حسن و عشق کی چکیاں بنا دیتے تھے۔
ایجادِ فرمائشوں کی حد نہ تھی۔ چند شعراؤں غزل کے لکھتا ہوں جس کے ہر شعر
کے نیچے صریح لگایا ہے :-

یا تو افسرِ مراشا نہ بنایا ہوتا	یا مرا کاج گدایا نہ بنایا ہوتا
ورنہ ایسا جو بنایا۔ نہ بنایا ہوتا	
نیشہ عشق کا گردِ ذوق دیا تھا مجھ کو	عمر کا تنگ نہ پیا نہ بنایا ہوتا
دل کو میرے شمع و فحشا نہ بنایا ہوتا	
اس خرد نے مجھے مگر شمع و حیران کیا	کیوں خرد شد بنایا نہ بنایا ہوتا
تو نے اپنا مجھے دیوانہ بنایا ہوتا	
روزِ سمورہ دنیا میں خرابی ہے ظفر	ایسی ہستی سے تو دیوانہ بنایا ہوتا
بلکہ بہتر تو یہی تھا نہ بنایا ہوتا	
ایک بٹھا چورن مہجن کی پڑیاں دچھتا پھرتا تھا اور آواز دیتا تھا۔	
تو سے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا	
حضور نے مٹا۔ ایک دو صرع اس پر لگا کر استاد کو بھیج دئے۔ انہوں نے دس دوہرے لگا دئے۔ حضور میں کنھیاں ملازم تھیں۔ انہوں نے یاد کر لے۔ دوسرے دن بچہ بچہ کی زبان پر یہی گیت تھا۔ دوبند یاد رہ گئے۔	
لے ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا	

کنجش کے ہی ہاتھ ڈنیا میں بھاری کھٹی | سینٹی چاہیے پیشی لے لے کھٹی چاہے کھٹی

لے ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا

روپ رنگ پر بھول دل میں ڈیکھ لے کھیری | اوپر پیشی نیچے کھٹی - انہوا کی سی کھیری

لے ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا

ایک فقیر خدا کھتا پھرتا تھا - کچھ راہ خدا دیجا - جاترا بھلا ہوگا - حضور کو بند آئی -
ان سے کہا - انہوں نے بارہ دوہرے اس پر لگا دئے - مدتوں تک گھر گھر
سے یہی گانے کی آواز آتی تھی - اور گلی گلی لوگ گاتے پھرتے تھے - حافظ دیران
کو خدا سلامت رکھے (مثنوی نے یہ شعر بھی لکھوائے) -

کچھ راہ خدا دیجا - جاترا بھلا ہوگا

محتاج خراباتی ہے یا پاک نازی ہے | کچھ کر د نظر اسپر - وہاں مکے نوازی ہے

کچھ راہ خدا دیجا - جاترا بھلا ہوگا

دنیا ہے سرا اس میں تو بیٹھا سا فر ہے | اور جانتا ہے یاں سے - جانا بکھے آخر ہے

کچھ راہ خدا دیجا - جاترا بھلا ہوگا

جو رہنے دیا تجھ کو - تو نام پر رکے نے | گریاش دیا تو نے - ان یوگیا کیا بندے

کچھ راہ خدا دیجا - جاترا بھلا ہوگا

دنیا کے کیا کرتا ہے سینکڑوں تو دھندے | پر کام خدا را بھی تو کر لے کوئی بندے

کچھ راہ خدا دیجا - جاترا بھلا ہوگا

دیگا اُسی کو تو - وہ جس کو ہے دلاتا | پر ہے یہ خلف تجھ کو - آواز سنا جاتا

کچھ راہ خدا دیجا - جاترا بھلا ہوگا

اس طرح کی ہزاروں چیزیں تھیں - چتے - ٹھمریاں - پریلیاں - سیٹھیاں -
کیا کیا لکھوں +

ایک دن ٹل رہے تھے - حافظ دیران ساتھ تھے - بتقاضاے استنجا

بیٹھ گئے۔ اور وقتِ سہین سے زیادہ دیر ہوئی۔ انہوں نے قریب جا کر خیال کیا، تو کچھ گنگنا رہے ہیں۔ اور چٹکی سے جوتی پر کھٹ کھٹ کرتے جاتے ہیں۔ پوچھا کہ ابھی آپ فارغ نہیں ہوئے؟ فرمایا کہ حضور نے چلتے ہوئے ایک ٹھمری کے دو تین انترے سناٹے تھے کہ اسے پورا کر دینا۔ اس وقت اُس کا خیال آگیا۔ پوچھا کہ یہ جوتی پر آپ چٹکی کیوں مارتے تھے؟ فرمایا کہ دیکھتا تھا اس کے لفظ "مال پر ٹھیک بیٹھتے ہیں یا نہیں" +

حافظ ویران کہتے ہیں۔ ایک دن عجب تماشا ہوا۔ آپ بادشاہ کی غزل کہہ رہے تھے۔ مطلع ہوا کہ ۵

ابرو کے اُنس کے بات ذرا چل کے قلم گئی	تلاوار آج ماہِ لقا چل کے قلم گئی
---------------------------------------	----------------------------------

دو تین شعر ہوئے تھے کہ خلیفہ اسماعیل دربار سے پھر کر آئے اور کہا کہ اس وقت عجب سرکہ دیکھا۔ استاد مرحوم متوجہ ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ جب میں بھوانی شکر کے چشتے کے پاس پہنچا۔ تو کھاری باولی کے منہ پر دیکھا کہ دو تین آدمی کھڑے ہیں اور آپس میں تکرار کر رہے ہیں۔ باتوں باتوں میں ایسی بگڑی کہ تلاوار کچ گئی اور دو تین آدمی زخمی بھی ہوئے یہاں چونکہ غزل کے شعر حافظ ویران سن رہے تھے بہنکر پورے کہ حضرت آپ کیا وہاں موجود تھے۔ آہستہ سے فرمایا کہ ہمیں بیٹھے بیٹھے کچھ ہو جاتا ہے۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ انہیں کرامات تھی یا وہ غیب وال تھے ایک حُسن اتفاق تھا۔ اہل ذوق کے طعنت طبع کے لئے لکھ دیا۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ایک دن حضور میں غزل ہوئی جس کا مطلع تھا ۵

آج ابرو کی ترے تصویر کچ کر رہ گئی	سُنتے ہیں بھوپال میں خمیر کچ کر رہ گئی
-----------------------------------	--

پھر معلوم ہوا کہ اسی دن بھوپال میں تلاوار چلی تھی۔ ایسے معاملے کتبِ تاریخ اور تذکرہوں میں اکثر منقول ہیں۔ طولِ کلام کے خیال سے قلم اٹھا کر تا ہوں + ایک دفعہ دوپہر کا وقت تھا۔ باتیں کرتے کرتے سو گئے۔ آنکھ کھلی تو فرمایا

کہ ابھی خوب میں دیکھا کہیں آگ لگی ہے۔ اتنے میں خلیفہ صاحب آئے اور کہا کہ پھر تیرا سوداگر کی کوٹھی میں آگ لگ گئی تھی بڑی خیر ہوئی کچھ نقصان نہیں ہوا۔
ایک شب والد مرحوم کے پاس آکر بیٹھے۔ کہا کہ بادشاہ کی غزل کہنی ہے ناؤ یہیں کہ لیں۔ کہنی فرمائشیں تھیں۔ ان میں سے یہ طعج کہنی شروع کی محبت کیا ہے صورت کیا ہے۔ مصیبت کیا ہے۔ میں نے کہا کہ حضرت۔ زمین شگفتہ نہیں۔ سکوت کر کے فرمایا۔ کہنے والے شگفتہ کر ہی لیا کرتے ہیں۔ پھر یہ دو مطلع پڑھے۔

سودا

ذہبول اے آری گریار کو تجھ سے محبت ہے
نہیں ہے اعتبار لکایہ دیکھے کی لکات ہے

میر

بگولے سے جسے آئیے میر سے رحمت ہے
ہماری خاک یوں برباد ہو اے بر رحمت ہے

اتفاق۔ فرماتے تھے کہ ایک دن بادشاہ نے غزل کا مسودہ دیا اور فرمایا کہ اسے ابھی درست کر کے دے جانا۔ موسم برسات کا تھا۔ ابر آ رہا تھا۔ دریا چڑھا ہوا تھا۔ میں دیکھ کر اسے جاکر اسی رخ پر ایک طرف بیٹھ گیا۔ اور غزل لکھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ دیکھا تو پشت پر ایک صاحب دانے فرنگ کھڑے ہیں۔ مجھ سے کہا۔ آپ کیا لکھتا ہے؟ میں نے کہا غزل ہے۔ پوچھا آپ کون ہے؟ میں نے کہا کہ نظم میں حضور کی دعا گوئی کیا کرتا ہوں۔ فرمایا۔ کس زبان میں؟ میں نے کہا اردو میں۔ پوچھا۔ آپ کیا کیا زبانیں جانتا ہے؟ میں نے کہا فارسی عربی بھی جانتا ہوں۔ فرمایا۔ ان زبانوں میں بھی کتنا ہے؟ میں نے کہا کوئی خاص موقع ہو تو اس میں بھی کتنا پڑتا ہے۔ ورنہ اردو ہی میں کتا ہوں کہ یہ میری اپنی زبان ہے۔ جو کچھ انسان اپنی زبان میں کر سکتا ہے غیر کی زبان میں نہیں کر سکتا۔ پوچھا۔ آپ انگریزی جانتا ہے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا کہ میں نہیں پڑھا؟ میں نے کہا کہ ہمارا لب و لہجہ اس سے موافق نہیں۔ وہ میر کی نہیں

ہے۔ صاحب نے کہا: "وَلَنْ يَكُنَّ بَاتٍ" ہے۔ دیکھئے ہم آپ کا زبان بولتے ہیں۔
 میں نے کہا: "نَحْنُ سَالِي فِي غَيْرِ زَبَانٍ" نہیں آسکتی۔ بہت مشکل معاملہ ہے۔ انہوں نے
 پھر کہا: "وَلَنْ يَكُنَّ بَاتٍ" ہم آپ کی تین زبان ہندوستان میں آکر سیکھا۔ آپ ہمارا ایک زبان
 نہیں سیکھ سکتے۔ یہ کیا بات ہے؟ اور تقریر کو طول دیا۔ میں نے کہا: صاحب ہم
 زبان کا سیکھنا اسے کہتے ہیں کہ اُس میں بات چیت ہر قسم کی تحریر تقریر اس طرح
 کریں جس طرح خود اہل زبان کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ ام آپ کا تین زبان
 سیکھ لیا۔ بھلا یہ کیا زبان ہے اور کیا سیکھنا ہے۔ اسے زبان کا سیکھنا اور
 بولنا نہیں کہتے اسے زبان کا خراب کرتے کہتے ہیں +

اللَّهُمَّ تَمِّمْ بِالْخَيْرِ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رویت الالف

الف الحمد کا سا بن گیا گویا قسمل میرا
الف طائے بوقت نزع جب سینہ میں دم میرا
کہ روشن ہو گیا دل شل قندیل حرم میرا
چراغ راہ ہے اکرام اصحاب کرم میرا
کہ ہے دُورِ نجف ہو کر چکنا ڈریم میرا
غمِ آلِ نبی سے دائہ ہر اشکِ نم میرا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہوا حمدِ خدا میں ل جو صدوفِ رقم میرا
ہے نامِ محمد لب پہ یاربِ اول و آخر
محبتِ اہلبیتِ مصطفیٰ کی نورِ برقی ہے
دکھائی تجھ کو راہِ شریع اصحابِ پیمر نے
کیس شاد و نجف کے عشق میں ل میرا ڈوبنا
رہ گیا دائہ افشاں مزعِ آئینہ شش میں

شبِ ہندوا کا خط غلامیِ توفیق رکھتا ہوں
نیکوں ل اس خط ہندوا سے ہو جامِ حرم میرا

کہ آیا پاؤں آغشتہ ہو کر لب پہ دم میرا
دمِ شمشیرِ قاتل پر بھی خوں جاتا ہے جم میرا
کہ ہے چرخِ زلزل بھی سایہِ نجف و دم میرا
نہیں ہے کوئی گھیس غیر متواضعِ ختم میرا
جھپٹ کے دیہہ صرف کی نقشِ دم میرا
کہ دورت بار ہے دیکھو صحابِ رنجِ دم میرا
کہ ہے یک کوچہ رم جاوہِ دشتِ دم میرا
طسیرِ خوابِ بندی تھا زلفِ الم میرا
لب ہر زخم پر ہے جو لبِ شمشیرِ دم میرا
عجب کیا شیرِ برقیں ہو اگر شیرِ علم میرا
قصا کے جام سے یک قطرہ زہرِ لب میرا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہوایہ سینہ کیسے خارِ زارِ دشتِ غم میرا
صلراطِ عشق پر از بسکہ ہے ثابت قدم میرا
مری خواری کے رتبہ کا کہاں ادب تو دیکھو
وہ ہوں میں آتشِ گل تازہ نخلِ شمعِ الفت کا
نشانِ بے نشانِ گردِ مکمل تے زورِ دشت جا
رواں گیجیاں ہے جائے آبِ اشکِ گاش
وہ تھوں میں ہوئے وحشیِ رسیدہ و دم میرا
جھپٹتی آنکھِ شبِ جوں حلقہ زنجیر کیا پیری
کہوں میں تو بہنِ کفرِ قطعِ آرزوے دل
مری فسر وہ حالی گر ہو جس آماے دل مری
پسپور لگا مافی میں ہے ازل تک جہاں ٹپکا

اُسی آتش کا رکھتا ہے شرر رنگِ ستم میرا
عدو کی سرکشی سے تہک جوتا ہے کم میرا
کہ ہے گھیرے ہوئے رشتے زمیں کی چم میرا
عدو و شبے ثبات اثبات کرتا ہے قدم میرا
برنگ سایہ مرغ ہوا نقشِ ستم میرا

ہوا روشن چراغِ کعبۂ اہم جس کے شعلہ سے
نہ ہو بے وقور ترکِ سجدۂ اہمیس سے آدم
وہ ہوں میں گیسوے موجِ محیطِ اعظمِ جنت
مری سورت کے مضمرینِ نفثِ فینِ رومی
وہ ہوں میں وہ نور و شوق میرے ساتھ جاتا

تخیل نے مرے باندھا ظلم تازہ کیفیت
ترکیوں ہو کاٹے سر فوقِ رنگِ جاہم میرا

کھنڈ سے شیخِ ناسخ کی غزل اس طرح میں آتی۔ شہر میں چرچا ہوا کہ ان شعروں پر شعر
نہیں ہو سکتے۔ شاہ نصیر مرحوم استاد وقت تھے۔ اُن کی صحبت میں بھی یہ باتیں نہجین
استاد مرحوم کی اصلاح بند ہو چکی تھی۔ مگر آداب شاگردانہ کی آمد و رفت جاری تھی۔
یہ اُن کی خدمت میں گئے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ میاں ابراہیم تم نے بھی وہ غزل
دیکھی یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ عرض کی۔ حضرت سُنتا ہوں۔ ایسی تو نہیں جیسی لوگ
کہتے ہیں۔ فرمایا۔ پھر تم نہیں کہتے؟ کہا۔ جو ارشاد ہو۔ اُنہوں نے فرمایا کہ ہم بھی
کیسے کہتے۔ تم کیوں نہیں کہتے۔ دیکھو تو وہ کیا کہتے ہیں۔ جیسی استاد نے یہ غزل کہی
تھی۔ وہ غزلیں پھر کھنڈ گئیں۔ وہاں بھی تعریفیں ہوئیں +

ہے مرا مخِ نظر پر دانہِ شمعِ طور کا
دل نہ اٹکائے کہیں لہجے مقدور کا
لوں صریحِ زار سے میں کامِ بانگِ صحر کا
خونِ دل پینا ہے یہ کھانا بھجے سینہ در کا
مجھ کو شربت میں مزا آیا شے انگور کا
مہراکِ شعلہ سا ہے سو بھی چراغِ دور کا
اک خباہِ ناقواں ہے کا دواں ہوز کا

شوقِ نظارہ ہے جب اُس رخِ پور کا
اے ستم کیا پوچھتا ہے حالِ اس رنجور کا
گر گھوں سمنوں اپنے نالہ پر شور کا
لطف جاتا ہے سرودِ نالہ پر شور کا
نزع میں بھی دھیان تھا اُس نگرِ بخور کا
داوئے ظلمت میں اپنی فحل کبے نور کا
تیرے کوچ میں تنِ لاغر ترے رنجور کا

باندھوں میں مضمون چھاپنی شور بختی گمانی
 میں وہ ہوں نچھیر جس کو دیکھتا ہے قہقہے
 اس نزاکت پر نظر کرنا کہ وہ رنگ پری
 دل کا یہ احوال ہے شک تھے اے ست ناز
 قہقہہ دل وہ ہوں کہ اگر داغ سوزاں پر مے
 گر تھے فریاد یوں کے تاں ہیچیدہ کو
 حق تو یوں ہے یہ انانیت مجب غماز ہے
 عشق کے کتب میں ہو فریاد صبح تیز ذہن
 زخم میرا ہے وہ ایذا دست خون دھنے لگے
 بھاگتے تھے وہ ہیں جس روزین دیوار سے
 دفن ہے جس جا پکشتہ سرد مری کا تری
 تو ہو بعد از مرگ بھی گراے محبت و دلگیر
 عشق نے ڈالی تھی جب قصہ محبت کی بنا
 بل بے حشمت اب تک بھی شاخ آہو کی طع
 دیکھتا زہر آب پیکان محبت کا اثر
 کیچنے والی اُس پری کی کیونکہ تصویر کنگ
 تیرے قامت سے جو ہو بر اقیات سرد پ

نہیں کہتے شاعرانہ صورت میں کے جان

ہو زمین شعر میں عالم زمین شور کا
 دیدہ حسرت سے حلقہ جو ہر ساطور کا
 بال بھی باندھے جو سستی پر تو زلف حور کا
 جیسے مڑھایا ہوا دانا کوئی انگور کا
 اڑ گیا مرہم کے چاہے سے اثر کا فور کا
 اب چہ رکھ کر بھونکے پیدا ہونا تصور کا
 قہقہہ پہنچایا زبان دار پر منصور کا
 تین دن چلے اگر تقوید میری گور کا
 منہ سے گر جراح کے ٹپے نام انگور کا
 وائے قسمت ہوئی روزین میں گھر زنبور کا
 بیشتر ہوتا ہے پیدا اس شجر کا فور کا
 استخوان سے ہو مری دست ترے ساطور کا
 لکھ دیا تھا کہ ہن بھی نام اک مزدور کا
 پیچ کھاتا ہے دھواں میری چراغ گور کا
 چشم افنی بن گیا روزین ہر اک ناسور کا
 جمع ہو جب تک نہ رنگ منجھ بونے حور کا
 کام لے منتار سے فریاد قمری صور کا

ذوق راہ عشق وہ کوچہ چھکی خاک میں

ہے در تاج سیلاں بیضہ بیضہ نور کا

لکھے اُسے خطا میں کہ تم اٹھ نہیں سکتا

بیاد ترا صورت تصویر نہالی

آئی ہے صدائے جس ناتر میرے لئے

پر صنعت ایتھوں میں قلم اٹھ نہیں سکتا

کیا اٹھے سر بستر غم اٹھ نہیں سکتا

پر حیف کہ مہنوں کا قدم اٹھ نہیں سکتا

جوں دا ڈر ویدہ تر خاک ہمارا
ہر داغ معاصی مرا آئین تر سے
اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندہ احسا
پر وہ در کعبہ سے اٹھانا تو ہے آسا
کیوں اتنا گراں بار ہے جو ناز و سفر بھی

سر ز پر گراں بار الم اٹھ نہیں سکتا
جو حزن سر کا غم اٹھ نہیں سکتا
سر میل تر سے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا
پر پردہ رخسار صنم اٹھ نہیں سکتا
اے راہ رو ملک عدم اٹھ نہیں سکتا

تو دنیا کا درواں کیا جمع تو کیا ذوق
کچھ فائدہ ہے دست کرم اٹھ نہیں سکتا

نام منظور ہے تو فیض کے اسباب بنا
واہ۔ کیا مرہمِ خسرِ دل بیتاب بنا
نہ بھگے شک کے دریا سے مری ہوشِ دل
دل بیتاب کو ہم سینہ میں ٹھیرا نہ سکے
پوچھیں گے مجھ سے منے عشق ہوئی کبے تیغ
چشمِ مخمور کا ہوں کس کی میں کشتہ یارب
تیرہ روزی نے مری سہر جہاں تاب کا نور
اسے پچھتا ہوں کیوں کس کی میں نے بگاڑ
سر نہ چشمِ عزیزاں نہ بنائیں اسے چرخ
آیتِ سجدہ ہے حق میں مرے ہر جوہر تیغ
خالِ عارض ہے جو ہند و خدا ترس تو کیا
اپنے جلوں میں ملاتے ہیں مجھے میرے حبیب
تو اگر آپ کو دیکھے تو مری آنکھ سے دیکھ
آہ کے ساتھ جو نکلا شرارتشیں دل

پل بنا چاہ بنا مسجد و مسالاب بنا
آجے نشترِ سر نیز کے تیزاب بنا
گرچہ دے شعلہ جوار کو گرداب بنا
شعلہ خور دیکھتے ہی تجھ کو دوساب بنا
کوں جن دن سے خلک کا شہر ہلاب بنا
کو مری خاک سے بھی جامِ شے تاب بنا
جب آریا تو وہیں کرکب شب تاب بنا
کہ جو اب پھرتا ہوں اس طبع سے بیتاب بنا
کیا بنا خاک۔ خبارِ دل اجاب بنا
ہے غم تیغ فقط کیا غم محراب بنا
ہم یہ بختوں کے حق میں ہے تھاب بنا
میں ہوں اک شمع پئے مغللِ حباب بنا
اپنا آئینہ مرادیدہ پر آب بنا
چرخ پر جا کے وہ خورشید جہاں تاب بنا

بب کیا عشق کے دریائے تلاطم اے ذوق

تو کہیں موج بنا اور کہیں گرداب بنا

اگر پایا۔ تو کھوج اپنا نہ پایا	اُسے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا
فرشتہ اُس کا ہمایہ نہ پایا	جس انساں کو سب گویا نہ پایا
تو ہم نے یاں نہ کچھ کھویا نہ پایا	منقذ ہے یہ گر سود و زیاں سے
خدا جانے کہ پایا یا نہ پایا	لحد میں بھی ترے مضطر نے آرام
فلک تو نے کیا اپنا نہ پایا	کیا تھا یا نہ تھا سب ہم پہ گذرا
کہیں جس کا نشان پا نہ پایا	سراخِ عمر رفتہ ہاتھ کیا آئے
کہ اس بازار میں سودا نہ پایا	کرے کیا سیر دل ملکِ فنا کی
غبارِ راہ بھی غشتا نہ پایا	رو گم گشتگی میں ہم نے اپنا
بکھی کج فہم کو سیدھا نہ پایا	رہا ٹیڑھا مثالِ نیشِ کڑوم
قرا قابو تڑپنے کا نہ پایا	ترے خنجر ترے بسل نے ہے ہے
بگولے کے سوا سایہ نہ پایا	ترے معنوں کی تربت پر جنوں نے
نکل جاتے مگر رستہ نہ پایا	فلک کے گنبد بے در سے ہم تو
کہیں ہم نے تجھے تنہا نہ پایا	جہاں دیکھا کسی کے ساتھ دیکھا
اثر پر صبر و طاقت کا نہ پایا	چراغِ دل لے کر دل میں ڈھونڈا
خدا کی میں اگر ڈھونڈا نہ پایا	وہ از خود رشتہ ہوں جس کی خودی نے
دہن پایا لب گویا نہ پایا	یہی ہر دم ہے زخمِ دل کو رونا
غرض خالی دل شیدا نہ پایا	کبھی تو اور کبھی تیرا رہا فہم
مغرب شہزادہ سودا نہ پایا	سو اتیرے خطِ خفگیں کے کون
سنا جیسا اُسے ویسا نہ پایا	وہ بولے دیکھ کر تصویرِ دوست
کہ اپنا حوصلہ اتنا نہ پایا	کیا ہم نے سلام لے عشقِ تجھ کو
ستم میں بھی تجھے پورا نہ پایا	نہ مارا تو نے پورا ہاتھ قاتل

سرے طالب کی دگرگوش ہے جسے

فلک نے بھی سراسر اسلاند پایا

نظیر اس کا عالم میں اے فوق

کہیں ایسا نہ پائے گمان پایا

۱۲۴۵ء میں ایک بزرگ کسب سال حافظ علی شاہ نام اورنگ آباد ملک کنج واروہلی ہوئے۔ اور تعلیم میں آجاء خانہ شاہی کے داروغہ کے پاس آتے۔ وہاں استاد سے ملاقات ہو گئی۔ وہ صاحب دل صاحب معرفت شخص تھے۔ طرز معاشرت سے معلوم ہوا کہ فائدہ نانی رئیس تھے۔ امیری چھوڑ کر فقیری اختیار کی تھی۔ زبان سے نہ کہتے تھے مگر شیہو سلطان۔ اور خوانین در اس کے سر کے اس طرح بیان کرتے تھے گویا آپ شامل تھے۔ باوجود اس کے علوم رسمی سے آگاہ تھے۔ شعر و سخن کا مذاق بہت خوب تھا۔ استاد سے تھوڑے عرصہ میں بہت رابطہ بڑھ گیا۔ استاد نے والد مرحوم کو بھی لایا۔ شاہ موصوف استاد کی غزلیں اپنی بیاض میں لکھواتے تھے۔ اور فرمایا بیشیں کر کے لکھواتے تھے۔ طبیعت کی آزاد دی اور بے نیازی انکی خدا داد سلطنت معلوم ہوتی تھی۔ کئی مہینے کے بعد دفعہ غائب ہو گئے۔ بستر بچا اور جزوان سرانے رکھا رہ گیا۔ اس وقت اکبر شاہ بادشاہ تھے +

۱۲۴۶ء میں فتح پور آئے۔ کہا میں شاعر علی شاہ خطاب ہوا ہے۔ یہ زمانہ تھا کہ دلی کے ٹوٹے پھوٹے تخت پر بہادر شاہ بیٹھے تھے۔ استاد کی شاعری ابج پر اور اختیارات مروج پر تھے۔ خلیفہ سلیمان کو سرکار شاہی سے کئی خدمتیں حاصل تھیں۔ انہی میں تیول شاہی (الماک و باغات) بھی سپرد تھے۔ شاہ صاحب ہمارے ان آترے۔ مگر فرمایا کہ فقیر کو شہر میں رہنا مناسب نہیں۔ کوئی جگہ باہر ہونی چاہئے کہ اوقات میں خلل نہ ہو +

شہر کے اندر کابلی دروازہ کے پاس ہی استاد مرحوم رہتے تھے۔ باہر ایک باغ بادشاہی تیس ہزاری باغ مشہور تھا۔ عمارت قدیم تعمیر تھیں۔ رئیس باغ

۱۔ اب تیس ہزاری باغ صاف ہو گیا۔ وہاں رہا جاتا ہے۔ زیب الدلی کی قبر کا نام و نشان نہیں رہا۔ میں نے خود پڑھا ہوا ہے۔ قادیان جنتی۔ مالگیر کی کھن ہوئی تاریخ تھوڑی پر کندہ لکھی +

خواہر عالمگیر کی قبر بھی تھی۔ اس میں ایک بالاناغہ مرمت کر کے درست کروا دیا شاہ صاحب وہیں جا رہے۔ شام کو: شاد اور والد مرحوم وہاں جاتے تھے۔ شیخ ناخ کا پہلا دیوان انہی دنوں ہمارے ہاں آیا تھا۔ اس کی غزلوں میں سے کوئی مصرع لیتے تھے اسی پر استاد غزل کہتے تھے۔ والد مرحوم لکھتے تھے شاہ صاحب سخت تھے۔ اور خوش ہوتے تھے۔ عجب گلزار صحبت تھی +

یوں تن خاکی میں دل روشن ہمارا ہو گیا میرے نالوں سے جہاں پانی تنگ خارا ہو گیا ذکر دنیا نفس مردہ کو ہوا آپ حیات دانت یوں چمکے ہنسی میں ات اس پار کہ ہر جہاں بھر کی کھلبلی تھی تارا سنی آنکھ رشتہ کے اس لکے کیا خاک ہی کی سیر بخوں شیخ نے افکار یوں کہ تر نالے کھائے خوب ایک دم ہی ہم کو جینا بھر میں تھا ناگوار ہے مقام زندگی زیر دم شمشیر مرگ دل پر زخموں کی ترقی سے عجب پانی بہا ظلمت حصیاں کیسے بن گیا شب و زحشر چشم مست یار میں آخر ہوئی سُرخِ حیاں	جس طبع پانی گونیں کی تیریں تارا ہو گیا کوہ کے چشموں کا ہر آنسو شرار ہو گیا مر کے یہ سیلاب پھر نذرہ دو بار ہو گیا میں نے جانا بوتا ہاں پارہ پارہ ہو گیا عکس انگن گریخ روشن تمہارا ہو گیا بلکہ جل کر سوختہ عنبر بھی سارا ہو گیا ہے مگر روزوں کی گرمی سے چھوڑا ہو گیا پرائید وصل پر برسوں گوارا ہو گیا ہو گیا جس طبع کوئی دم گداز ہو گیا آگے قصاصہ برگ یہ گل اب ہزار ہو گیا آفتاب اک نیزہ پر دم مار تارا ہو گیا لو ہمارا خون چھناں شکار ہو گیا
--	--

ذوق اس بھر فنا میں شتی عمر رواں ر

جس جگہ پر جا لگی وہ ہی کنتارا ہو گیا

لے گونیں کی تارا۔ یا گونیں کا مارا۔ زباں اردو کا محاورہ ہے۔ کبھی خیانت گہرے اور پرتے کو نہیں دیکھتے ہیں۔ اندھیرے کے سب سے بڑے نقصان آتا۔ غم کے بعد پانی تنگ دکھائی دیتا ہے دیکھنے والا کنتا ہے۔ وہ پانی تارا چمکا ہے۔ کبھی کہتے ہیں بڑا عین گون ہے ہم نے دیکھا ہوا ہے۔ پانی دور کہیں تیریں تارا چمکا ہے +

تم وقت پہ آپہنچے نہیں ہوہی چکا تھا
اک بار تو غارت دل میں ہوہی چکا تھا
کیا جل کے جگر خاک میں ہوہی چکا تھا
لے دل دہا بھی ہیں بہ جہیں ہوہی چکا تھا
آسودہ یہ دل زیرِ زمیں ہوہی چکا تھا
جانے کا ارادہ تو کہیں ہوہی چکا تھا
کتوبِ سربلوح جہیں ہوہی چکا تھا
تجربہ بن سفر جانِ حزیں ہوہی چکا تھا
دشمن کا سخنِ ذہنِ نشیں ہوہی چکا تھا
منظورِ نظر ایک حسیں ہوہی چکا تھا
میں سرودِ ترنخبر کہیں ہوہی چکا تھا

میں ہجر سے مرنے کے قوس ہوہی چکا تھا
اب جانِ پُرافت ہے جو آنے ہو دو بارہ
سینہ جو کیا چاک تو داں کچھ بھی نہ پایا
برہم اُسے کیوں تو نے کیا چیرے کے پھر لعل
ہوتا جو نہ پیوند نہیں تیری گلی میں
آنے سے مرے شہیر گئے آپ وگر نہ
جو خط میں لکھا اُس نے وہ لکھنے سے بھی پہلے
بے بدترِ مرگ تو قوتِ رہا ورنہ
کیا ہوتا جو سمجھاتے اسے جا کے مرے دوست
کیا دیکھتے ہم پرستِ کنناں کو کہ اپنا
کیا گرم تپش ہوتا تڑپ کر ترے آگے

جو کچھ کہ ہوا ہم سے وہ کس طرح نہ ہوتا

حکیمِ ازلِ ذوقِ یوہیں ہوہی چکا تھا

یہ غزل بھی تیس ہزاری باغ میں کبھی غنی مستند ہجری :-

لاسا قیا پیار کو تو بہ کاشل ہوا
تیغِ خمیدہ یار کی لوجے کا پل ہوا
بلبل کی تنگ حوصلگی غنی کو نل ہوا
آوازِ گولہ بندِ مثالِ دہل ہوا
اُن کا چراغِ گور نہ تا حشر گل ہوا
جزِ ضعیفِ محرمِ اسرار گل ہوا

مختل میں شورِ قلیلِ مینا سے مل ہوا
دریا سے غم سے پہرے گزرنے کے واسطے
پروانہ بھی تھا گرمِ شش پر کھلا نہ راز
آتی غنی اندروں کی نہ ہرگز سمجھ میں بات
جن کی نظر چڑھا ترا خسارِ آتشیں
بندہ نوازیوں تو یہ دیکھو کہ آدمی

اُس بن رہا چمن میں بھی میں ذوقِ انحرش

ناخن سے تیز تر نعلے ہر برگ گل ہوا

چند شعر اس غزل کے عالم شباب میں کہے تھے وہی زبانِ نر و خلائق تھے پھر سلاطین
میں میں ہزاری بلغ میں غزل پوری کی تھی :-

<p>کاش میں عشق میں سرتا بقدم دل ہوتا تو کسی سوخت کا آبدل دل ہوتا دامنِ برق اگر دامنِ قاتل ہوتا نالہ دیوانہ تھا جو پا چسلا لہلہ ہوتا اتنادق ہوتا کہ مینا اُسے مشکل ہوتا آپ گردن پہ چھری پھیر کے بسل ہوتا زلزل ہوتا ترے رخسار پہ یاقل ہوتا جذبہ شوق زلیخا جو نہ کال ہوتا ہے وہ خود ہی کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا تو جہاں دیکھتے ہو غنچہ وہاں دل ہوتا ور نہ یاں کون تھا جو تیرے مقابل ہوتا ایک دل ہوتا مگر درد کے قابل ہوتا</p>	<p>اس تپش کا ہے مزا دل ہی کو جال ہوتا آسمانِ دردِ محبت کے جو قابل ہوتا پھوڑتا اللہ سے ہرگز نہ کبھی بسل شوق چینِ پیشانی اگر تیری نہ ہوتی زنجیر کرتا یارِ محبت کا سیسہ جو علاج فوج ہونے کا مزہ جانتا اگر صیدِ حرم گر یہ بخت ہی ہوتا تھا ضعیفوں میں کسے آتا کیوں مصر میں کفاس بکلی کر دیت سوتے کر دیا ناچار و گر نہ انسان دل گرفتوں کی اگر خاک چمن میں ہوتی آپ آئینہ ہستی میں ہے تو اپنا حریف سینہ چرخ میں ہر اختر اگر دل ہے تو کیا</p>
--	--

ہوتی گر عقد و کشائی نہ دیدل کے ساتھ
ذوقِ حل کیونکہ مرا عقد ہر مشکل ہوتا

<p>تو زبیں نہ زرد ہوتی نہ فلک کہود ہوتا دل سخت کاش کا فخرِ عجبِ السود ہوتا جو یہ ہیں تھا دل کو جلتا تو بلا سے خود ہوتا کہ قبولِ تنگ رہنا نہیں ہے کشود ہوتا کہ جو حد نہ قسم سے بھی ہو کہود ہوتا تو پھر ایک عرصہ گاہِ عدم و وجود ہوتا</p>	<p>جو رنگِ سبج و ماتم کا یہاں نمود ہوتا کسی سبج کش کو دیتا تو کچھ اُس کو سود ہوتا تری بزم میں تو جلتا کہ تجھے بھی بو پہنچتی جو نہ ہو امید و اشد نہ ہو دل گرفتہ نہ چھتی لبِ نازک اُس کا کیونکہ کو بارِ حزن اُٹھائے یہ حیات چند روزہ جو نہ سہِ راد ہوتی</p>
---	---

جو حسہ کسی کو تجھ پر ہوتا ہے یہ تیری غبنی
تہ خاک ہوتا ظاہر جو سلگنا اپنے دل کا
جو ہے سگڑ ششما کی نہیں دینا سر کا شکل
جو رقیب سر کعبت ہیں کسی جتنے سر کعبت بھی
ترے در کی جتنے سائی اگر اشک اپنے کو تے

کہ جو تو نہ خوب ہوتا تو وہ کیوں حسود ہوتا
تو شرارت نگ تربت میں بھی اپنے دود ہوتا
کہ وہ سر کعبت نہ ہوتا جو نہ دست جو ہوتا
ترے جان نثار کا گلا نہیں ست جو ہوتا
سر قطرہ قطرہ پر اک اثر سجد ہوتا

کوئی نہ زہر نوش مجھ سا نہیں سچا ذوق رنہ
شجر زقوم دوزخ میں بھی خشک دہوتا

نیچے یاد نے جس وقت بغل میں مارا
اُس نے جب اُل بست رو و جل میں مارا
اجل آئی نہ شب جبر میں در تو نے فلک
آگہ سے آگہ ہے لڑاتی مجھے رہے دل کا
عشق کے ناتھ سے نے قیس جانے فریاد
دل کو اس کا کل و چپاں سے نہ بل کرنا تھا
کیونکہ عشق جفا پیشہ نے شمشیر جفا
چربہ بد میں کی کبھی آنکھ نہ بھونٹی سو بار
ہم نے جانا تھا جس عشق نے مارا اُس کو
اُس بے چشم پہ ہے زندگی و موت اپنی
کون سنتا ہے تری زلف میں دل کی فریاد
عزس کی شب بھی مری گور پہ دھونٹ لائے

جو چڑھانے اُسے میدان اجل میں مارا
ہم نے دل پتا آٹھا اپنی بغل میں مارا
بے اجل ہم کو تناسے اجل میں مارا
کہیں یہ جانے نہ اس جنگل اجل میں مارا
اس گوگردشت میں تو اُس کو جل میں مارا
یہ سید سخت گیا اپنے ہی بل میں مارا
پہلے اک ناتھ بھی پر تھا ازل میں مارا
تیرنا لے نے مرے چشم زل میں مارا
قیس فریاد نے جس وقت جیل میں مارا
کہ کبھی دم میں جلا یا کبھی پل میں مارا
کہ سلاں کو ہے کافر کے عمل میں مارا
تھر اک گنبد تربت کے کنول میں مارا

نہ ہوا پر نہ ہوا سیر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

گر آج بھی وہ رشک سچا نہیں آتا

جینا ہیں اہل نظر اپنا نہیں آتا

<p>✓ پر ذکر چار نہیں آتا نہیں آتا ✓ پر خط بھی ترے لکھا کھانیا آتا جو خواب میں بھی دلت کو نہ تھا نہیں آتا پر لب پہ کبھی حرم نہ تھا نہیں آتا کس وقت مرا نہ کر کھیلو نہیں آتا کافر تجھے کچھ خون خدا کا نہیں آتا شبِ نغم کی طرح سے ہیں مژدہا نہیں آتا جو جاتا ہے یاں سے وہ دوبارہ نہیں آتا پھر دیکھئے آتا بھی ہے م یا نہیں آتا ✓ کر سیر کہ موسم یہ دوبارہ نہیں آتا ✓ اس پر بھی جدا ہو کی لپٹا نہیں آتا آجاتے ہیں لیکن کوئی دانا نہیں آتا ✓ کچھ قرض تو بندہ پہ تھا را نہیں آتا ✓ کیا کہنے کا فرمایئے اچھا نہیں آتا افسوس کھایا جس لٹا نہیں آتا کیا جانے مزہ کیا ہے کہ بیتا نہیں آتا جب تک نہیں آتا اُسے غصہ نہیں آتا</p>	<p>نذکر تری جزم میں کس کا نہیں آتا دیتا دل مضطر کو تری کچھ تو نشانی کیا جانے اُسے ہم ہے کیا میری طبع سے آیا ہے م آنکھوں میں م حسرت و دہار کس دم نہیں گشت مراد میں غم سے میں جاتا جہاں کہوں آتا نہیں آتا تک ہم رو نہ پے آجائیں دریا ہی بہائیں ہستی سے زیادہ کچھ آرامِ عدم میں آتا ہے تو آجاکو کوئی دم کی ہے فرصت غافل ہے بہار چمن عمر جوانی ساتھ لگے ہوں میرا یہ کی مانند لیکن دنیا ہے مہیا و کرنام میں اس کے دل لگتا غفلت اور یہ پھل سون تھا قضا یہ جہا ہے ذللاً اسکے نہ آنے کی شکایت جاتا ہی نہ نہوں کی لٹک لٹک ہے جو کچھ قاتل میں گیا پھر وہ نہ آیا آنے تو کہاں جا نہ بھی سے کوئی جا</p>
---	--

تست ہی سے لاچار ہوں لے ذوقِ گرہ
 سب فن میں ہوں بیوقوف مجھے کیا نہیں آتا

<p>تھا کام تو مشکل مگر آساں نکل آیا مغرب سے سحر مرورِ خشاں نکل آیا زنداں سے کوئی قیدی زندانِ نکل آیا</p>	<p>ساتھ آہ کشے بل سے پیکان نکل آیا شبِ ہم نے تہیہ جو کیا تو بہ کا ساقی تنگ آکے جو دم تن سے نکل جائے تو جانو</p>
--	---

دریا سے تھی خجبہ مر جاں نکل آیا
میں نے تو یہ بانا دل سوزاں نکل آیا
یاں نل کا دھواں سے چچاں نکل آیا
دریا سے شغل سے عزیزاں نکل آیا
جب کہو داگنوں گنج شیداں نکل آیا

اتھ آئے زخمت کے سوا گو ہر مقصود
رات آہیں یوں سینہ سے کل شعلہ سا چکا
نا توں! یہ کس دل سے کیا نا اڑیاں سوز
صحت بھی ہے کیا شے کراگٹ سب گناں
ہے کوچہ قافل میں شہادت کا دھینہ

دل رکھ کے کیس ذوق کا ہم بھول گئے تھے
تھاگم وہ کئی دن سے گر جاں نکل آیا

وہ کانہ سب ساری ندائی کا جھوٹا
کہ دعوئے کیا تھا صفائی کا جھوٹا
ہوا اتھ اپنی رسائی کا جھوٹا
یہ شیوہ تری بے وفائی کا جھوٹا
ہیگیں خستہ دم دلربائی کا جھوٹا
یہ ساغرئے کمر بانی کا جھوٹا
یہ پانی مرہض جسدائی کا جھوٹا
ترے در پہ ٹکڑا اگدائی کا جھوٹا
سودھوئے ہوا پار سائی کا جھوٹا

ہر اک ہے قول آشنائی کا جھوٹا
نیکیں تیرے انہوں سے جھوٹا ہر موتی
ہوا بخت امن سے جب ان کے تچا
بنا آہے آئین الفت میں تجھ کو
ترا نزل انہوں میں چمکلا رہے
اذا کہ کیا رنگ الفت کو مرغ نے
منے لیکے پیوے اگر موت پاوے
مجھے نصیبِ خلد ہووے جو پاؤں
گئے طاق ابرو میں تھے حضرت دل

خدا جانے ہے ذوق جھوٹا کہ سچا
نہیں ہے دلے ہوشنائی کا جھوٹا

یہ غزل بھی تیس ہزاری باغ میں کسی تھی :-

یاں تک عدد زمانہ ہے مرد دلیر کا
تجھلتے ہیں نہ شکار کئے پر بھی شیر کا

یہ شکار کی تعداد ہے کہ چشمہ کو شکار کرتے ہیں تو جو کچھ لے سکیں اس کا وہاں بیکار کتا لگ دیتے ہیں اور شیر کا وہ جس
دیتے ہیں بیکار کتا بدینت بھی مرد کا بال لے لے جاتے۔ اور اپنے دشمن کا خون نہ کرے لیکن بالوں کے جھرتے
جھرتے کھڑے کرتے ہیں اور ہان کی رگوں میں چھو کر کھلا دیتے ہیں۔

جس گھر میں ہر لڑائی وہاں آدمی نہیں
 بھمنوں کی روح دھشت میں مانند گردِ بابو
 میں اس صنف کے ملنے کے رستے تو سینکڑوں
 دم آچکا ہوں پہلے آکھوں میں انتظار
 چھوڑا نہ ایک دانہ اختر سحر تلک
 کوٹنے پہ اُن کے خوب بچے آج رات کو
 ہوتے زبان حال سے مضمون میں واہ وا

کاشا سمجھے سب کا یا گل کنیر کا
 کرتی طواف تھی ترے عجبوں کے ڈھیر کا
 پر کوئی راست ہے کوئی رستہ ہے پیر کا
 بے دید جلد آکر نہیں وقتِ در کا
 گردوں کو لگ گیا ہر مزہ شبِ غنگیر کا
 تھا لٹہ آگیا جو سہارا سندر کا
 جس میں نہ اختلاف زبر کا نہ زبر کا

زیبا ہے ذوقِ خرقہ درویشِ مرد کو
 برقع کبھی نہ پائے گا نامرودِ شیر کا

یہ غزل بھی وہیں لکھی تھی :-

دریا سے اشکِ چشم سے جس آن بہ گیا
 دل بے گدازِ عشقِ کرخوں ہو کدل کے ساتھ
 نازِ شراب پینے سے کافرِ ہمایں کیوں
 ہے سوچِ بحرِ عشقِ دہلوان کا لحفظ
 دریا سے اشک سے دمِ تحریرِ حال دل
 یہ روئے پھوٹ پھوٹ کے پاؤں کے سامنے
 تھا تو بھایں بیش پر اس لب کے سامنے
 کشتی سوارِ عمر ہیں جسبہ فنا ہیں ہم

سُن لیجو کہ عرش کا دیوان بہ گیا
 سینہ سے تیرے تیر کا پیکان بہ گیا
 کیا ڈیڑھ چٹو پانی میں یان بہ گیا
 چارہ دھشت خاک تھا انسان بہ گیا
 کشتی کی طرح میرا مستلِ ان بہ گیا
 نالسا ایک سوے بیابان بہ گیا
 سب سول تیرا عملِ بخشان بہ گیا
 جس دم بیا کے لے گیا طوفان بہ گیا

تھا ذوقِ پہلے دلی میں چنبا گیا سحر
 پر اب وہ پانی کہتے ہیں ملتان بہ گیا

لے چند نشان ہیں بھارو تھا کہ کوئی رنجِ ابد سے جان رہتا کہ کب کا وقت گزر جائے کہتے تھے۔ اب پانی ملان گیا۔
 سن اپ نہ رہا۔ وہ اس کی یہ ہے کہ دریا سے نالسا چلا کر کے بچے کہتا ہے۔ نشان کی جانب سے جس کو چاہے
 جھکے اور وہاں سے ملتا ہے اور پھر شور میں جاری ہو سکتا ہے۔ میرا سے اور کہنے کا سوچ نہیں ہے۔ میرا سے
 کہ با بیکر میں کہ اب وہ پانی ملان بہ گیا تو مطلب یہ ہے کہ وہاں کے باغی میں اس کو بھی گزر گیا۔ اب نہ ہو سکتا ہے

یہ غزل شیخ ناسخ کی غزل پر کہی تھی۔ مطلع

سرد عاشق ہو گیا اس غیرت خمشاد کا
چے تنہا سے شور راگ گشتن ملک فریاد کا
ردز مرگنا شوق ناشاد ہے شادی کا دن
آنکھ سے تلوار کی ڈرتا نہیں بیخت جاں
کچھ گماڑ عشق میں ہوتا اثر تو دیکھتے
ہو سبق آموز شوخی گر پری کو چشم شوخ
سوزش غم سے ہزاروں داغ جل جل کر پئے
سرد موج آب جو سے پاسے در زنجیر ہے
آہاری ہے تری تلوار میں یا ہو گیا
یا دکر تا ہے بھی کو پہلے وقت قتل عام
یہیں کچنیں گلی مہر ن سے دنیا کی ہوا
سرتسک شے کا دیکھے گا نہ ہرگز بے خاک
سلسلہ میں انطا و معنی کے نہ آیا دل کبھی
یوں تو بچتا شیطاں کسوں کیا تھکول

غل چایا قریوں نے ہے مبارکباد کا
خوب طوطی ہوتا ہے ان فوں سیاہ کا
ہے بجائے شور تا تم غل مبارکباد کا
کشتہ کرنا سخت ہی مشکل ہے اس فولاد کا
کوہ کے چشموں سے ہوتا خون اس فریاد کا
کام لے موج نگہ کے سیلی استاد کا
ہو گیا میرا کفن جامہ مگر استاد کا
دیکھ لو آزاد کو یہ حال ہے آزاد کا
آب ذہرہ سخت جانی سے مری فولاد کا
کیوں نہیں کشتہ ہوں قاتل تری اس یاد کا
حال میرا ہے بینہ آسیا سے یاد کا
لے اڑے گا شوق پا پوسی اسے جلاہ کا
ابھیر عالم میں گویا تھا الٹ آزاد کا
تو تو شاگردی میں بھی استاد ہے استاد کا

✓ فوق حیراں ہے بہت فکر کشاد کا ریں
یا علی مشکک شاید وقت ہے اعاد کا

دہان رخسار خوں ہو کے حرف آرزو نکلا
خدا جانے کہ حرا کا چاند آج اسے ماہ رو نکلا
اگر خورشید نکلا تیرا گرم جستجو نکلا
کہ تھا برزخ غم اس حکمہ سے جو ہون نکلا
رہی حسرت کہ دم میرا نہ تیرے رو رو نکلا

مرے سینہ سے تیرا تیر جیسے جنگجو نکلا
مرا گھر تیرا منزل گاہ ہو ایسے کہاں نکلا
پھرا گرا سناں تو حقوق تیرے ہے سرگردا
میں عشرت کا تھا خفا نہ افلاک بردھ کا
تو ہے آتے ہی آتے کام آخر ہو گیا میرا

پھر آخر دل ہی میں کیا بھل ہی ہے تو نکلا
تو جو آنسو مری آنکھوں سے نکلا سرخو نکلا
گر قتال میں جو کاٹا نہ وہ ہرگز کہو نکلا

کبیں تجھ کو نہ پایا اگرچہ ہم نے کج بھائی ہوئی
نخل اپنے گٹا ہوئی میں تنک کج رہا
گھسے سب تاجن تہ پیر اور ٹوٹی سرسوزن

اُسے عیار پایا یا رگھے ذوق ہم جس کو
جسے یاں دوست اپنا ہم نے جانا وہ حد نکلا

قتال ہے لڑنے پر مرے دل میں لڑنا
کیا کیا ہے راہ ناقہ محفل میں لڑنا
میں آگ پر ہوں رشک سے محفل میں لڑنا
گل ہو کے ہے جو پاسے عدا دل میں لڑنا
میں لے منم ہوں پہلی ہی منزل میں لڑنا
پھر تا تمام دامن ساحل میں لڑنا
اک سانپ سا ہے قید ساحل میں لڑنا
ہے ایک کے جو ایک مقابل میں لڑنا

بب نیم جاں ہوں کہ پتہ قاتل میں لڑنا
یہی کے شوق وصل میں بہنوں کو دیکھنا
غیروں سے دیکھ دیکھ تری گرجو شیاں
دی لب نے تیرے غنچے کو اکیر سکرآت
کب کا رخ ہے اور تیرے درد فراق سے
دل کا سا ہوتا مگر دیر غلطاں کو نہ طراب
سو دانیوں کے دل پر تری یاد لعل میں
کس کس منے سے لڑتے ہیں یکہ ہیں ست

بے آب تنج - ماہی بے آب کی طرح
اے ذوق دل ہے سینہ و بیل میں لڑنا

یہ غزل ناتمام ہے - عین عالم شباب کے شعر ہیں - کہا کرتے تھے کہ قافئے اور معنوں
میں چارے خیال ہیں - کبھی کہیں گے +

گلشن میں برگ برگ ہے پہل آفتاب کا
جدا نہیں ہے ہر قے لے سے سج کا
دیکھو چھلک لہے کوڑا اگلے کا
سبز و مزار عاشق پر نہ طراب کا
اور ہر دق پر نقش ہے کلم آفتاب کا

عالم ہے زندگی میں زمانہ شباب کا
جلو ہو گیا کہ قاف کا تپ تاب کا
اے گلزار نہ چھوڑا دہن سج کا
اُس گل شیر طوطی بیل سے کم نہیں
صد پارہ دل ہے تجھ سے عشق ہو گیا

یہ غزل ناتمام ہے

لے لے بلوں واسطے تیرے تو خوب
چمکے اگر رون گل رخسار سے ترے
لے آفتاب تیرے رخ تابناک سے

اڑناگر محال ہے میخ کباب کا
دریا میں ہر حجاب ہر شیشہ گلاب کا
کیا کیا چمکے لے ہے تارہ حجاب کا

ہو تب لے بلوں سے کہیں ق ضبط آہ
سوج و غماں سے ضبط نہ ہو تیغ و تاب کا

نارحب دل سے چلا سینہ میں پھوڑا انکا
جلد آوعدہ دیدار پر اسے وعدہ خلاف
تو سن عمر رواں ہر نفس کرتا ہی ٹا
بھاگا بمنوں مری خوشگے جگوئے کی طرح

چلتی گاڑی میں دیا عشق نے روڑا انکا
کبتک انکار ہے تم آنکھوں میں تھوڑا انکا
کبھی میدان فنا میں نہ یہ گھوڑا انکا
سانے میرے ذرا بھی نہ بھگوڑا انکا

لے گئے مر کے بھی لے فوق رکھو دل میں
اتھ تلوار کا جو یار نے بھوڑا انکا

عالم بشارت طالع طالع علم طالع ہوا تھا اور عمر میں گزرتی تھی نشتہ طالع تھی خلی خلی کی تھی

ہم ہیں اور سایہ ترے کوچہ کی دیواروں کا
مستبہ گر چہ دل تارہ ہے سے خواروں کا
اتنا تو شور و فغاں ہو کہ چین میں مہل
چرخ پر بیٹہ رہا جان بچا کر بیٹھے
ہوں گریں ملحق بریدہ کی ہمارے خونبار
اے شکر جو ترے تیر نہیں تشدد خوں
یکوٹ ہڑا میں مل ہوں گرفتار کہ زلفت
وینگے جاں بوسہ بھل نکلیں پر ہم بھی

کام حبت میں ہے کیا ہم سے گنگاروں کا
دبجے اکٹام تو ہے یار ابھی یاروں کا
خرمن گل کی جگہ ڈھیر ہوا نگاروں کا
ہو سکا جب نہ دادا ترے پیاروں کا
گر تماشا انہیں منظور ہو تو ارادوں کا
تو کھلا رہتا ہے منہ کس لئے سو فاروں کا
جیلخانہ ہے حبت کے گرفتاروں کا
جان شاری ہے اگر شیوہ نکھواروں کا

بے سیاہی نہ چلا کام قلم کا اے ذوق
رو سیاہی سرو ساماں ہے سیاہ کاروں کا

نالہ اس شور سے کیوں میرا دہائی دیتا
 دیکھ چھوٹوں کو ہے اشد بڑائی دیتا
 دے دے دعا دوٹے پر خار جنوں کو ہر گام
 لاکھ دیتا فلک آزار گوارا تھے مگر
 پنجہ سہر کو بھی خون شفق میں ہر صبح
 روشِ اشک گرا دیگئے نظر سے اک دن
 میں وہ ہوں حید کہ پھر دامن میں پھنستا جا کر
 کون گھر آئینہ کے آٹا اگر وہ دل میں
 ساغر سے بھی ترے کشتہ انداز کو یار
 منہ سے بس کرتے نہ ہرگز یہ خدا کے بندے

اے فلک گرجے اونچا نہ سنائی دیتا
 آسماں آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا
 داد یہ تیری ہے اے آبلہ پائی دیتا
 ایک تیرا نہ مجھے دردِ جدائی دیتا
 غوطے کیا کیا ہے ترا دستِ خنائی دیتا
 ہے ان آنکھوں سے یہ جھک کر کھائی دیتا
 گر قفس سے مجھے صیت اور رائی دیتا
 خاکساری سے نہ جا رہا وہ صفائی دیتا
 بو شلب نہیں بے چشم نوائی دیتا
 گرا نہیں آکے خدا ساری خدائی دیتا

دیکھ کر دیکھتا ہے ذوقِ کردہ بدہ نشیں
 دیدہ روزِ دل سے ہے دکھائی دیتا

یہ غزل بھی تیس ہزاری باب کی ہمار ہے :-

گنت اُس جنت کبھی یوسف کے ہمایان کا
 جھوٹ ہی جانو کلام اُس بھڑنایان کا
 تو ہماری زندگی پر زندگی کی کیا امید
 جو دل پر آرزو سے نکلا نالہ عشق میں
 بن گیا جو شربتِ محبت سے ہمارے سینہ میں
 جو فرشتے کرتے ہیں کر سکتا ہے انسان بھی
 یہ تپ نغم کی ہے شدت اُس تو ہے ہیا رکو
 اے اہل تکلیف مت کر کیا کر گئی آن کر
 ہو سکتا لودہ دامن پاکہ دامن کس طمع

ایسی کیا بلبلی ہے بلبلی کا حکم شیطان کا
 پہنکر جا رہی وہ آئے اگر فتنہ گان کا
 تو ہماری جان لیکن کیا بھروسہ جان کا
 ایک پتلا تھا سراپا حسرت و افسان کا
 ماہی دریاے نوح جو ہر ترے پکیان کا
 پر فرشتوں سے نہ ہو جو کام ہے انسان کا
 یہ مہراحت بھی ہے حق میں سکے نہ بھران کا
 ہو چکا پہلے ہی کشتہ میں کسی کی آن کا
 اے زینخا چھوڑ دامن یوسف کفان کا

نفس بے مقدر کو قدرت ہو کر قبولی بھی	دیکھ پھر سامان اس فرعون بے سامان کا
دیکھنا لے ذوق ہو گئے آج پھر لاکھوں کے غوں وہ جاتا ہے لب لعلیں پر لاکھا پان کا	
کسی یکیں کو لے بیدار گراما تو کیا مارا بٹھے نودی کو مارا نفس مارہ کو گر مارا نہ مارا آپ کو جو خاک ہو اکسیر بن جانا خطا تو دل کی فنی قابلِ بہت سی مار کھانے کے نہیں وہ قول کا سچا ہمیشہ قول دے دیکر تنگ تیر تو ظاہر تھا کچھ پاس قابل کے ہنسی کے ساتھ یاں رونق چل چل مینا مرے آنسو ہمیشہ ہیں بزمِ بل غرقِ غوں بلگر زخمی ہے دل لڑتا ہے تم نے کیا جانے دل نگین خسرو پر بھی ضرب اے کو کہن پنپے گیا شیطان مارا ایک سجدہ کئے شکنے میں	جو آپ ہی مر رہا ہوا اس کو گراما تو کیا مارا ننگ لڑو مارو شیر ز مارا تو کیا مارا اگر بارے کو اے اکسیر گراما تو کیا مارا تری زلفوں نے شکلیں بنا کر مارا تو کیا مارا جو اس نے اتھ میرے ہاتھ پہ مارا تو کیا مارا الہی پھر جہول پر تگ کر مارا تو کیا مارا کسی نے تقدیر اے بے خبر مارا تو کیا مارا جو غلط آب میں تو نے گہ مارا تو کیا مارا ادھر مارا تو کیا مارا ادھر مارا تو کیا مارا اگر تیشہ سر کسار پر مارا تو کیا مارا اگر لاکھوں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا
دل بہ خواہ میں تھا مارنا یا چشمِ دبیں میں فلک پر ذوق تیرا آگر مارا تو کیا مارا	
میں وہ شہید ہوں لبِ خندانِ یار کا ہنگامہ گرم ہستی ناپائدار کا ہو راز دل نہ یار سے پوشیدہ یار کا آنا ہے گرتاؤ کو سینے سے جل کے اب چہ پائدا منوں کو خطِ شکر سے کیا خط پوچھے ہے کیا حلاوت تمنا پر شک	ہنستا ہے چراغ بھی میری مزار کا چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا پر وہ جو دریاں نہ بول کے غبار کا آنکھوں میں آگے نہیں لے م انتظار کا کھٹکا نہیں نگاہ کو شرکان کھار کا شراب ہے باغِ خدیجی کے نار کا

بہنہ گیتیرے پاس کہوترے مشیر
تو بریں گرہے مری آنکھ سے در
چل کی داؤ گھاتی میں گل چشم
قاصد کھیل لٹاؤ کو خط غبار سے
بچنے کی دل کی آگ نہیں بربک بھی
اس سے تہاناک پہ ہر قطر و عرق

کتوب شوق اڑ کے ترے بغیر کا
پکا جو چڑ گیا ہے مجھے انتظار کا
کرتی ہے قصہ نئی کی او جمل شکر کا
سمایا نے وہ یہ خط ہے کئی کسار کا
ہوگا درخت گور پہ میری چار کا
گو یا کہ اک ستارہ ہے صبح بہار کا

اے ذوق ہوش گر ہے تو دنیا سے دور جا
اس بیکہ میں کام نہیں ہوشیار کا

یہ بھی نہیں ہزاری باغ کا چمن ہے :-

خطر ہے خون سے دل پامال کے کیا
بغل سے لے گئے دل کو نکال کر دھج
کسی کے خضہ ہے جگ جو چشم ہند و نادر
نمود قال کی دیکھو تو زیر ابرو سے یار
ہماری نیش پہ ہنگامہ کیوں ہے لے قال
شب فراق میں کس مر جیس کے انجم حرج

بچا ہے دیکھنا دامن ہنجاں کے کیا
جو مانگا تو کہا آنکھیں نکال کے کیا
تو اس کو گیسے ہیں مرگان بال کے کیا
ستارہ نکلا ہے نیچے ہلال کے کیا
اٹھا ہے قصہ یہ بعد انضال کے کیا
مجھے ڈراتے ہیں آنکھیں نکال کے کیا

ہزار دم ہیں آسے یاد تو نے دیکھا ذوق
گیا وہ غیر کے گھر تجھ کو مال کے کیا

پرانی غزل تھی - میرے سامنے دوبارہ بنائی تھی :-

میں کہاں شگ و دیار سے مل جاؤنگا
نار کہتا ہے کہ تا چرخ ز مل جاؤنگا
آج اگر راہ نہ پاؤنگا تو کل جاؤنگا
دل سے کہنا ہوں کہ تو ساتھ لے جاؤنگا

کیا وہ چشم ہے چلنا کہ چل جاؤنگا
بلکہ میں توڑ کے اس کو بھی نکل جاؤنگا
کوچہ یار میں پر سوزی کے مل جاؤنگا
جا کے میں اترے قابو سے نکل جاؤنگا

نہ پہنچا ہے آتش کو دامن کے نصیب
دیکھا وہ ہر ستارہ جو صبح بہار کا

مدرسہ میں بھی اگر جاؤنگا تو جائے کتاب
 دیکھ کر کوئے صنم کتا ہے یہ پاس ادب
 دل یہ کتا ہے مجھے روتی سینہ سے نکال
 سرودھروں سے نکال ڈال پالا کرن آگ
 آنکھ سے اشک صفت مجھ کو گر کر نہ اٹھا
 کتا وحشت یہ ہے جامہ پیری میرا
 عقل سے کہہ دو کہ لائے نہ بیان اپنی کتاب
 اے صنم در پر نہیں دیر میں جا بیٹھونگا
 قیس و فرماؤ کو بتلاؤنگا کچھ عشق کی راہ
 گر ڈرا آگ میں پر واز دم گرمی شوق
 کتا پیرا ہن گل ہے یہ نزاکت سے نیم
 مٹتے ہو! زاہد و ناصح جو میں بھاتے مجھے
 میں وہ شائق شادیت ہیں کہ سوئیے کو

شیشہ باد لے زیرِ نعل جاؤنگا
 ہوں جو خورشید تو یاں سرخی کے بل جاؤنگا
 ورنہ خوں ہو کے میرا نکھوں سے نکل جاؤنگا
 نعل سرازدہ کی طرح سے جل جاؤنگا
 دل نہیں میں کہ سبھالے سے سنبھل جاؤنگا
 دیکھ کپڑا ہوں پرانا ابھی چل جاؤنگا
 میں ہوں دیوانہ ابھی گھر سے نکل جاؤنگا
 کچھ میں تجھ تو نہیں ہوں کہ چل جاؤنگا
 ابھی میں گرِ طرب و دشت و جبل جاؤنگا
 سمجھا آتا بھی نہ کبھت کہ جل جاؤنگا
 اتھ مجھ کو نہ لگا تا کہ نکل جاؤنگا
 کیا بدل دیوینگے یہ اوڑیں بدل جاؤنگا
 پائے کو پاں تیرے شمشیر اجل جاؤنگا

جنش بیک صفت باغِ جاں میں اے ذوق

کچھ نہ اتھ آجیگا تو اتھ تو مل جاؤنگا

اس سے تو اور آگ وہ بید ہو گیا
 سینہ میں جواہروس کے بھی تھا آبدگر
 سوارِ مر کے عاشق جاں باختہ ترا
 ہمنوں بھی دشت گرد تھا مانند گرد باد
 اس میدانِ تیرِ فروہ کو تو نے کیا نہ ذبح
 آسے مرے چمن کے گل درو دیکھ لے

اب آہ آتشیں سے بھی دل سرد ہو گیا
 فشر کا نام سننے ہی منہ زرد ہو گیا
 لڑنے کو پھر کھڑا روشش زرد ہو گیا
 جب خاک آرائی ہم نے تو وہ گرد ہو گیا
 آخر تڑپ تڑپ کے یو ہیں سرد ہو گیا
 عاشق کا رنگ زرد زرد ہو گیا

پیرِ خاک پاس و دھو ہے جس سے ذوق

نامرد مرد - مرد جواں مرد ہو گیا

پرانی غزل تھی میرے سامنے نظر ثانی کی :-

پانی طیب دیکھا ہیں کیا بھجا ہوا
کتے تھے آفتاب قیامت جسے سو وہ
چشم غضب کے نیم نگ میرے واسطے
پھر دل میں آہ سرد ہوتی میرے شطو در
پہلے نشانہ کرتا وہ بندوق کا بھجے
جل کر اگر بھجا بھی دل سوخت مرا

ہے دل ہی زندگی سے ہمارا بھجا ہوا
نکلا چراغ داغ دل اپنا بھجا ہوا
اک نیچے ہے زہر میں گویا بھجا ہوا
لو پھر بھرک اٹھایہ قتلہ بھجا ہوا
پر قمارے نصیب کے توڑا بھجا ہوا
ہوں جل اٹھ گیا جیسے کرکلا بھجا ہوا

مہم آپ ہل بھجے گراں کی آگ کو
سینہ میں ہم نے ذوق نہ پایا بھجا ہوا

استاد کے سو وہ سے جس دن یہ غزل میں نے لکھی - فرمایا کہ عجیب اتفاق ہوا -
ایک دن میاں شاعر طیشاہ تشریف لائے - حسب عادت غزل کی فرمائش لڑائی
میں نے بھی یہ غزل کہی تھی - انہیں سنائی - خوش ہوئے - بہت عنایت کی اور چلے
گئے - دوسرے دن مناکا چلے ہی گئے - کاش کوئی اور غزل سناتا +

جدا ہوں یا رے ہم از نہ ہوں قیب جدا
تری گھلی سے نکلتے ہی اپنا دم نکلا
والہی جلوہ ہے کس بت کا آج مسجد میں
تمہارا درد جفائی نہ ہو جدا مجھ سے
ہے اور علم و ادب کتب محبت میں
ہجوم اشک کے ہمراہ کیوں نہ ہونا
فراق خلد سے گندم ہے سینہ پاک اب تک
کیا عجیب کو مجھ سے جدا فلک نے گر

ہے اپنا اپنا مقدر جدا نصیب جدا
رہے ہے کیونکہ گلستاں گندلیب جدا
کہ دم بخود ہے سون جدا خطیب جدا
حروف درد میں ہو حکمت طیب جدا
کہ ہے دہاں کا سلم جدا ادیب جدا
کہ فوج سے نہیں بتا بھی نقیب جدا
والہی ہونہ وطن سے کوئی غریب جدا
نہ کر سکا مرے دل سے غم عجیب جدا

کر بیچ اٹی کا کس کس کی بیچ ہم اے ذوق
کہ ہونے والے میں ہم۔ سب غریب جدا

یہ بھی تیس ہزاری باغ کی غزل ہے سلسلہ ہجری :-

ورنہ ایمان گیا ہی تھا خدا نے رکھا
بارے تعویذ تو نقشِ کعبتِ پائے رکھا
استخوان کو مرے نہ پر نہ ہانے رکھا
ایک تنکا بھی نہ تھا باوہبانے رکھا
پاؤں خیر تری زلفِ دو تانے رکھا
دستہ زنگس کا نہیں میرے سر ہانے رکھا
گور سے آگے قدم دیکھ عصابے رکھا
خوب دھوکے میں سے تارِ قبائے رکھا
گھر میں مہمان جسے اہل صفائے رکھا
نام چمنوں مرا اُس جوشِ ربانے رکھا
لیک نامکام اُسے آبِ بقائے رکھا
کہ رہا گور پہ تیرا آن سر ہانے رکھا

شکر پر وہ ہی میں بس بت کو حیا نے رکھا
تھانہ پامال رہ عشق کی تربت کا نشان
تلخ کامی کار با بعدِ فنا بھی یہ اثر
آشیاں باغ میں ڈھونڈنا جو قفس سے جا کر
دل جو دیوانہ نہ تھا میرا تو پھر کیوں کہ
اکھیں نہ دیا طلب گور سے آئی ہیں نکل
پئے نادانِ قہر پہلے ہے رہبرِ وجود
ناتواں میں نہ تن زار مرا دیکھ سکا
نہ رکھی غولی و زشتی سے غرض آئینہ وار
کیا تماشا ہے کہ دیوانہ بنا کر اپنا
شر بہ مرگ سے محروم نہ رہتا کبھی خیر
ذگیمر کے بھی اُس صحتِ خیر کا شوق

آئے نشان پہلے فنا سے ہو جو چھ کو بقا
ورنہ ہے کس کا نشانِ ذوقِ فنا نے رکھا

سر پہ شیطان کے یاں اور بھی شیطان چڑھا
اس کے قابو پہ چڑھا تو ہی نادان چڑھا
ابھی افلاک کو دیں خاکِ بیا بان چڑھا
لے کے شمشیر سے سینہ پہ مرے آن چڑھا
باد کے گھوڑے پہ وہ دشمن ایمان چڑھا

نشہ دولت کا باطنِ ار کو جس آن چڑھا
عشق کے صوبہ پہ نہ کوئی بھر انسان چڑھا
تو جسِ وحشت اگر اپنا زیں چڑھ جائے
دل نے کب دیکھا رہ تو کو جو ابرو کا فر
دیکھا ملت دیں دونوں میں ہر باد کہ آج

مصحف رخ پہ ترے دنگ سنہرا تیرا
آنکھ تو لڑ گئی پر کوئی بھی اس ل کے سوا
بولہوس جاتے ہیں گردام میں آہو کی طرح
دیکھ قسمت کا لکھا اس نے پڑھا خط سوا
نگہ یار کو دے سو پستیاں دل و جاں
سنگ سر میں یہ تاب تھی وہ تیغ نگاہ
کشتہ دست خوابتہ ہوں ان باتوں کے
اشک آئے نہیں درگاہاں پر کیا روئی ابھی

واہ کیا خوب ہے سونا سر قرآن چڑھا
فوج ترگاں کے نہ منہ پر سر سیدان چڑھا
پلہ ابرو کی کماں پر ترے قربان چڑھا
دھیان پر براہِ مطلب کسی عذر ان چڑھا
چور قسمت سے نظر اپنی نگہبان چڑھا
گردش چشم نے بردی ہے غیبان چڑھا
کبھی دو پھول تو لاکر تو مری جان چڑھا
پانی سونیزہ دیا باندھ کے طوفان چڑھا

حضرت عشق کی درگاہ میں گراے ذوق
دل و دیں دیتے ہیں سب گہرِ سلطان چڑھا

یہ بچہ جب بول وہ بانگا جواں لینے لگا
تیر چنگی میں لایا اس نے پئے جان عدد
نام سیرا سن کے جنوں کو جھپٹائی آگئی
بھگہ کو ہر شب جھڑکی جوئے لگی جوں در حشر
ہے جو غنچوں کا چکنا انگلیوں کی سی چنگ
جس نے کی اس میکہ دین میت دست جو
لے کے آئینہ جو دیکھی حسن کی اپنی بہار
آکے دل پر جب کبھی کرنے لگے تیغ نگاہ
ذوق حسن و عشق روشن ہو گیا سب غم پر
سوت اس کو یاد کرتی ہے خدا جانے کہ گور

سوت کے جہی میں منزے یہ نیم جاں لینے لگا
رنگ میرے دل میں کیا کیا چکیاں لینے لگا
بید مجنوں دیکھ کر انگڑائیاں لینے لگا
مجھ سے یہ کس ن کے بلے آسماں لینے لگا
یہ بٹائیں کس کی باغ اے باغیاں لینے لگا
وہ قدم تیرے بس اے پر مناں لینے لگا
اپنے بوسے آپ وہ غنچہ دہاں لینے لگا
چشم کی گردش سے وہ کارِ فرماں لینے لگا
شع کی گلگیر جو منہ میں زباں لینے لگا
یوں ترابا عزم جو چکیاں لینے لگا

بات کو اسے ذوق اسکے نوک مڑکاں کا خیال
تن پہ ہر بوسے مرے کارِ مناں لینے لگا

پہنچا آپ تیغ قاتل تابسر اچھا ہوا
ایک دن بالکل نہیں لے چارو گراچھا ہوا
کم نہ ہوا اس آبِ بخیر کی انہی آبرو
آسہیگا دشت میں لیلے ترے ناتو کے کام
رو نہ کتنا تھا مزا بھگو چکا دے عشق کا
شن کے جنوں نے مرے شور جنوں کو یہ کہا
بندہ گیا اس سوکر کا جبکہ مضمون کر
مجھ کو صد نے کر اگر ہے بد مزہ تیرا مزاج
باقہ تو اونچا پڑا تھا یار کی شمشیر کا
کچھ گیا میری طرف اگر بھی دبا کا دل
قتل کرتا ہے ترا بسل سے یہ کنا کہو
نامہ بر جانا ہے جا جلدی چلی جان جنس
آئینہ خانے میں عالم کے مجھ لے یہ شال
سب سے بڑا تو ہی اگر آیا نظر تجھ کو ترا

اسے دل مجروح لے تو غسل کراچھا ہوا
دلغ ادھر تازہ ہوا اگر زخم ادھر اچھا ہوا
آج مدت میں ہمارا حلق تراچھا ہوا
ہو گیا جنوں جو کاٹا سوکہ کراچھا ہوا
بھر دیا لون اس نے دل کو چیر کراچھا ہوا
واقعی مجھ سے بھی یہ شوریدہ سراچھا ہوا
ہو گئی مضمون میں وقت شعر پر اچھا ہوا
یہ ادھر صدقہ دیا تو نے ادھر اچھا ہوا
زخم پر قسمت سے میری کار گراچھا ہوا
واہ وا جذبِ محبت کا اثر اچھا ہوا
اب تو دامن بھی ہوا اوہ سے تراچھا ہوا
دیر مت کر ساتھ تیرے ہم سفر اچھا ہوا
تا تجھے جانیں کہ یہ صاحبِ نظر اچھا ہوا
تو ہی اچھا ہے تجھے معلوم کر اچھا ہوا

ذوق کے مرنے کی سن کر پہلے تو کھڑک گئے

پھر کہا تو یہ کہا منہ پھیر کر۔ اچھا ہوا

اگر جہلم کو بھی آیا تو ہم جانیگے اب آیا
ہماریں خوب لوئیگے اگر وہ غنچہ لب آیا
نہ آیا آج بھی گرتو تو اسے ظالم غضب آیا
دہن اس کا عدم ہے اور عدم میں کتہ کب آیا
گلہ بکسیر سے اور زخم گلو کے تاب لب آیا
کہ اب کٹش بچ کرنے کا نہیں قاتل کا وہ لب آیا

عش جان منتظر ہو ذوق چٹا شمع کب آیا
ہمیں میں کہتے ہیں پھر وہ ہمیشہ طرب آیا
خلات و عذہ میں تیرے کل نہاں لب آیا
محبِ حیات میں ہوں جسکے نظروں لب آیا
نویسہ تشنہ کامی باب سے آبِ خضر قاتل
سائلِ کجیو ذوقِ ملہین۔ دیکھئے کیا ہو

وہ مست از کیکر مجھ سے میرے شیشہ دل کو
 نوشہ سے ہوا ایک صحت بھی ہرگز نہ بیش و کم
 بزرگ غنچہ غنچہ دل نہیں کیا اس گستان میں
 وہ بیشہ نہ آئیں میں نہیں بخیدہ دل ان سے
 لگائی زلف کو خانہ نے جو انگلی پکارا دل
 ترے ڈر سے نہ آیا پاس کوئی نیم جانوں کے

ہر آغوش میں تھوڑا گویا کرتا اسکے حلب آیا
 جو پیشانی میں تھا لکھا ہوا وہ پیش سب آیا
 بھر آیا نہ میں غل گرگرت تہم زیر لب آیا
 مگر یہ بیخ ہے کیوں بیخ انگو بے سب آیا
 یہ گستاخی بھلا رہ تو سہی او بے ادب آیا
 مگر وہ نا کبھی چوری سے بعد از نیم شب آیا

میں اپنے ذوق کے قربان کہ مستی میں مبتلا کی

بلا یا کس نے اس کو جب یہ آیا بے طلب آیا

آتا تو نے سرتن سے گراں شمار کے مارے کا
 مے طالع چین کیا کام لے گردوں شمارے کا
 شمارے دیکھ کر موتی تمہارے گو شمارے کا
 نفس ہے جاوہ عمر رواں جس طرح سے گذرے
 جسے کہتے ہیں بحر عشق انکے دو کنارے میں
 ترا ہر مے زنگار دل کو انگشت اشارے سے
 لے لے کیر گراں کشت خوشک میں زلوں ہرگز
 مفید جول ل ہوں چاندنی کے پھول کیا بھلو
 نہ پکڑوں امن ایساں گرداب بلا میں ہم
 مے گھر میں تو جو ماہ سرچ السیرن جلتے
 سر راہ نہائیں ہوں مینا ہے سفر لیکن
 گزرتے کی جنبشائے دل نے دور و کر
 ڈھلکا ہے شال دانہ تسبیح کیوں منکا

تو بھر لوں نہ میں احساں مے تنکا آتا مے کا
 چمک جانا ہے کافی آتش دل کے شمارے کا
 کیسے ہے ہمارا فوہد قداس شمارے کا
 یہاں پوچھے ہے لے نگراہ کیا رتہ گذرے کا
 ازل نام اس کھارے کا ابد نام اس کھارے کا
 بھنے والا بھو سا پا ہے پر اس اشارے کا
 مے خرب میں غول کرتا ہے کشیدہ کر پاپا مے کا
 دکھا دو خندہ دندان نام اس ماو پارے کا
 کہ بدتر ڈوب کر مرنے سے ہے جینا سہارے کا
 کیا غیروں میں پیدا حکم کیا کر قطب تارے کا
 بزرگ شک مرگاہ منتظر ہوں کل اشارے کا
 چھڑک کر ہم نے جیہا نفع پر سودا خاں کے کا
 کرمب بخیر اس سفر دنیا سے کیا کام سخاں کے کا

فقط ماہِ نفس کا ذوق خطِ جاوہ کافی ہے

پٹے عمر رواں کیا پائے رشتہ گدازے کا

کام قاصد کا ہے یہ تیر ہوائی کرتا
جاننا ہے کہ یہ ہے عقدہ کشائی کرتا
بکسی فرعون زوہرے خدائی کرتا
روشنی دیکھتا گردل کی صفائی کرتا
ورد ہر برگ ہے یاں نغمہ سرائی کرتا
ہے ترا نقش قدم چشم نائی کرتا
پر ہے کچھ خون جگر کارروائی کرتا
پر ہے بے چین ہیں شوق روائی کرتا

نالہ ہے آن سے بیاں درد جدائی کرتا
پنجرہ شاد کو دینا ہے ملک بیاں کرتا
دیکھتا اس بت سفرور کا گر جاہ و جلال
خاک آئینہ سے ہے نام کند روشن
نہیں گوش شنوا بلغ جاں میں غافل
بند آنکھیں کئے جاتا ہے کہ مر تو کہ تجھے
سوز دل کون بھجائے کہ نہیں چشم میں شک
بیٹھ رہے تو نفس ہے عجب اکرام کی جائے

ذوق اس پائے نگارین جو ہے صفت نگار
اشک خونی سے ہے کاغذ کو حسائی کرتا

پرائی غزل تھی نظر ثانی میں نئی ہوئی :-

کہ شے آسماں کے اک نیا اور آسماں ہوتا
کوئی دم شمع مردہ میں بھی ہے باقی دھواں ہوتا
کہ تاشیع کہاں پر اسکی میرا آشیاں ہوتا
کہ جیب چاک کی صورت ہے خط لکھاں ہوتا
تو کہیں حق میں سے ہر سے تزلزل ناں ہوتا
مگر تیرا مستیستہ ہونے خال داں ہوتا
تو جیسے لکھاں میں بھی لکھاں خوں اں ہوتا
تو گنبد چہم گشتوں کی تربت پر کساں ہوتا
تو مثل سے موزکاں جس پیہم خوں رواں ہوتا
کہ خنجر قحمری گردن پہ رکے کہ کر رواں ہوتا

نہ کرتا ضبط میں نالہ تو پھر ایسا دھواں ہوتا
ابھی شمشاد بھلا کیوں نہ شہید تفسہ جاں ہوتا
کہ ہے مرغ دل اے کاش میں باغ کمان ہوتا
عزاداری چن کس کی یہ چرخ تاقی جاہ
نہ ہوتی دل میں گر کاوش کسی کی نوک مرگلاں کی
نہ رکھتا گرد نہ رکھتا نہ پے دانہ یہ مرض غم
اگر جی کھول کر میں تنگ نہ دہر میں دانا
بگڑا گرد نہ ہوتا وادی دشتیں اے عجبوں
ترے خوں جگر کی خاک پر ہوتا اگر سبزہ
کہ کاوش کی فانی کے ہفت بج ظاہر تھی

نہ کرتا ضبط میں گریہ تو اے فوق اگر گھڑی ملی
مکڑے کی طرح گھڑیاں کے غرق آساں ہوتا

رنگین کی غزل تھی نظر ثانی نے اصلاح کی :-

آنکھیں می تلوں سے مل جائے تو اچھا
جو چشم کہ بے غم ہو وہ ہو کور تو بستر
بیارِ محبت نے لیا تیرے سنبھالا
ہو تجھ سے عیادت جو زیار کی اپنے
کچھ بچھو دل انساں کو نہ وہ زلفِ سیدہ نام
لے گریہ نہ رکھ میرے تن خشک غرق آب
تاخیر محبت تو مجب حب کا عمل ہے
فرقت سے تری تارِ نفس میں میرے
ہاں کچھ تو جو حاصل ثمرِ خصل محبت
دل کر کے نظر سے تری آنکھوں کا نہیں پھر
وہ صبح کو آئے تو کروں باتوں میں دوپہر
وہ چل جائے جو دن بھی تو اسی طرح کوں شام
جب کل ہو تو پھر وہ ہی کوں کل کی طرح سے
انفدہ نہیں جانتا میں جاے وہ یہاں سے

چہ سرت پابوس نکل جائے تو اچھا
جو دل کہ ہو بے داغ وہ چل جائے تو اچھا
لیکن وہ سنبھالے سے سنبھل جائے تو اچھا
یہنے کو خبر اس کی چل جائے تو اچھا
سانپ اس کو اگر تھے گل جائے تو اچھا
کڑی کی طرح پانی میں گل جائے تو اچھا
لیکن یہ عمل یار پہ چل جائے تو اچھا
کاٹا سا کھٹکتا ہے گل جائے تو اچھا
یہ سینہ پھوپوں سے جو پھل جائے تو اچھا
یہ گرنے سے پہلے ہی سنبھل جائے تو اچھا
اور چاہو کہ دن تھوڑا سا دھل جائے تو اچھا
اور پھر کوں گرا آج سے کل جائے تو اچھا
گرا آج کا دن بھی یونہی مل جائے تو اچھا
دل سیری ہی باتوں میں مل جائے تو اچھا

ہے قطع رشتہ میں اے ذوق ادب شرط

یاں شمعِ نط سہی کے مل جائے تو اچھا

کے ہے خجستہ قاتل سے یہ گلو میرا
مجھے وہ پردہ نہیں سانسے کب آنے دے
نہ پہنچا گردن جاں تک اور ٹوٹ کے لائے

کمی جو مجھ سے کرے تو پہنچے او میرا
جو نہ کر آنے نہ دے اپنے روبرو میرا
پڑا گلے میں مرے دست آرزو میرا

نہیں بلا سے کوئی یار عشق میں لے دل
مقام دید میں آئیں ابھی ملائک عرش
عجب نہیں ہے مری سوزش محبت سے
بزرگ آئینہ چشم بہ آب سے میرے
ہاتھ لے نگہ یار تجھ کو کچھ غیرت
کروں میں کیا اگر زبان صبح کی مانند
نظر جو آتا ہے اب تک فلک کا رنگ سیاہ

کہ غمگسار ہوں میں تیرا اور تو میرا
جو بیکہ میں نہیں شور مے و ہو میرا
کہ تار شمع ہو ہر ایک تار سو میرا
گمراہ اشک کیا پاس آبر و میرا
کہ آگے تیغ اجل کے ہو سرفرو میرا
نہیں ہے چاک جگر قابل رفو میرا
پڑا تھا سایہ بخت سیہ کبھو میرا

ہمیشہ نہیں ہوں سی داؤ گھاتیں کے ذوق
کہ رام ہو وہ غزال پلنگ خرمیرا

نہ ہوا آب شادیت سے گلوتر نہ ہوا
جل کے میں خاک ہوا تو بھی ردا دل مضطر
بے چرخ اس کو نہ کہ افغ الم سے اعشقی
کب مہا آئی تو سے کوچے لے یار کریں
خون رنگاے گل لاش بے سر سے سرے
عشق یہ مجھ کو کیسا ہے کہ اس کشت کے

مستند جب وہ ہوا مائے تو فخر نہ ہوا
یہ وہ سیاب ہے کشت نہ ہوا پر نہ ہوا
خاؤ دل کوئی دیوانہ ہوا گھر نہ ہوا
جو جاب لب جو جام سے باہر نہ ہوا
آگے کب جوش پہ فوارہ سے ہسر نہ ہوا
موتے ہر طلق سے پیدا ہوئے اور نہ ہوا

ذوق بیار محبت ہے خدا خیر کرے
کہ یہ آزار ہوا جس کو وہ جاں بر نہ ہوا

جان کے دل میں سدا جیسے کار میں ہی رہا
بعد مرون بھی خیال چشم قتال ہی رہا
میں ہمیشہ عاشق چمیدہ میاں ہی رہا
پشتہ قندی ہے کام غیر میں وہ لعل لب
بندہ سکا ہم سے دھنوں میں بان ننگ کا

دل کو بھی دیکھا گئے یہ بھی پریشان ہی رہا
سبز و تربت مرا وقت نظر الاں ہی رہا
خاک پر روئیدہ میری عشق بیچاں ہی رہا
پر مرے حق میں تو ننگ زیر و زماں ہی رہا
اتھا اپنا فکر میں زیر زخم داں ہی رہا

جاہل منکر نہ آئے راہ پر معجز سے بھی
 حلقہ منہ خیر میں بھی دل رہا پاد رکاب
 کب لباس نبوی میں چھپتے ہیں روضہ نصیر
 آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
 جلوہ اسے قاتل اگر تیرا نہیں حیرت فرما
 حلقہ دیکھو میں بھی کس کئے خدامے کی تاب
 مدتوں ل اور پکیاں دو نوین میں ہے
 سب کو دیکھا اُس اور سکون دیکھا جو نگاہ
 آگے زلفیں لیں بنی تھیں اور اب انکس خسی
 مجھ میں اُس میں ربط ہے گویا رنگ بو گل

جہل سے ہو جہل اپنے ناسلماں ہی رہا
 تو سن وحشت ہمارا گرم جلاں ہی رہا
 جائزہ خانوس میں بھی شلو عریاں ہی رہا
 کتنا طوطے کو چڑھایا پردہ چیاں ہی رہا
 دیدہ بسل نے کیا دیکھا کر جیلاں ہی رہا
 شب رہا لڑنیش سرور گریاں ہی رہا
 آخرش دل بیگیا خوں ہنکے پکیاں ہی رہا
 وہ رہا آنکھوں میں دنگھوں گپناں ہی رہا
 کائنات اپنا ہمیشہ کافرستان ہی رہا
 وہ رہا اغوش میں لیکن گریزاں ہی رہا

دین وایاں دھونڈتا ہے ذوق کیا اٹھتے ہیں
 اب نہ پکھو دیں ہی رہا باقی نہ ایماں ہی رہا

طلسم طر فرترا آسو نے میرے مردمان نہ تھا
 تو سے جوڑے کے گھٹنے نے فراولستان نہ تھا
 یہ ہتیاں کس نے فشاے جہت کا یہاں نہ تھا
 ہوئی تشہیر نیش آئیں تو ایں کی جب تو پاؤں میں
 کیا مجھوں مجھے آشتنگی زلفت نے کس کی
 تراہنسا جو یاد آیا برنگ تہقہ مینا
 تڑپ کر دامن زیں کو نہ آلودہ کرے خوں سے
 نہ جھاڑا غیر کہ تو نے کہہ کر جھاڑ پٹا تھا
 وہ ہوں ناکام سمجھا نامرادی جو مراد اپنی
 آلودہ نیلے حوشیں لگ آئیں جس حیف گواں کے

کہ ہے اک گ گرو میں حاصل صد بھوکاں نہ تھا
 مجب تقدیر نے عقدہ دلاں کھولا یہاں نہ تھا
 جو جہان زنگ تھنے منہ کو میرے جگمگان نہ تھا
 کوئی سارنگا و سور جائے کیسیاں نہ تھا
 کہ میرے سر پہ پرچ شامہ سر نے آشیان نہ تھا
 تو میں نے تاراک لہنے کالے لے چکیاں نہ تھا
 بھلا فقرک سے کیوں تو نے صید نہ جان نہ تھا
 بھی پر گالیوں کا جھاڑ تو نے بد زبان نہ تھا
 مرے عقدہ پہ چلے دشمنوں نے دوشتاں نہ تھا
 اگر جگر دھوئیں نے دل کے نور آساں نہ تھا

فلک داوتہ پھرنے دے کئی پروردشوں
 بلاہوں مضرب میں بھی کہ مجھ سے برق نے دکر
 مرا دل آگے ہی سینہ میں کہ پھوڑا سا پکتا ہے
 دل مجروح پر میرے نہ سمجھو داغ حسرت کا
 کہ دل بجاکر جاگد کرتیرے نعل قلم کے
 تیس سز محبت کے لئے چارہ نہیں قمری

گیا ہی آخرش زخمیر سے بیل دماں بانڈھا
 حصا راگ گرد اپنے شعلہ تجوار ساں اندھا
 خیال خط سبز یار نے کیوں برگ پان اندھا
 پر طاعون اس نغمی نے ہے اے دوستان اندھا
 عجب اک گردنا رخا نے اے مردوان اندھا
 یہ گندہ نیلیوں گردن کیوں تھم سببان اندھا

سمجھ کر موج دریا سے فنا کو خنجر بُراں
 کہن دل جا بے ذوق ہم نے سرے پاں اندھا

بھڑکنا کیا کہوں سینہ میں اپنے آتش غم کا
 جہاں میں مردِ عشق سوا وہ چند ہے غم کا
 ترے عاشق کو ہے یونِ غمگوار آپ دم خنجر
 برنگ طوق قمری کوئی نکلے ہے نکالے سے
 ترے رخسار کا پر تو چڑے گرامض گل پر
 سنے جاتے ہیں گنگ زخم اس تیغ قبسم کے
 دلیران محبت کو غلش سے اکی چراگاں کے
 خراس سینہ میں لگ رہ گیا ہے نوٹ کر ناخن
 اگر آتش مزاجوں کو حسد ہو خاکساروں پر
 خطا کا چل کی دولت کا ہے پیغام اتنے قصد

کہ جائے نہ ہے ہر داغ بر شعلہ جہنم کا
 کہ ہے گریہ کا اک ان تو عشق ہے محرم کا
 مسلمان کو گلے جس طرح شیریں آب زمزم کا
 کند گردن دل ہے جو ملحق زلف پر خم کا
 کہ ہے چنگ زنی خود شید پر ہر قطرہ شبسم کا
 کہ یاں نکلتا ہے بنیہ سوزنِ مینی مریم کا
 پس مردن لحد میں بھی ہے عالم پاؤ رستم کا
 غلط ہے جو سمجھتے ہیں کہ یہ بھال ہے مریم کا
 تعجب کیا کہ ابلیس لعین شمن ہے آدم کا
 لگا قسمت سے شعلہ اتھ یہ کسیر اعظم کا

شہید ذوقِ سینہ میں تی ہیں حسرتیں لاکھوں
 مری جو آہ ہے گویا وہ ہے اک نعل ماتم کا

یہ گلدستہ تیس ہزاری باغ میں بنایا تھا شعلہ ہجری :-

یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا

نعل اس نگہ کے زخم رسیدوں میں مل گیا

لذت کو تنج عشق کی بن بن کے بوالہوس گر بعد فقر پھر سگب دنیا ہوا فقیر آخر کو فیض بیعت دست سب سے آج دکھلا کے مکشاں سے خاک چاک سیندات اس شکل سے ہوا وہ طلبگار دیدار	اگر غلج ساطق بریدوں میں مل گیا کبخت پاک ہو کے پلیدوں میں مل گیا پیر مٹاں کے میں ہی مریدوں میں مل گیا اُس ہوش کے سینہ دریدوں میں مل گیا صاف آئینہ کا نقشہ نریدوں میں مل گیا
---	--

حسین ذوق وہ شے ہے کہ جس سے
تھا کر چا اشتیاق میں سعیدوں میں مل گیا

سلاطین کی چمن بندی ہے :-

وہ کون ہے جو جھپٹا مت نہیں کرتا کیا تھر ہے وقت ہے بھی آنے میں آن کے اس صاف کرے دل نہ مٹے صاف سے صوفی دل غم کی دولت سے مرا آنا غنی ہے پڑھتا نہیں خط غیر مرادوں کی عنوان کچھ اور نگاہ گذرے نہ دل میں تھرے کافر	پر میرا جگر دیکھ کو میں آفت نہیں کرتا اور دم مرا جانے میں توقف نہیں کرتا کچھ سو صفا علم تصوف نہیں کرتا دنیا کے زرد مال پر میں تفت نہیں کرتا جب تک کہ عبارت میں تھرت نہیں کرتا یاد اس لئے میں سورہ یوسف نہیں کرتا
---	---

کسے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر
آرام سے وہ ہے جو تکلف نہیں کرتا

یہ غزل ہے جس پر شاہ نصیر مرحوم سے قطع تعلق ہو گیا تھا (دیکھ صفحہ ۶) *

ہر گام پر رکھے ہے وہ یہ ہوش نقش پا افتادگاں کو بے سرد ساماں نہ جانو اعجاز پا سے تیرے عجب کیا کراہ میں اس رنگدیر کس کو ہوئی فرصت مقام جسم نرا ز خاک نشینان کو سے عشق	ہو خاک عاشقاں نہ ہم آغوش نقش پا دامان خاک ہوتا ہے رو پوش نقش پا برل اٹھے نہ سے ہر خاموش نقش پا بیٹھے ہے نقش پا پس بدوش نقش پا یوں ہے زمیں پر جیسے تن زویش نقش پا
---	--

فیض برہنہ پائی مجنوں سے شست میں ہر آبلہ بنے ہے درِ گوش نقش پا

پا ہوس درکنار کہ اپنی تو خاک بھی
پہنچی نہ ذوق اُس کے باغوش نقش پا

اب رویت الفت کی وہ غریبیں لکھتا ہوں جن کا حال دیا چہ کے صفحہ ۲۶ میں لکھ چکا ہوں
ایسے اشعار اپنے کہیں کسی سے سنتے۔ یا خود یاد آ جاتے تو سناتے۔ اور عجب محبت سے
فرماتے۔ یہ ہمارا بچپن کا کلام ہے۔ نظر ثانی کریں گے۔ پھر دیوان میں داخل کریں گے اور
کچھ کچھ اصلاح کرتے بھی جاتے تھے۔ مگر والد مرحوم کے تقاضوں سے اور میری حاضر و غائبی
سے جس ستودے کو درست کر دیتے تھے۔ نئی غزل مرثعہ ہو جاتی تھی۔ لمبے۔ وقت
تھا کہ گذر گیا۔ یاد کرتا ہوں اور رونا ہوں۔ اور نہیں پاتا۔ اب جو کچھ ہے یہی نفیت ہے۔
جیسے میں نقل کر دیتا ہوں۔ ضائع ہوئے تو یہ یادگار بھی نہ رہیگی۔ سوئی مٹی کی نشانی
اسے کہتے ہیں۔ انتہائے کلام تو جسکے سن چکے۔ ابتداء کے کلام آواز سے سنو :-

آہ روشن نہ ہوا کلبہ احزاں میرا
آج تیرا ہے وہن اور نکداں میرا
دیکھ تو کچھ نہ خوں سے کہیں داماں میرا
مہر گردوں ہو جو داغ دل سوزاں میرا
ہے خطا جاوہ ترا چاک گریباں میرا
رہ گیا اُسے کھلا دیدہ حیراں میرا
خاک و خاک کیا حسنا و ویراں میرا
باز میں گراہل سخن جال پریشاں میرا
دیکھو پھر ہنستا ہے کیا کیا بختاں میرا

جل اضا طمع نط تار رگ جہاں میرا
ہلتے دیکھے جوب ز حشم تو بولاقاں
کر کے بسل مجھے کس ناز سے کتا ہے دشمن
اے جنوں! دن سوارات کو روشن کرے
خار و حشت سے کہو چھوڑنے اس نل کا
دھیان میں آئینہ بے گئی جان بکل
اے جنوں تو بھی ہو دنیا میں بے پلانہ خراب
نظم مٹی کا بکھر جائے ابھی حرف سے حرف
خندہ جام کو مینا کے لبوں پر رکھ دو

اپنا رونا مجھے ہنسنے سے مبارک ہو ذوق
دیکھ خنداں ہو جو وہ دیدہ گریباں میرا

آغاز شباب کی غزل ہے۔ شاہ نصیر مرحوم کا ایک قلمی دیوان کتب خانہ آزاد میں موجود ہے۔ آج بھی ایک غزل سی طرح میں درج ہے :-

ہے انہی کا آج سرا تاج و افسر زیر پا
دوپہر ہے سایہ بھی بچھا ہے چھپر زیر پا
پل ہوں بھرا شک پر مرگاں سراسر زیر پا
اب تو پاؤں ہو گا جو ٹیگا پتھر زیر پا
کیوں نشے میں توڑتے ہو رکھکے ساغر زیر پا
لے قیامت لا بچھا دامن محشر زیر پا
جب دہنگا سانپ کا ٹیگا مقرر زیر پا
راہ آنکھوں کے گل آئے ہیں چھپر زیر پا
آکھڑا ہو رکھ کے میرا کاشہ سر زیر پا
اپنے نقش پا کو رکھ لے پا سے ہنر زیر پا
ایک تختہ رہ گیا ہے جس کے نیچے کر زیر پا

رکھتے تھے جو کٹورہ کمرے قیصر زیر پا
لے جنوں! ہم پا برہنہ گم پتھر زیر پا
تم چلو رکھکے جو میرا دیدہ تر زیر پا
خاکساری کو ہماری مل گئی اکسیر عشق
میری آنکھوں کو ملو تم کے تلووں کے تلے
ہے نماز کشتہ قامت۔ بجاٹے جانا ز
زیر دست پر بھی ہے نوئی سے لزم خراز
ہیں تے مجنوں کے مرگاں دھڑی جھٹکے غار
بوٹ گل میدی کے گلبن پر شکب گل گلشن
فاتحہ عاشق کا بیتا ہے تو ادب ہے ادب
میں ہوں وہ گشتی شکستہ بھرا نصرت میں صبا

قصہ قن کو ذوق ب نارت کر گیا ایک دن

چونٹیوں کا پھر رہا ہے یہ جو بشکر زیر پا

آسی عالم میں یہ غزل ایک مرشد زادہ کی فریاد ہے کسی تھی انہیں گانے بجانے کا
ہست شوق تھا۔ اسی کے لئے غزل کہو آئی تھی۔ نظر ثانی اس پر بھی نہیں ہوئی :-

ہائے تاثیر بہت یستم کیا ہو گیا
دل کے جانے کا تو عالم کو اپنچا ہو گیا
سو کہہ کر ایسا ہوا دہلا کہ کانا ہو گیا

دشمن جاں یک بیک سارا زما ہو گیا
تم میں تھا یا مجھ میں تھا دل۔ پھر کو کیا ہو گیا
جس کو اے ظالم تری مرگاں کشکا ہو گیا

لہ مرشد زادہ۔ اہل قلم کے ہمارے میں مولانا خداداد کو کہتے تھے۔ اور جوشن زادے قریب قریب کے ہمارے
ایک وقت میں دھوتے دار سلطان کے ہو گئے تھے وہ سلطان کو لے گئے۔ خلافت کا وجود
کا تھا۔ بھائی۔ دھیرو دھیرو +

ہم نے اُن سے ہستی کی وہیں کرتے دشمنی
 بادہ گلگوں نے جو رنگِ مِخ کو روشن کر دیا
 جب اٹھا آہوت تیرے کشہ حسرت کا آہ
 تم نے کل عزمِ سفر کا ہم کو تھا بھیجا پیام
 پھر چلو اے حضرت دل ہو چکا ملنا میں اب
 مرنا جینا ایک جھانکا ہے نگاہوں پر تری
 خطا لکھا جھکو تو اُس میں نام بھی پورا نہ تھا
 وہ تو خود شعلہ تھا جب میں نے کہا شعلہ تو
 غیر کے گھر ہم سے تو اذکار اگر پہنچا تو کیا
 گرم ہو کر داتا ہے منہ پر مے خلیلِ مرشد
 کر دیا تیغِ نگہ نے ایک عالم کا ہے خوں
 یادِ زلفِ عنبر میں رات یہ آہیں بھر میں

دیکھ کیا سوچا تھا ہم نے اور وہاں کیا ہو گیا
 پہلے تھا گلرنگ کھڑا پھر بھوکا ہو گیا
 شور ماتم تھا کہ اک عالم میں برپا ہو گیا
 لو سفریاں آج دینا سے ہمارا ہو گیا
 آج گھر میں غیر کے پھر اُن کا رہنا ہو گیا
 جس نظر سے آنکھ بھر کر نونے دیکھا ہو گیا
 کیا کیوں قسمت کا لکھتا آج پورا ہو گیا
 اس لطیف سے بھڑک کر آگ دونا ہو گیا
 تیرے جانے کا تو اک عالم میں چرچا ہو گیا
 دیکھ کیا اے چشمِ ترا تیرے لڑکا ہو گیا
 نام بد نام اے صنمِ ناحق قضا کا ہو گیا
 گنہگاروں سے سارے کا سارا ہو گیا

ذوق نے ہوزلف کو چھیڑا تو لے لہے صنم
 تو نے خود چھیڑا اُسے اور برہم اتنا ہو گیا

یہ بھی ابتدائی مشق تھی نظر ثانی نہیں ہوئی :-

کوہ کے چشموں سے اٹھو گی بھٹکتے دیکھا
 ضعف سے سینہ میں ہے مراد میں طرح
 تھا میں اس باغ میں نخل گلِ تشبازی
 اُس رخِ زلف کے آگے نہ ہوا کہ فروغ
 لے صبا جنبشِ سبز کے سوا کس کو بھلا
 جو چننا اوجِ فنا پر وہ گرا سا یہ نط
 کو سے جاناں میں چل گیا تاہم سے

اے صنم پر ترا پتھر نہ پگھلتے دیکھا
 ریگ کو فیشہِ مساعت میں نہ پگھلتے دیکھا
 پھولتے دیکھا مگر آہ نہ پھلتے دیکھا
 آگے کالے کمر دیا کس نے ہے جلتے دیکھا
 سورج چل گور غریباں پہ ہے جھلتے دیکھا
 پاؤں میں کوٹھے پہ ہے بک پھلتے دیکھا
 ہم نے نیچے کو بھی ایسا نہ پگھلتے دیکھا

زنت کتنی ہے دُرِ گوش سے کھلائے کوئی
کچ ادا کی گئی کب ہم سے خیرے ابرو کی
انکھ کو لیتا نہ دامن میں تو کیا کرتا میں؟
جا چھپا شرم سے نظرات میں جو بے حیات
کو سے جاناں سے ہم اور غم سے آدم نکلے

گر سر بیض سے تاگن کو ہو ملتے دیکھا
شاخ آہو سے ہے خم کس نے نکلتے دیکھا
گلا ہوا رہ میں یہ لڑکانہ سنبھلتے دیکھا
تجھ کو دھنوں پر سی ہے کبھی ملتے دیکھا
اُن کو دیکھا نہیں پر ہم کو نکلتے دیکھا

خاندان کے سوا آتش غم سے اے ذوق
سلنے آنکھوں گھر کس نے ہے جلتے دیکھا

بزمِ گلِ مباح سے کب کھلا دگیر دل میرا
خطہ عارض کا تیرے ان دن جیہاں نکلتا
ورق پر سینے کے کھینچا ہے تارا شک سے سطر
سنبھالے کہ ذرا اے آسان کچھ اپنے ان کو
بتوں کی سرودھری نے کھلا دنی غمراں لیکن
تری چشمِ فوس گرنے کہاں کیا تھا یہ جاو
تصور میں کسی تیغِ نگر کے کشور الفت
بنو اگر حسن کی ولست تم میں گئے پاس
کبھی منت کی زنجیر ان کو پہنے نہ دیکھا تھا
نشانِ قویہ نے دے قافلہ سازوں گلِ دوش

کہ ہے باغِ جاں میں غنچہ تصویرِ دل میرا
تلاوت کرتا ہے قرآنِ بے تفسیرِ دل میرا
کر گیا شمعِ دردِ عشق کچھ تحریرِ دل میرا
زہیں پر کھینچتا ہے تارا شبگیرِ دل میرا
کرے کیا گر مجوشی ہو گیا کشمیرِ دل میرا
کیا ہے اک گھر میں اے پری تغیرِ دل میرا
ہوا تغیر کر کے صاحبِ شمشیرِ دل میرا
ہوا ہے کیا ہے عشق سے اکیسِ دل میرا
ہوا تک پہنچے تارا شک کی زنجیرِ دل میرا
قیامت میں تڑتا ہووے دامگیرِ دل میرا

بتوں کا عشق ہے گردِ ذوق تو ساری اُلی میں
کر گیا شہرِ شہر اک دن مجھے تشبیرِ دل میرا

یہ بھی جدائیِ عشق تھی۔ شاہ نصیر جو ماہی غلوں میں کبھی کبھی ایک قطہ بھی کہہ دیتے تھے۔
ان دنوں کی غلوں میں انہوں نے بھی ایک ایک قطہ لگا دیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب شہرِ طبع
عالمِ غفلت میں جاتا ہے تو ایسے ذوقِ خونی پیدا کرتا ہے۔ یہ اُسی عہد کے خیال ہیں۔

اُن سے کچھ وصل کا ذکر نہیں لانا اچھا
 تم نے دشمن ہے جو اپنا نہیں جانا اچھا !
 پھول گل میدی کے لالاکے نہ انھوں میں ملو
 طائر جاں کے سوا کو چہ جاں کی طرف
 طاق ابرو کے تصور میں دلا کھینچ نہ آہ
 بدگماں دیکھو کچھ اس میں بھی نہ ڈالیں رخنہ
 آتش عشق ہے سینہ میں جلی دیکھ لے چشم
 بیشہ رہ کر کے قناعت کہ لہلہاں سہ نو
 مرغ دل نے نگہ بار سے پوچھا اڑ کر
 یاں تو دم میں نہیں دم ماوردہ لئے تیغ ددم
 طرہ شمشاد دکھاتا ہے تری زلفوں کو
 ساقیا ابر ہے آیا تو بڑھا غم پر اتھ
 جل کے گر قطرہ خون ل کا ہوا انگ لہو
 گردش میں تب سیلانی کا

وہ جو کچھ کہیں تو تم بھی کہے جانا اچھا
 یار ناداں سے تو ہے دشمن دانا اچھا
 خون عاشق نہیں مرقد پہ بہانا اچھا
 نامہ بر کون ہے جو کیجے ردانا اچھا
 سمت کعبہ پر نہیں تیر لگانا اچھا
 روزن در سے نہیں آنکھ لڑانا اچھا
 اب نہیں امن مرگیاں کا بلانا اچھا
 چھوڑے آدمی تو نہیں ساری کو جانا اچھا
 پھر بھی کنا کر لگاتے ہیں نشانہ اچھا
 کہتے ہیں دیکھو نہیں دم کا چرانا اچھا

لاؤ آہ کر ہی اسکو ہے خانہ اچھا
 کہ گشتا میں نہیں بہت کا گشتانا اچھا
 تو نہیں نیچے مرگیاں سے گرانا اچھا
 آج اک بات لگا ہے مرے انا اچھا

کسانے یار کے اے ذوق بہانا آندو
 ہے تو چاہت کے جتانے کو بہانا اچھا

دیکھ چکے ہے شر ہو تے ہی پھر سے جدا
 بدنا ہے گر رکھیں مینا کو ساغر سے جدا
 سر جدا ہوتن سے یہ سودا نہ ہو سر سے جدا
 ہوں تڑپ کر جوں شر ہو گتہ دفتر سے جدا
 قطرہ خون بھی نہ ہو گا نوک نشتر سے جدا
 شیشہ گر رکھ تو بھی شیشہ کو نہ انگڑ سے جدا

چاہے عالم میں فروغ اپنا تو ہو گھر سے جدا
 کچھ شاطہ سبز گوش دلبر سے جدا
 دل مرا یار نہ ہو زلف منبر سے جدا
 کئے شمع سوزش جہراں جو تیرا بقرار
 خندق پائے نگاریں کا ہوں میں سودا زده
 شیشہ دل میں ہے کیا چمکا شر عشق یار

جوں پر کمزور بازو سے کہو تر سے جدا
غیر نے ہم کو کیا ہے کوئے دہر سے جدا

خدا شمع ناتوانی ہو گیا اڑتے ہی آو
حضرت آدم کو شیطان نے نکالا خدا سے

ذوق ہے ترکِ دِلن میں صاف نقصِ آبرو
بکتے پھرتے ہیں مگر جو کر سمندر سے جدا

نظر ثانی سے فور نہیں پایا :-

ہیں رواں دو ہمسفر - دونو بہم - دونو جدا
رہتے ہیں شبِ تاسحر - دونو بہم - دونو جدا
رہتے ہیں باہدِ گر - دونو بہم - دونو جدا
آٹھنے ہیں سیسہ - دونو بہم - دونو جدا

لختِ دل اور لاشکِ تر - دونو بہم - دونو جدا
میں نہ چکوا ہون وہ چکوسی - پھر آکر کس لئے
چل کی شبِ نگہٹ گل کی طرح ہم آؤ وہ
شکلِ کس آئینہ تیرا خیال اور میرا دل

ذوق ہیں سینہ میں ادھاقِ بلاجل کی طرح
ول جگر باشور و شر - دونو بہم - دونو جدا

اُسی عالم کا کلام ہے :-

مستم بکرم نکمے ہے گویا ہم نے نہاں کیا
یمن و کرم کیا - فرماؤ کا ہے وہ حال کیا
دلِ نیرِ چین ہو کے شبِ قتل کو ہے رز وصال کیا
موسم گل نے کیا ہنگامِ گرم ہے - کچھ سال کیا
منہ چڑھ کر اس شمع کے اپنا کالہ نہانے کیا
حال تو دیکھو تم نے مجھے ہر محنت سے بال کیا
نامہ جواب نامہ ہے اپنا دیاں جو کبھی نہاں کیا
آلبوں میں تیرا بے تھا گرتا فاق کیوں بال کیا

لعل لبِ دندانِ مستم کا دل نے جب نہاں کیا
یگانہ دلاش عشق سے کیا تو جینے ہے کہ وہ چہر کیا
پھر تاجے تو لے چاند کے نکڑے بکشتِ آہنگ کیا
آتشِ گلِ نئی رہیں ناں - یوں چمکا ہوا دل کیا
سادہ خوشگلی جو محبتِ حیرتی ہی تھی پیادہ دلی
موتلم ایسا لاٹوں کما کس جو یہ کرے تحریر کیا
نامہ یار کو رکھ دو بھجو تو ہم میرے زیرِ کفن
شمعِ نظر ہر خارِ جنوں کی نگلی نگلی جاتی ہے

رنگِ دل میں دردِ جگر میں نگہ میں آنسو لبِ غناں
عشق نے اُس کے ذوقِ ہمارا دیکھ لو ہے یہ حال کیا

ایضاً از غمت لم إلا :-

خول دل پیدا ہوا آزار سل پیدا ہوا
روئے تباہاں پر تمارے جب تباہی پیدا ہوا
میں نے کیا ایسا کیا جو ایسا دل پیدا ہوا
داغ تازہ داغ دل کے متصل پیدا ہوا
یا کرنا فرمان دلالہ مشتل پیدا ہوا
دہم کیا دل میں یہ اے پہاں گل پیدا ہوا

ہجر میں کیا کیا مرض ہے سنگدل پیدا ہوا
تیرہ نہتی تھی اسی دن اپنی روشن ہو گئی
یا الہی کیا کہو تیری عنایت کے سوا
غیر کے چھلے سےاں تو نے جو گل کھائے تو یاں
اُس لبِ عیسیٰ ہے یہ جلوہ رنگِ مسی
کر کے وعدہ رات کو جوارہ سے تو بھر گیا

خاکساری تھے اسی منِ رختی بانی تھی ذوق
آدمِ خاکی کا جس دن کب و گل پیدا ہوا

سوز و درد وہی ہے پہ ہو گئے نہ داغ پا
پھر آئے ماں خزاں تو وہیں ہو وہیں داغ پا
بیل کے آشاں میں رکھے جیفِ نراغ پا
تو کوئے زلف یار میں دل کا سر داغ پا
جوشِ جنوں میں رکھ نہ سوئے کوہِ داغ پا
اس سے تو ڈال ڈوبو میانِ ابلاغ پا
ہو جاے چوم چوم کے دلِ باغِ باغ پا
جس طمع بد نگام ہو گھوڑا چرخ پا
پانے جنابِ آبِ ہواں سے ارباغ پا
دھو دھو پیکر میں ترے سبب داغ پا

رکھ دل جلوں کی خاک پہ تو با فرغ پا
تو باغ میں رکھے اگر اے رشکِ باغ پا
وہاں در میرے گھر میں رقیبوں کوئے کے آٹھ پا
مگر کوئے یار میں نہیں لٹا پتا تو پھر
رونگی پھوٹ پھوٹ کے ہر چشمِ آبلہ
ہم دل جلوں کی خاک پہ رکھو نہ تو قدم
اُس گل سے گرا جائزت پاؤں پر نصیب
اُپھلے ہے شمعِ وجد میں اس طمعِ بار بار
ساتی کا دور چشم ہو گر بر کنارِ آب
ہے جی میں کب جو نطائے سرخوشِ خرام

اے ذوق کیوں جن میں گلِ عاے جکے ہوں
زنگِ تناسے غیرتِ سدِ پائیں باغ پا

گر کیا اُس کو پیسہ تجھے کافر پیدا

کے تجھ کو دوست سے کیا صہیں بڑ پیدا

ہو جہاں کشتہ ٹکڑاں کا تھا سہے مدفن
عاجزی سے رہے آئے نہ ہوا میں کمرور
قصہ پرواز کرے کیوں نہ مرا طائر روح
خط تیرے شعلہ رخسار پہ ہے سحر جن
خاک ل سوختہ یک مشت ہو گرم نہ جن
بغ روشن پر عیاں ہیں حق کے قطرے
دور نشان وقت سخن ہیں لب زنگیں تیرے
اشک گرم ایک بھی دیا میں جو ٹپکے میرا
آسمان سخت مزاجوں کو ہنر دیتا ہے
سرکشا نے میں مزادہ ہے کہ جی جانتا ہے

عوض ہنر ہواں خاک ہے نشتر پیدا
موت ہے چو نخی کی ہو دیں اگر پر پیدا
تیرے نغیر سے جو پہلو میں ہر شتہ پیدا
ورنہ ہر ہنر بھلا آگ پہ کیوں کر پیدا
ہو دیں غنوں کی جگہ باغ میں اگلے پیدا
کیا تا شاہے کہ دن کو ہوتے اختر پیدا
ہوتے گویا ہیں بیاں لعل سے گوہر پیدا
جائے باہی ہوتے آب سمندر پیدا
دیکھ لو ہوتے ہیں فولادیں جو ہر پیدا
سر ہر سوے بدن ہو سے جدا سر پیدا

سبے کہیں ہوتی نہیں ٹیب مکاں کی لے ذوق
خاند دل ہے تو کر لو رخ و لب سر پیدا

غزل نہ کہ رہ بالا بھی تیریں ہنری باغ میں کئی تھی۔ مجھے یاد ہے مطلق کا صبح ثانی کئی طرح کما۔
اور پسند نہ آیا۔ پھر فرمایا بغیر حساب کر لینگے تو سہرے لینگے۔ اب آگے چلو یہ لکھو اور غزل شروع کر دی۔
لکھو میں ایک دن میں اور مولوی رجب علی خاں اور سلطانہ کے دونوں صاحبزادے بیٹے جن جن
کے پاس گئے۔ اور پہلی ہی ملاقات تھی۔ اٹھائے گنگو میں ایک موقع پر میں نے مطلع پڑھا۔

کوئی آواز تیرے نیچے لے کر دوں نہ بغیر گنگا
دلیکن تو بھی گر جا ہے کہ میں شیر و ش شیر گنگا

میر مرحوم نے پھر پڑھا دیا۔ اور کہا کیا خوب کہا ہے۔ یہ کنگا ہے۔ میں نے کہا شیخ ابابکر ذوق
کا۔ کچھ گنگو کے بعد پھر کہا کہ وہ مطلع ذرا پھر پڑھئے گا۔ میر شریف حق صاحب نے کہا۔ اُنکے شراب کو
بھی پسند ہیں؟ اور کچھ قمرین کے لفظ کہے۔ میر صاحب نے کہا کہ جی ہاں۔ وئی میں میان اج میر
کے بعد یہی ہوتا اور شاعر کون ہوا؟ تھوڑی دیر کے بعد ہم رخصت ہوئے۔ کھڑے ہو کر
انہوں نے پھر کہا کہ ذرا وہ شعر پڑھ دیجئے گا۔ میر شریف حق صاحب نے کہا کہ آپ کو یہ شعر

اتنا پسند کیوں آیا۔ انہوں نے کہا دوسرے صبح میں قافیہ ایسے پہلو سے بیٹھا ہے کہ وہ اُسی کا حق ہے۔ میر شریف حسن صاحب بولے کہ آپ کو کیا حاجت ہے۔ وہ نہ ہوا اور لگا لیا۔ فرمایا۔ نہیں۔ وہ استاد تھے۔ جو انہوں نے کہا وہی لفظ ہو تو ہو۔ اور ہو تو نہیں ہوتا۔

وہ کہیں تو بھی گر جا ہے کہیں ٹھیریں نہ ٹھیر گیا
اگر سو کو کس ہو گا نجد تو مجنوں نہ ٹھیر گیا
اگر اتھ آئیگا گنجینہ قاروں نہ ٹھیر گیا
بنا دیا کوئی جام مے گلگوں نہ ٹھیر گیا
ابھی سے کیا کھوں دلِ محزون نہ ٹھیر گیا
طیب و آبِ نزل ہے کہ بے انبیوں نہ ٹھیر گیا
نہ ٹھیرا ہے زمیں پر عاشق محزون نہ ٹھیر گیا

ترے ہاتھوں کوئی آوارہ اسے گرد و شِیر گیا
جو تھک کر ناتواں میلے سراپوں نہ ٹھیر گیا
وہ دولت کر طلب جس کو دل ہو جائے مستغنی
گرا ہیں چشمِ ساقی سے مری تصویریں بھی گر
سربالیں اسے ہدم کوئی دم تو ٹھیر نہ ہے
بتلاتے ہو علاج اشک جو اسِ خال کا ہو۔
جیسی ہے دل کی بیتابی تو بعد از مرگ بھی قاتل

نہ ٹھیرا ہے زمیں پر عاشق محزون نہ ٹھیر گیا۔

بیچ کہا ہے باڑ کاٹے نام ہو تلوار کا
کام لوں ہر تار موم سے تار موسیقار کا
پوچھتے ہو کیا ٹھکانا اسِ خضائیِ خوار کا
گر پڑے سایہ مرے تجا نہ کی دیوار کا
میں شہید ناز ہوں کسی آتشیں رخسار کا
اسے ہا یہ رزق ہے مرغِ غائبِ آش خوار کا
خندہ گل - خندہ زخمِ جگر ہو جائے گا
اب ادھر سے نیکینا دم میں اُٹھ رہا ہے گا
کیا خبر تھی جا کے اُن خود بے خبر ہو جائے گا
آپ ہی تصویرِ ماس کو دیکھ کر ہو جائے گا

قتل کرتی ہے نگہِ شہرہ نگاہِ یار کا
گرد و کھاؤں عالم اپنے ناہما سے زار کا
کوچِ زلفتِ بتاں میں دلِ تڑپا ہو گا کہیں
کعبے کے دیوار و در سے فور کے چلے آئیں
آنسوؤں میں شمعِ بالیں سے برستے ہیں چول
استخوانیں سوختہ جاں کی نہ کمانا زیندار
یادِ بلبلیں میں گر پیدا اثر ہو جائے گا
کشتیِ بحرِ شہادت ہے ترے بسل کو تیغ
ہم نے جانا تھا کہ قاصدِ جلد لائے گا خبر
شکل تو دیکھو صورت کھینچے گا تصویرِ یار

آدم دوبارہ سو سے بہشت بریں گیا دنیا گئی کہ عشق میں ایمان دیں گیا خوشید وار چرخ پر چمکا کوئی تو کیا دیکھا کیس نہ اسکو جو دیکھا تو اپنے پاس	دیکھو جہاں خراب ہوا پھر وہیں گیا وہ مل گیا تو جانتے کچھ بھی نہیں گیا آخر کو پھر جو دیکھا تو نہ برز میں گیا میں دور دور جوں نگہ دور میں گیا
--	---

کیا کیا مزا نہ تیرے ستم کا اٹھایا یوں لانے والے ہم تل بیارہ کر کے جمع جو بار آسان دزم سے نہ اٹھ سکا سر ہم نے جبے پائے ستم پر بچے کھدیا	ہم نے بھی طعت زندگی تجھا اٹھایا دیکھا جہاں پڑا کوئی نہ کھڑا اٹھایا تو نے غضب کیا دل شیدا اٹھایا دو نو جہاں سے مست تمنا اٹھایا
---	--

مرض الوقات سے تین دن پہلے غزل کی اور مجھے مٹائی۔ پھر ملازم کو دی کہ اندر گئے
میں احتیاط سے رکھ دے۔ میں اکثر اسی وقت اپنی کتاب میں نقل کر لیتا تھا۔ بدترین اتفاق
یہ کہ اُس وقت خیال نہ آیا۔ دوسرے دن بیمار ہو گئے۔ پھر نقل کا کسے ہوش تھا انتقال
کے بعد ہر چند ڈھونڈی۔ نہ ملی۔ ہم شعر یاد رہ گئے وہی لکھ دیتا ہوں :-

کیا کیوں اُس سے جو ہو ہم سے زیادہ جانتا ہوتا بڑھ بڑھ کے اتنا کیوں شہرست غور کہتا ہے جب نام اپنا عالم بالا کی سیر انتاب حسن کو کیا خاکساروں کی جو درد	وہ ارادہ ہے ہمارا بے ارادہ جانتا گر بڑا بول اپنا قاضی کا پیادہ جانتا ہے فلک پر کمکشاں کو خط بادہ جانتا پا تھا وہ کا ہے درد از پا تھا وہ جانتا
---	--

کروں درد آشنا کیونکہ دل جباب اپنا سا ملک سجدہ کریں آدم کو کیا فوہ نوازی ہے آنا ترخا آنا۔ جانا تو گڑا جانا کیا طبع میں جو سب سے دل کی گڑا جانا	بلا سے میسا میں ہوں حوصلوں تیار اپنا سا دیا بندہ کو اپنے اُس نے خود آداب اپنا سا آنا ہے تو کیا آنا۔ جانا ہے تو کیا جانا ہونٹوں کا یہاں ہٹنا۔ دلوں بات کا پانا جانا
--	---

اے دل نہ راہ عشق کشادہ سمجھ کے جا
عیا ریوں سے یار کی نالوں ہے کیوں لا
یاں اژدہا ہے ہر خطِ جاوہ سمجھ کے جا
اور اس کو اپنا دوست زیادہ سمجھ کے جا

اگر قصاں نہ سراپا نشانِ یار پر دیکھا
جہاں باریک بینِ ناتواں میں قلعہ رکھیا
تو سر بازی کا اپنے کیا تماشا اپنا دیکھا
ہلالِ انتیسویں کا سب کو منظرِ نظر دیکھا

پر ہنگام تشہ لب۔ سیراب پہ بسمل نہ ہو دینگا
کوئی لمے لالہ رو اس حسنِ قاتل نہ ہو دینگا
میر ستر جب تک آبِ خنجر قاتل نہ ہو دینگا
اگر مہر گواہی میرا داغِ دل نہ ہو دینگا

چاندنی نے شبِ تجھ بن کر پتہ دکھایا تھا
بجھ کو ماہتابی پر دھوپ میں بٹھایا تھا

بعدِ فراق کوئی دن ایسا نہ بھل کا ہوا
وہ کہیں تم کو کیا ہوا۔ ہم کہیں تم کو کیا ہوا

آدمی گر ہو مکہ نہ کیا قصور اور اک کا
خاک کا پتلا ہے یہ کچھ تو اثرِ ہر خاک کا

کیوں کہ کے کرتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کہ جو تجھے کہتا ہے۔ کہ میں کچھ نہیں کہتا

وہ دیکھیں کٹھ ہے روزِ فرقت دیکھ کر جیتا
کہ جہ عاشق ہو تیرا قیری صورت دیکھ کر جیتا

جب قیامتِ تقدیر اے رشکِ گلشن بن گیا
اخترِ صبح قیامتِ خالِ گردن بن گیا

نشدہ پندار سے ابلیس رہ گم کردہ تھا
در نہ آدم میں دھرا کیا تھا۔ یہی دورِ بد تھا

نہ کوئی روئے کئی لے کا ترسے قاتل نہ ہو دینگا +

بعد قاف عشق تھا جو دس کتب خانہ تھا | کاف کن کے مابقی کیا جانے کیا تھا کیا نہ تھا

مڑہ پکیاں کا ہے ٹکڑا کر سری کا ٹکڑا | اکھڑا ہے چاند کا ٹکڑا کر پری کا ٹکڑا

بل بے گریگ زبیں ہر قدم گرنے لگا | اور قدم اکھڑے تو کیا دیکھا بجنور پڑنے لگا

دل کی طیش نئے خم چکر کا دن جڑا کلاوٹ گیا | طاہر جانجی رشتہ پا تھا فرحت پا کر چھوٹ گیا

ضبط گریہ نے ناشاطر فرد کھلا دیا | چشم کے کوزہ میں دریا بند کر دکھلا دیا

ہاتھ آکر دل وحشی جو کوئی چھوٹ گیا | ہوس صید سے صیاد کا جی چھوٹ گیا

لگا ہے تیر دل پر آہ کس کافر کی مرگاں کا | نشان سو فار کا معلوم ہوتا ہے نہ پکیاں کا

دل کہاں جس پر گماں ہو غنچہ تصویر کا | ہے کوئی سینہ میں خوں آلودہ پکیاں تیر کا

چشم و نگہ کو تیرے بدنام کیوں کر گیا | مرگ و قضا کو تیرا عاشق نہ لے مر گیا

عہد پیری نے بھلایا دوڑ چلتا - کو دنا | اے طفل کیلنا - کھانا - اچھلنا کو دنا

سجد میں اس نے ہم کو تاکھیں کھانے مارا | کافر کی دیکھو شوخی لگے میں خدا کے مارا

ہوئے انسان ہم درد مجھ کے لئے پیدا | فرشتے ہوتے گر ہوتے عباد کے لئے پیدا

یارب یہ اس زمانہ کے لوگوں کو کیا ہوا | جس کا برا ہو۔ اُن کو یہ کہنا۔ بھلا ہوا

آج غصہ سے ادھر کو دستِ قاتل اُٹھ گیا | بس بھروسہ زندگی کا ہم کو اے دل اُٹھ گیا

آخر گلِ اپنی خاکِ درِ سیکہ ہوئی | پہنچی وہیں یہ خاکِ جہاں کا خمیر تھا

ہو گیا نامہ شوق اُن کو سب از بر میرا | کھا گئے تیج جو وہ کر کے کہو تر میرا

کچھ رازِ نساں دل کا عیان ہو نہیں سکتا | گو گنگے کا سا ہے خواب۔ بیاں ہو نہیں سکتا

سبزِ خطائے غفلتِ کتنا رسمِ الخط ہے | خطِ تاجِ خطائے۔ لکھے ہوئے پڑھے خدا

ردیفِ بائے موصدہ

پی بھی جاؤ ذوقِ نکرشیں پس جامِ شراب | لب تک اُسکے جو ہوئی دستِ جامِ شراب
جسمِ کاستی میں وہ صاحبِ ہوسِ جامِ شراب | دل جو ہے جامِ شراب پس جامِ شراب
ساغرِ دل کو جو ہو دستِ جامِ شراب | باز گشتِ اپنی ہے یونِ جامِ شراب
دستِ بدست کی ٹوٹ کے فریادِ بہت | نہ ہوا کوئی بھی فریادِ سرسِ جامِ شراب

جوش مستی ہے عجب قافلہ جس میں کہ نہیں
محتب شعلہ آواز سے جل جائے گا
رات سچانہ میں ساقی جو نشے میں بہکا
منہ دل نرگس یگوں کی ہنر گاہیں ہیں
دل شکستہ ہن میں ٹوٹ کے ہو سو ٹکڑے
ساقی اس دور میں کب آنکھ چا سکتا ہے
نوشدارو سے بھی بہتر ہے دم رنج خار
بے خبر قافلہ عیش گزر جاتا ہے
ابلیٰ چشم یہ مست کو تیرے دکھیا
مجھے سچانہ کی عظمت تو نہ نیٹھے ہرگز
نخل مینا سے خدا جانے کہ ساقی کس کو
بادہ صاف میں آیا ہے کہاں سے نہکا
مجھ کو اس بو شدہ دغاں نے پس از بو شرب

بے شکست ایک صدائے جرس عام شرب
ٹوٹا اگر اک دل آتش نفس عام شرب
خوش شیشہ کو لگا کہنے جس جام شرب
سازہ مضمحل ہے جو باندھوں نفس عام شرب
نام لکھ دے جو کوئی میرا پس عام شرب
رات بھر گشت کرے ہے عیس عام شرب
ساقیا شربت فریاد و ر سب عام شرب
بے زباں ہے جو دباں جرس عام شرب
ور نہ اب تک نہ سنا تھا فرس عام شرب
سر حشیدہ پہ اڈ کر گس عام شرب
پہلے پہنچے ثمر پیش رس عام شرب
نکس درگاں ترا میکش پنچ عام شرب
وے نقل نکیس چند پس عام شرب

ذوق جلدی سے گل رنگ بھر ساغر مل
لب نازک کو ہے اس کے ہوس عام شرب

کم ہو گا کوئی مہا بھی الفت میں کم نصیب
کما یا کریں نصیب کی میرے قسم نصیب
اپنے زہے نصیب کہ ہوں یتیم نصیب
بے داغ ہو نہ دست فلک کے درم نصیب
جس کو کو غم پہ غم ہے الم پر الم نصیب
ہر دم ہے جھک کو سیر و جو و عدم نصیب
ایک حرف ہو نہ مثل زبان قلم نصیب

ہو ہجرہ توں جو ہو وصل ایک دم نصیب
ہوں میری خاک کو جو تھارے قسم نصیب
بہتر ہیں لکھ لطف و کرم سے تر کے ستم
ماہی ہو یا کہ ماہ۔ وہ دے ایک یا ہزار
ہے خوش نصیب عشق میں اے بالہو صہی
غافل جو دم کی آمد و شد سے نہ ہو دے تو
سوار جوں قلم ہو نہ زباں شمع کی مسلم

اے خوش نصیب تجھ کو یوں جرم نصیب
ساقی دے خدا نے اُسے مثل جرم نصیب
ویدار سے خدا کا نہ ہو اے صنم نصیب

بمجنوں سپاہ خیرِ یلنے کے گرد پھر
جسے جس کو اپنے ہاتھ سے تو ایک ظلم نے
ایساں ہے تیرا شوق قاف جس کو یہ نہ ہو

کجاتے ہیں کو سے یار کو جوں میں ہو سو ہو
اے ذوق آزماتے ہیں آج اپنے صنم نصیب

کام چوراس کام پر کوشش سے اجرت کی طلب
طلب ہے اپنی یارب کس قیامت کی طلب
کم نہ ہو تھلیاں کشیں سوزِ محبت کی طلب
اور یہاں فرصت کہاں کیجے فرصت کی طلب
ہے پھر آپ دم تخی شہادت کی طلب
شہر میں تھکوا اگر ہے اپنی شہرت کی طلب
غمِ بزم کی آرزو حسرت پر حسرت کی طلب
کاسے زہر آب کرتا ہے شربت کی طلب
کرتا ہے آفت طلب۔ آفت پافت کی طلب
یا کیلِ سعادت کو تو کرتا ہے راحت کی طلب

دل عبادت سے چڑنا اور حجت کی طلب
حشر کے لیں رہے اُس مروت کی طلب
دل مگلاٹے نہ جب تک اور بھگٹے نہ جاں
واسطے نظارہ قافل کے فرصت چاہئے
ہو مبارک خضر کو سرِ شہد آب بقا
دور رہ اور دور بیت رہ۔ سامنے مثلِ ہلال
بڑھ گئی ہے عشق جی جی میں تن اپنی کر ہے
جو عطاوت زندگی کی چاہتا ہے چرخ سے
ہو کے دل غمزدہ کا بسل ناز پر دیتا ہے دم
یاد میں صلب و شکم کی پہلی دو نو سز لیں

اگر گھٹناں جہاں میں تنگ ہے تو غنچہ دار
کر کشاد دل سے اپنے ذوقِ مست کی طلب

حرام ہے نہیں لیکن نیک حرام شراب
شروع دیکھ کے کیجئے برصیام شراب

کرے ہے شرع کا پاس نیک دام شراب
یہ ایسا ماہِ مبارک۔ وہ ایسا کارِ سعید

عوض ہے فشر دنیا کا ذوقِ سستی پر
وہ ام بختی سہاس میکہ میں ام شراب

در داسا کے ایس میں ہی ہے تو یارِ قینبے

اُس بُتِ ناہرہاں کو ہے پند اتنا رقیب

مائے مشنات

معلوم جو ہوتا ہیں انجسام محبت
ہیں داغ محبت درم و دام محبت
ہر روز آزادیتا ہے وہ کر کے تصدیق
مانند کباب آگ پہ کرتے ہیں ہمیشہ
کاسہ میں فلک کے رہے اک بوند نہ زرب آب
خاکستر پروانہ دکھا دوں میں آ کر
شوق حرم کو چھ متائل میں کفن کو
کی جس سے رہ و رسم نبت اُسے مارا
نے دہنے ہے کام نہاد سے کہ ہم تو
ایمان کو گرد رکھ کے اگر کفر کو لے سول
کستی تھی دغا و دکنائ عشق پہ میری

لیتے نہ کبھی بھول کے ہم نام محبت
مژدہ تجھے اے خواہش انعام محبت
دو چار اسیر قفس و دام محبت
دوسو ترے بہستر آرام محبت
دھر کھینچے اگر تشنہ لب جام محبت
ہو چھے کوئی مجھ سے اگر انعام محبت
ہم جانتے ہیں جائے احسان محبت
پیغام قضا ہے ترا پیغام محبت
ہیں بادہ کیش عشق و مے آشام محبت
کافر نہ ہو گردیدہ اسلام محبت
سو نیا کسے تو نے مجھے ناکام محبت

سراج بھو ذوق و توفیق کی سناں کو
چرخہ سر کے بل اس زینہ سے تاباں محبت

جنوں نے دی گھا جو سر خار ناز پشت
حوروں کے گر ہو پنجہ مرگاں سے غارت
ابھی سے تاباں ہیں دستِ فلک سے داغ
پیدا فلک سے ایک نہ ہو تنہ ساما پوشش
بار زمانہ پشت یہ لے کر شتر کی طح
ہو جاتی ہے زیادہ گر انبار ہی گناہ
سینہ سپر جو نہ چہ پس تیغِ فلکاء کی

پشت ابجہم خار سے ہے پشت غارت
کھلائے وہ پری نہ کبھی زینہار پشت
واں دغا داریں ہے یاں اغدا رشت
نہ پشت تک تو کیا کہ نہ تازہ ہزار پشت
سیدھی نہ کی فلک سے کبھی ایک رشت
پیری میں ہو خمیدہ نہ کیوں زیر بار پشت
دکھلائے وہ کبھی نہیں آئینہ وار پشت

گلنے نہ دے زیں سفل بتیاریشت

ڈر ہے یہی کہ ایسا نہ ہو بعد مرگ بھی

رہتا سخن سے نام قیامت تلک سے ذوق
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

حیم عربی

جس سے خود بخ کو تزار ہے آزار کو رنج
کہ نہ پہنچا ہو کہیں مجھ سے کسی خار کو رنج
ہے جو ناکامی فراد کا کسار کو رنج
اور ہوتا ہے سوا مرغ گز قار کو رنج
تیری اس نہر بھری آنکھ کے پیار کو رنج
یاں اگر ایک کو راحت تو ہے چار کو رنج
نہ تو خنجر کو ہے آزار نہ تلوار کو رنج
یہ نہ پوچھیں کہ ہے کیا مرغ گز قار کو رنج

ہے وہ آزار محبت سے دل زار کو رنج
دیدۂ آبلہ پاکا یہی ہے رونا
جا بجا گوہ کے چشموں سے رعاں میں آنسو
کبھی کرتی ہے قدم رنج جو گلشن سے صبا
شریت خضر بھی دے ہے روٹن تلخی مرگ
راحت و رنج زمانہ میں ہیں دونو لیکن
سخت جانی سے ہوں لاچار و مرگ نہ مجھ سے
کن فریاد نفس میں رہی خوش ہوں بیدار و

ہوش کو بیچ کے لے دار دے بیہوشی تو
ذوق بیہوش کو آرام ہے ہشیار کو رنج

خط بھیج یا نہ بھیج۔ زبان خبر تو بھیج

مرا ہوں انتظار میں کوئی بشر تو بھیج

کہ اے طبیب تو ہی کہ پھر تیرا کیا علاج

بیار عیش کا جو نہ تجھ سے ہوا علاج

حیم فارسی

اور لیوے آدمی کو چاہ میں سیاب کھینچ
جیسے تفسیدہ زیں کے ایک دم میں آب کھینچ

اُس پری کو تو نہ لے جیت دل قیاب کھینچ
یوں گلکے تشنہ میں آب خنجر ہو فرو

وہ مثل ہے ناؤ پر کسی نے ڈبوئی؟ خضر نے
ماشوق رسوا کے خط میں کیا تکلف چاہئے

لے گیا خط ذوق دل کو سوئے گرداب کھینچ
چار حرفت اک پرچہ پر دو تھیں لے انخاب کھینچ

حائے خطی

فرقت کی رات جی چکے ہم تازان صبح
پُر نور ہے ترا بیخ سیمینِ بان صبح
نارِ شطاعِ مہر بھی رنگِ شفق میں روز
اب سیکدہ میں شام کو ناقوس بھونکے
پہلے یہ دانت رات نے مج پر کر گھس گئے
زینش سفید شمع میں ہے خلعتِ فریب
گم کردہ رہ ازل سے بھٹکتے ہیں رات دن
یوں پینچاؤس کی زلف میں غافل سے جاؤں دل

ہوگی اذان گورہا رسی اذان صبح
آنکھیں ہیں تیری مست صبحی کشان صبح
نام میں ہیں مرے مژدہ خوں چکان صبح
مسجد میں مدتوں رہے تسبیح خوان صبح
انجم کے جھنڈے دانت تھے زریبِ بان صبح
اس مکر چاندنی پہ ذکر ناگھان صبح
یہ میرے نالہ شبِ داؤد و فغان صبح
منزل پہ پہنچیں ات کو جوں ہروان صبح

اے ذوق کچھ نہ پایا شبِ وصل کا مزہ
یا آج صبح ہم نہیں یا طائرانِ صبح

ٹھیری ہے آنکے آنے کی ابکل پہ جالاح
منظرِ چشم یاد ہے سب عینِ مصلحت
سیدھے ہی جاؤں کبہ کو بیتِ منم سے ہم
اُس چشمِ مست کے ہیں غرابا تہوں میں ہم
کیا جان میری جان کے درپے وہ بھٹکے
اُس بد معاملہ سے بھلا کیا معاملہ
رہتا ہے پاپنا عشق میں یوں لہے شرہ
نہ یہ یہ کیا کہا کہ نہ مل ان جنوں سے تو

اے جان برب آدمہ تیری ہے کیا صلاح
پوچھے بلا کشوں کی کسی سے بلا صلاح
گر پھیر دے نہ وہ صنم کچ اد صلاح
تقویٰ کجاؤ نہ بد کجاؤ کجا صلاح
غمرہ سے تیرے پوچھے نہ جنتِ قضا صلاح
کس بد صلاح نے مجھے دی یہ دلا صلاح
جس طرح آغشا سے کرے آشنا صلاح
دیتا ہے ایسی کوئی ہی مردِ حنہ صلاح

جس کو کہ دیکھتی ہے نکو کار و باصلاح
چشم و نگاہ مشورہ - ناز و ادا صلاح
ہے تو صلاح نیک میں کیا پوچھتا صلاح
اُس مہروش سے ملنے کی ناصح باصلاح
لوں کس سے اس کے جانے کی لکھے اصلاح

کرتی خراب اسی کو ہے تیری نگاہ دست
یا رب ہودل کی خیر کہ کچھ کرے میں آج
منظور اگر ہے قتل مرا غیر سے نہ پوچھ
غلابے آسان دزیم کے ملا نہ تو
یہ ہی مرافیق ہے - یہ ہی مرافیق

اے ذوق جانہ ہوش و غم کی صلاح پر
جو عشق دے صلاح - وہی ہے بجا صلاح

خالے مجھ

اس غزل کا باعث تخریر یہ ہوا تھا کہ خوانین لاہور میں سے نواب عبداللہ خاں ایک
امیر ولی میں رہتے تھے - پھر میرٹھ میں صدر الصدور ہو گئے تھے شعر و سخن کے
شیدا تھے - اور خود بھی اچھا کہتے تھے - استاد مرحوم کا عالم جوانی - اور شاعری بھی
جوان تھی - اکثر شعر کی نشست نواب کے اہل ہوتی تھی - استاد کی ان سے شناسائی
تھی - مگر وہ انہیں استاد مانتے تھے - شہید سی مرحوم بہ لباس فقیری ولی میں آئے -
اور مناسبت طبع نے نواب سے بھی ملایا - اپنے شعر سنائے - اور اثنائے گفتگو میں
کہا کہ بستران سخن کے نزدیک آج فن شعر میں تین شیخ ہیں - شیخ ناسخ لکھنویں -
شیخ حفیظ دکن میں - شیخ ابراہیم ذوق دہلی میں +

نواب صاحب نے کہا کہ شیخ ابراہیم ذوق کو تیسرا درجہ دینے کا کیا باعث -
شہید سی نے شیخ ناسخ کی بہت تعریف کی - اور شاخ کی غزل سنا کر کہا کہ اس غزل
پر آج کون قلم اٹھا سکتا ہے - نواب با اخلاق اس وقت توجہ ہو رہے مگر پھر
استاد کو بلایا - حال بیان کیا - اور غزل کی فرمایش کی - استاد نے کہا کیا محفل
عبث کا ہش ہے - اور انجام کاوش ہے - جب نواب نے اصرار کیا تو استاد نے

غزل کہد کر مع قصیدہ جلسہ خاص میں سنائی۔ اور خلوت میں اتنا بھی کہا کہ ان توانی کو اور ان کے مضامین کو دیکھئے جو ان سے بڑا کر کہینگا تو میں پھر دیکھونگا +
نواب نے کہا۔ ایک مشاعرہ کرتے ہیں۔ اس میں پڑھئے۔ یہ سن کر رشیدی حوم دہلی سے روانہ ہو گئے۔ نواب نے سن کر آدمی دوڑایا۔ وہ بریلی جا پہنچے تھے آدمی نے جاکر پیغام پہنچایا۔ اور ناکام پھر آیا۔ قسمت سے اس زمانہ کا ایک مستودہ میرے ہاتھ آگیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس پر نظر ثانی نہیں ہوئی۔ غیر یادگار تو ہے :-

قطروں سے پر عرق کے بنی یاسن کی شاخ
لائیگی وہ کہاں سے ادا باپکن کی شاخ
سجھا ہے اپنی شاخ نشین ہرن کی شاخ
آنکھوں کی ہم کو فر گس اروت فن کی شاخ
تاناں سیلی سینہ پہ ہے نقرن کی شاخ
حسرت کے برگ۔ الم کے ثمر ہیں جمن کی شاخ
نکمن نہیں کہ لائے ثمر کر گدن کی شاخ
سو کھے گی نخل آرزو سے کو کھن کی شاخ
ممنون باغ میں ہے نہایت رسن کی شاخ
جنباں ہو جو نسیم جمن سے سخن کی شاخ
گل خلیو فر کا لائی ہے کیونکر ہرن کی شاخ
لائے نکال کو بیس جس طبع گھن کی شاخ
ہے یہ بھی اس کے ایک شجر کر دھن کی شاخ
رکستی ہے کیا چمن میں ہوئے سخن کی شاخ
گو یا کہ اک نشیمن تراغ و زغن کی شاخ
دیکھی نہ ہے شنی گل صبح کفن کی شاخ

تھی زلف تیری نبل سخن چمن کی شاخ
اس قدر کو کیونکہ کہئے مثال چمن کی شاخ
ابر وہ اس کی خال ہے کیا زلف شوخ چشم
دکھلائی اس کے سر نہ دناں دار نے
ناٹ اس صبح کی ہے کوئی نقرن کھول
دل باغ و عشق نخل۔ کہ جس میں ہزار ہا
بے ہودہ انتفاع سے بہتے ہیں پڑ جفا
کشتی تھی چوب تیشہ مری طبع ایک دن
جب پڑا ہے باغ میں جھولا ترے لئے
چھکے ہے یوں کمر تری وقت خرام ناز
حیراں ہوں دیکھ خال کو ابرو سے یار پر
ہے جوش پارہ پارہ دل ہر خروہ یوں
مسواک نے بڑھایا ہے زناہ کا اعتبار
دینتی ہے سر پہ بلبل آتش نفس کو جا
ہے نفس تیرے کشتہ بیکیں کی دشت میں
بجز طبع استخوان سنا آکیش زیر خاک

نے برگ ہے نہ غنچہ نہ گل ہے نہ پھر
 رشیم کا پتھا اتھ میں اُس کے نہیں دلا
 چھوٹے جلائے داں سے جوشی نہر کے بھی
 تیشہ کیونکہ دوں مرثیہ خوشاں سے میں
 سیاد میں چمن سے ہوں مایوس چاہئے
 باریک میں بتاتے ہیں جس کو تری کمر
 گل خور و قن مراد ہم رو شید گئی مو
 دیوے خراش دل کو نہ کیونکہ وہ ناز میں
 دکھلائے باغ میں مستد رعنا جو اپنا تو
 موذی کو سرکشی سے میسر ہوا اعتبار
 ہوتی ہے وحشیوں پر پا زمر گنجی شکست
 شاخ نبات کو نئے تلیاں نہ نہ لگائے
 ہے فیض سے وفار کے پیری نگاہیں
 اخیہ دستگیری تیشہ نے پھل دیا
 بدخصلتوں کو کرتا ہے بالافیش فلک
 رہتے ہیں کشکش میں پس اندر گ پر جفا
 بیار چشم دلبر آ ہو نگاہ کو
 ہر صید کی کمر سی گئی ڈوٹ بس گھڑی
 تاثیر یکسی سے ہو سارا دخت خشک
 ہے سیب باغ خلد کو کیا کیا ز سرکشی
 سونا کا دھن جو ہوا خون دل سے سُرخ

ن زاری تر ہوا چشم
 ن زاری تر ہوا چشم
 ن زاری تر ہوا چشم
 ن زاری تر ہوا چشم

میں خشک طالعی سے ہوں گویا ہرن کی شاخ
 یہ یاسمن کا سانپ ہے وہ یاسمن کی شاخ
 انجن کے کام آئے اگر ہے ہرن کی شاخ
 مرجاں کی شاخ کب سے جلاساں ہمیں کی شاخ
 چوب قفس بھی ہو تو نہال چمن کی شاخ
 یا کوئی موئے قن ہے یا مجھے قن کی شاخ
 ہے آشیان بسمل گلشن وطن کی شاخ
 رکھتی ہے خار سینکڑوں نہک بدن کی شاخ
 قمری کے حق میں دار چوسر و چمن کی شاخ
 نکلے ہے طول عمر سے مار کمن کی شاخ
 دور آرزو مایوں کے لئے ہے ہرن کی شاخ
 ایسی مصاحب سے لگی اُس دہن کی شاخ
 جس شاخ میں ٹر ہے وہ ہلاک من کی شاخ
 کی قطع نخل آرزو سے کو کمن کی شاخ
 اونچی ہے آشیانہ فراغ و ذغن کی شاخ
 آخر کو زیر آوازہ کئی کر گدن کی شاخ
 شاخیں بھی گر لگائیں تو لکھ ہرن کی شاخ
 ٹوٹی کمان دلبر ناوک ننگن کی شاخ
 ڈالے جو سایہ نش پاس بے کفن کی شاخ
 جب سے شاہت لگی اس قن کی شاخ
 تیرا کمن بن گیا ہے گل خند و زن کی شاخ

تہ مارک بدن ایک قسم کا میر ہوتا ہے اُس کے دھت کو بھی مارک بدن کہتے ہیں +

کچھ ذوق اس کی مع کو جسکی شناسے ہے
سر سبز تیرے گلشن باغ سخن کی شاخ

مجر کرے ہے جھکے نہال چمن کی شاخ
تبسج ایک لے کے عقیق مین کی شاخ
پرویں کا خوش گاہ سپہر کمین کی شاخ
کرنے لگے نثار گہر یا سن کی شاخ
سجدہ میں بہر شکر جھکے نارون کی شاخ
ہم قد ہے آج ہوسن گل پرین کی شاخ
پچھلے برنگ شمع ابھی کر گدن کی شاخ
منصوع کو جھکے سن کے کٹے نشتر کی شاخ

وہ کون؟ شاہ اکبر ثانی کی جس کو روز
اس کی دُعا سے حرز پڑھے جوش غنچے سے
کر دے جو وہ نہال ٹولائے ابھی بکال
بہر تصدق آئے نذر گل کو لے صبا
پہنچائے اس کا مژدہ صحت جو بلخ میں
ہمسر ہے آج خضر ارم سیر سے شجر
مگر نی عدل اس کی اگر ہوسنم گداز
مطلع وہ پر بہار کھنڈ اس کی مع کیں

تیرے ہار فیض سے نخل کمین کی شاخ
سر سبز یوں ہے جیسے کہ سرو چمن کی شاخ

ہمسر ہو شاخ نخل ارم سے ہرن کی شاخ
گو یا کہ نکلی ہے کرم ذوالسن کی شاخ
آب مژدہ سے سبز ہو سرو چمن کی شاخ
پھیٹے گر آشیانہ مرغ چمن کی شاخ
وقت کشش کمان سپہر کمین کی شاخ
ہے شاخ صدرہ ایک خوشنار کمین کی شاخ
ٹٹے نہ چلین سے بھنی لڑک بن کی شاخ
خرطوم سے لپٹ کے بصورت سن کی شاخ
ظہار ہو وہیں زرخو سے کرن کی شاخ
خرطوم سے اکھاٹلے وہ کر گدن کی شاخ

تیرے صاحب لطف سے سیر لب ہو اگر
شاہیہ تیرا دست سخا بلخ و ہر میں
گر تیرا حفظ ہو چمن بسندہ روزگار
سحر کا سارا خاک میں مل جائے زور شور
دیکھے جو تیرا قوت بازو تو ٹوٹ جائے
تیرے عصا کو اس میں تشبیہ کیونکہ دوں
تا شیر تیرا زور ضعیفوں کو دے اگر
بلکہ کندار کے ہاتھی کو کھینچ لے
منظور گر خزانہ میں جو خنجر کو سناخ زور
ہاتھی کو تیرے چاہئے لکڑی تو دشت میں

وانتوں کو اس کے دیکھ ہلزلوں چلے سید
 لنگوں سے تیرے بڑھنے کے یکدم جبا
 ہوتیرا فیض اگر چمن آدا سے باغ دہر
 بالال ہی تیرے دل سے خوشتر اس قدر
 برساتے جبکہ نعل و گہر تیرا دست جو د
 شاداب آپ نعل میں سے ہوش گل
 یان تک ہے پاس شمع تھے عہد میں کراب
 پیدا ہو بادہ خوار کی تقدیر کے لئے
 یہ ذوق کی دعا ہے کہ تا باغ دہر میں
 تکب کہ ہو دے گردن بینا کی طرح سے

صد دیو کوہ سپر کرو البزرق کی شاخ
 شتو مازیانے مارے نہال چمن کی شاخ
 آب تبر سے بنر خوشنل کمن کی شاخ
 بامند نے ہو گرم نفساں سرگردن کی شاخ
 محتاج ابر ہو نہ نہال چمن کی شاخ
 سیراب ہو دے آج کے درہن کی شاخ
 ساغر بکشت ہو دے گل خندہ زن کی شاخ
 نخل کدو سے اک ہیں رست بن کی شاخ
 سرسبز شعر تر سے ہو نخل سخن کی شاخ
 نخل نشاط ساقی پیاں شکن کی شاخ

نخل حیات تیرا تروتازہ ہو مدام
 جوں ہوسم بہار میں نخل چمن کی شاخ

دال مہملہ

پہلے بادشاہ نے اس طرح میں غول کی تھی۔ اُن کی غزل لکھ کر بیٹھے تھے۔ دل لگ گیا
 اور چند تانے خوشامسلوؤں پر بیٹھے نظر آئے۔ فرمایا۔ ہم بھی اس طرح میں غول کہتے
 ہیں۔ دوسرے دن میں گیا تو غول سنتی :-

بینہ میں ہوگی سانس لڑی دو گھڑی کے بعد
 پھر وہ ہی آنسوؤں کی جھڑی دو گھڑی کے بعد
 کہ بیٹھنے پھر ایک گھڑی دو گھڑی کے بعد
 سب آگاہی مہی کی دھڑی دو گھڑی کے بعد
 لب تک جو پہنچی ہی نہ چھڑی دو گھڑی کے بعد

کیا آئے تم جو آئے گھڑی دو گھڑی کے بعد
 کیا روکا ہم نے گریہ کو اپنے کہ لگ گئی
 گردم کے دم وہ ہم سے ملنم ہوئے تو کیا
 اس نعل لب کے ہم نے لئے ہوئے اس قدر
 اللہ سے شمع بینہ سے ہوا بے اثر

کل اس سے ہم نے ترک ملاقات کی تو کیا
کشتار با کچھ ان سے عدو دو گھڑی تک
تھے دو گھڑی سے شیخ جی شیخ گھنار تھے
پر وہ ان کو شمع کے شب دو گھڑی رہا
تو دو گھڑی کا وعدہ نہ کر۔ دیکھ جلد آ
گو دو گھڑی کہ اس نے نہ دیکھا اور نہ کیا

پھر اس منبر کی نہ پڑی دو گھڑی کے بعد
غماز تے پھر اور جری دو گھڑی کے بعد
ساری وہ شیخ انکی جہری دو گھڑی کے بعد
پھر دیکھی اسکی خاک پڑی دو گھڑی کے بعد
آنے میں ہوگی دیر بڑی دو گھڑی کے بعد
آخر میں سے آنکھ لڑی دو گھڑی کے بعد

کیا جانے دو گھڑی وہ رہے ذوق کس طبع
پھر تو نہ پھرے پاؤ گھڑی دو گھڑی کے بعد

ایک قدیم لکھنؤ محمد بخش نام استاد مرحوم کے پاس ملازم تھا۔ بدھا بھی تھا۔ سخر بھی تھا۔
سامنے بوجھ خانہ میں سب کا انالیق بنا بیٹھا رہتا تھا۔ اور باتیں بنایا کرتا تھا۔ اور حق ہے
ہے کہ استاد مرحوم کی اور ان کے والد کی خدمتیں کرتے کرتے وہ بھی ایک تم ہو گیا تھا۔ جسکے
کاموں کو اسطرح دیتا تھا۔ میں حد شباب میں پہنچ لیا تھا۔ پھر بھی اسی طبع باتیں کیا کرتا تھا
جس طبع بچپن میں مجھے کھلاتا تھا اور ہنساتا تھا۔ استاد کا وہ عالم اب تک آنکھوں کے
سامنے ہے کہ خاموش اپنے شغل میں مصروف ہیں۔ کوئی بات اسکی بھی کان نہ پڑتی ہے
تو مسکرا دیتے ہیں کبھی خوش ہوتے تھے تو ایک دو گالیاں بھی دیدیا کرتے تھے۔ اور ٹپکتے
ٹپکتے ایک آدھول بھی لگا دیتے تھے۔ اسے پرانے استادوں کے بہت شر یا د تھے۔
استاد مرحوم کے بھی لڑکپن کے شر یا د تھے۔ جوانی میں سورج کھی پر شر پڑھا کرتا تھا۔
ایک دن میں نے اپنے مطبع میں چرپا سنا کہ رات کو فلاں بازار میں سورج کھی پر استاد
ذوق کے نوکر نے بھی شر پڑھے۔ بدھا تھا۔ پھر بھی خوب پڑھا۔ اور شر بھی خوب تھے۔
ایک بولا آخر استاد کا نوکر تھا صاحب۔ خوب کیوں نہ پڑھتا۔

میں حسب معمول شام کو استاد کے پاس گیا۔ و مرحوم سراپاں گئے تھے میں نے پوچھا۔
محمد بخش! کل سورج کھی پر شر پڑھے تھے؟ پہلے تو گھر گیا۔ پھر بڑی مشکلوں سے قبول۔

میں نے پوچھا۔ کیا کیا پڑھے تھے؟ بڑے غمزوں سے سودا کی ایک غزل سنائی۔
میں نے کہا استاد کے شعر بھی تو پڑھے تھے! کہا یہ تو اب شعر کتنا بھول گئے۔
میں نے کہا۔ کون؟ کہا۔ یہی میاں ابراہیم۔ میں نے کہا۔ بھول کیونکر گئے۔ کہا۔
پہلے اپنے کتے تھے۔ اب تو کچھ اور ہی ڈھب کے کتے ہیں۔ میں نے کہا۔ خیر
جو شعر تو نے داں پڑھے وہ سناوے۔ کہنے لگا۔ لڑکوں کے سامنے شعر نہیں
پڑھا کرتے۔ میں نے کہا اچھا ایک ہی پڑھوے۔ بڑی خوشامدوں سے مطلع پڑھا۔

اٹھنے پہ ترے چنگے ہے جھومر کا پڑا چاند
لابوسہ چرٹھے چاند کا وعدہ تھا چرٹھا چاند

اتنے میں استاد آئے میں نے یہ مطلع سنایا۔ فرمایا۔ تمہارے اٹھ کہاں سے آیا۔
میں نے کہا محمد بخش نے ابھی پڑھا ہے۔ حضرت! آج رات کو سورج کبھی پر
اس نے شعر پڑھے تھے۔ مسکرا کر بولے۔ کیوں بے گنجے فلاں فلاں تو ہمارے
شعر سورج کبھی پر پڑھا کرتا ہے۔ میں نے کہا۔ آپ کو کوئی شعر اس کا یاد ہے۔ فرمایا۔
مذقوں کی باتیں ہیں۔ اب کہاں یاد۔ پھر کہا۔ یادداشت کے بزم میں کھ لو کتاب
میں نہ لکھا۔ میں نے کہا۔ حضرت! کیوں؟ فرمایا لڑکپن کی باتیں ہیں۔ ایسے ہی
لوگوں کی فرمائش سے کمدیتے تھے۔ فرصت میں بیٹھیں گے تو اپنے رنگ میں
لے آئیگیے۔ میں نے وہی لکھ لیا +

ہے آئینہ خانہ بھی گزر گا بہرِ دینک
دم گھٹتا ہے سینہ میں دم شدتِ گرہ

ایک دن والد مرحوم کے پاس آئے۔ ترتیب دیوان کی تجویز ہونے لگی۔ ایک ان
میں سے یہ کہ ہر وہ بینہیں کچھ غزلیں جوئی چاہئیں۔ جن میں نہیں۔ ان کے لئے طرہیں
تجویز ہوں۔ روایتِ دال کے لئے یہ مصرع بھی طبع ہوا۔ ع

چنبہ داغِ دل پہ اندک سنج ہے اندک سفید

ذال مجھ

مشاعر میں ایک مشاعرہ ہوا۔ اس میں یہی طبع ہوئی تھی۔ شاگرد آئے اصلاص میں گئے
مشاعرہ کے بعد اور غزلیں بھی آئیں۔ دیکھ کر فرمایا۔ دیکھو توافیق کا پہلو نہیں بٹھا سکتے۔
زمین ماپتے چلے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا۔ ہم بھی غزل لکھ دیں بھلا یا تو رہے کریں
نشت دیتے ہیں۔ زمین ٹھنڈی ہے تو ہو۔ کلام بے اصول تو نہ ہو +

ہے مری روح کو آزاد دینی تن کا کاغذ
ہو سیاہ کو سفید ٹی کفن کا کاغذ
صفحہ آئینہ۔ تصویر چمن کا کاغذ
نام پرکس کے ہے اس قصہ کس کا کاغذ
اہل تکسیر کریں۔ پوست ہرن کا کاغذ
ایسی شادی کو ہو ایسی ہی بچپن کا کاغذ
ہے صفائی سے سنرا دار شکن کا کاغذ
سرمد چشم مر سیم بدن کا کاغذ
جیسے غربت میں شغیتان وطن کا کاغذ
کر نہ آتش میں لباس اپنے بدن کا کاغذ
مہری و سادہ مرہ سپر خ کمن کا کاغذ
اسے یوں چوسے لعل بکے دہن کا کاغذ

مردہ قتل سے اس عہد شکن کا کاغذ
گور میں پیش ہو جب دفتر تن کا کاغذ
بن گیا عکس سے اس شوخ گلستاں رُوکے
کیا کرے خانہ گینی کا کوئی دعوے ملک
لکھیں اس چشم کے وحشی کے لئے اگر توبہ
رقہ شادی شہادت کا ہو بخوں سے رنگیں
بینہ صافوں کو زمانہ کے پتہ قہر سے شکست
ورق چرخ ہو گونہ آتشوب۔ نہ ہو
یوں تخلص میں کوئی ہم تک ہے پہنچا گلبرگ
ظاہر آراء کتابوں سے ہو۔ دُور و نز سے
جلسا سازی پہ فرمان کی گواہی دے ہے
مردہ کرتا ہے نام پہ مجھے آئے ہے رشک

ذوق دلوخت دیوں کھے اپنا کیا خاک
متخل نہیں گر مٹی سخن کا۔ کاغذ

اس کا خط لاؤ کہ رکھوں میں بنا کر توبہ
کھتے ہیں پوست کا آہو کے بنا کر توبہ

حوالہ لکھتے ہو لاکر توبہ
جو تری چشم کے دیوانوں کا کرتے ہیں علاج

تم نے تنوید نشانی جو دیا تھا اپنی
اب تک جوش میں ہے خونِ شہیدِ غمِ عشق
جلتو آئی نہ پڑی یار میں اور غریب میں

لے گیا کوئی سونل وہ اڑا کر تنوید
دیکھ لو تم سب سے مرقد سے اٹھا کر تنوید
سینکڑوں خاک کٹے ہم نے جلا کر تنوید

راے مہملہ

نگہ نہیں حرف و نشیں تھا۔ دہن کی شلی سے تنگ ہو کر
نکل کے رستہ سے چشمِ قتاں کے دل میں بیٹھا خدنگ ہو کر
پھر آیا لو وہ نگارِ خونی ادھر کو سرگرم جنگ ہو کر
کہ جس کے ہاتھوں سے اڑ گئے سر ہزاروں میدھی کارنگ ہو کر
وہ چشمِ مخمور اک نظر سے۔ چبھوٹے لاکھوں جو نیستار سے
تو ہو رواں ہر رنگ جگر سے لہو۔ مئے لاد رنگ ہو کر
جو رنگ الفت سے آشنا ہیں۔ وہ گر بُرے بھی ہیں خوشا ہیں
کہ رنگ ہی سے گراں بہا ہیں۔ حقیق و یا قوت رنگ ہو کر
جو بھیں حسن بتاں کوایاں۔ انہیں رو کو کفر دیں ہے یکساں
پہنچے کعبہ میں وہ سلاں ہمیشہ چین و فرنگ ہو کر
صفایِ دل کی یہی ہے صورت۔ کہ دل میں آنے نہ دے کدورت
کہ بیٹھ جائینگے بالضرورت۔ اس آئینہ میں یہ رنگ ہو کر
غزالِ رم ویدہ بن گیا ہے۔ جو خوابِ آنکھوں میں تو بجا ہے
کہ پھاڑ کھانے کو دوڑتا ہے۔ پلنگ۔ تھوہن۔ پلنگ ہو کر
ہوئے جو کیرنگ۔ انکو زیبا۔ نہیں جہاں میں رعوت اصلا
کہ پایا گل نے ہے نام رعنا تراں چمن میں دو رنگ ہو کر

نکل کے آیا جو راہ آنکھوں کے دل میں بیٹھا خدنگ ہو کر

صداوتِ شرم و پاسداری جہاں میں ہے ذوقِ رنج و خواری
مڑے سے گزری اگر گزاری کسی نے بے نام و رنگ ہو کر

خوب سوئے رات ہم سنان ہاموں دیکھ کر
اُٹھ گئے اک آن میں جاوے دہل کے دھوئیں
دیکھ کر غیروں میں متابی پرش موش کورات
سچ کہا ہے۔ اگے کالے کے نیس جلتا چراغ
بل بے میرے ساغر سرشار و خشت کا نشا
آگیش نم کو نگانی انگلیوں پر فندقیں
جو ہے مارا پنا۔ وہ اک صبح برجستہ ہے
قتل کو کس کے پڑھائی تیغ تو نے سان پر

یاد آیا ہم کو مجھوں۔ بید مجنوں دیکھ کر
سرمد آلودہ تری چشم پرافسوں دیکھ کر
آہ کی ککڑی سے ہم نے سنے گزروں دیکھ کر
چھپ گیا مرغیے پتیرے زلف شگلوں دیکھ کر
چھپ گیا خم میں مری صورت فلاطون دیکھ کر
نوک مڑگاں پر مرے اشک جگر گون دیکھ کر
ہم جو نالاں ہیں کسی کا قد موزوں دیکھ کر
اُترا آنکھوں میں چرخوں کی مرے غوں دیکھ کر

لے گیا دل کون میرا۔ فوق کس کا نام لوں
سانے آجائے تو شاہ پرتابا دوں دیکھ کر

کہا پتنگ نے یہ۔ دار شمع پر چڑھ کر
مرے خیال پہ۔ وہ چشم فتنہ گر چڑھ کر
دکھانہ جوش و خروش اتنا زور پر چڑھ کر
شگروں کی کشاکش میں آبد ہو سوا
انہی خیر ہو مانسہ شعلہ سرکش
ہنر شناس کو دکھلا ہنر۔ کہ خوبی زر
کہیں خاک پہ نہ چڑھ جائے چاند جھومکا
ترا مکان تو ہے کیا۔ لاسکاں میں کوہ پڑیں
جو مارے نفس کو۔ اور کر لے اپنے فتنہ کو زیر

عجب مزا ہے جو مرے کسی کسے چڑھ کر
یہ خانہ جنگ بنی۔ آئی لڑنے گھر چڑھ کر
لگئے جہان میں دریا بست اُتر چڑھ کر
کہ ہوتی سان پہ ہے تیغ تیز تر چڑھ کر
پھر آیا باد کے گھوڑے پہ وہ ادھر چڑھ کر
اگر کھلے ہے تو صراف کی نظر چڑھ کر
کہ دور آکھ کھینچے ہے تیرے سر چڑھ کر
امید و دل میں ہم۔ بام عرش پر چڑھ کر
بنائے سانپ کا کوڑا ہا شیر پر چڑھ کر

ہمارے خاک پہ ہرپا ہے فوقی فتنہ حشر
سمند ناز پہ کون آیا فتنہ گر چڑھ کر

جاں بچاویں ہوئی آس نال کا بوسے کر
جیسے اُڑ جائے دہن میں کوئی گھٹا لیکر

تیرا پیار نہ سنبھلا جو سنبھال لے کر
شرط بہت نہیں مجرم ہو گز قمار عذاب
فرج کرنے کو مرے پر چھتے کیا ہو تکبیر
کھینچتی روز قیامت سے بھی ہے اکو ڈور
مجھ سا شقاق جہاں ایکٹ پاؤ گے کہیں
جبکہ دیکھا نہ ملا مجھ میں کہیں میرا پتا
رہ گیا اپنا سائنہ لے کے وہ آئینہ رو
تیرے پُرمزے نہ کئے خط کی طبع لے قاصد
میسے قدیموں ہی میں بائینگے جانی گئے کماں

چمکے ہی جھوڑے دم کو میسے کالے کر
تو نے کیا چھوڑا اگر چھوڑ گیا بدل لے کر
تم چھری پھیر بھی دو نام خدا کالے کر
تیری زلفوں کی بلا میں شب بیدار لے کر
گرچہ ڈھونڈو گئے چراغِ شمع زیبائے کر
پھر گیا نارسہ بویار خطِ آلت لے کر
تیری تصویر کو یوسف نے جو دیکھا لے کر
شکر کر چھوڑ دیا اس نے نوشت لے کر
دشت میں میرے قدم - آبلہ پا لے کر

داس یاں آئے تھے لے ذوق تو گیا لائے تھے
یاں سے تو جا شکے ہم - لاکھ تست لے کر

وہ ان چند دسل مار المام و رہار جید رباباؤ نے کئی ہزار روپے بھیج کر بلا بھیجا اور میسے
اپنی طبع مشاعرہ کا بھیجا۔ حضرت مرحوم نے زمین مذکور میں دو غزلے مکمل بھیج دیا۔ اور وہ
نہ لیا۔ میں نے ایک دن نہ جانے کا سبب پوچھا۔ فرمایا۔ پتھر اپنی ہی جگہ بھاری ہے۔
سیاں۔ وہاں جاتے۔ خدا جانے کیا ہوتا۔ اور کیا کیا نہ ہوتا۔ اپنی دلی اور حضور کا دربار
کیا تھوڑی نعمت ہے۔ خدا کا شکر کیا اور یہیں بیٹھے رہے +

کل گئے تھے تم جسے پیار چھوڑ کر
طفلِ اشک ایسا گردا مانِ فرگاں چھوڑ کر
کہو نہ کھلے تیرا اس کا دل میں پکیں چھوڑ کر
جہاں پہلے آج کسبئی کا سالن چھوڑ کر
پھر نہ اٹھا کر چہ چاکِ گریباں چھوڑ کر
جاسے بیٹھ کو کماں یہ مرغِ پرتیں چھوڑ کر

لے جھلا لینا۔ جس دن بڑا زریب الہام ہوتا ہے تو مرے سے ایک دو دن پھٹا یا جھل جاتا ہے کیا
اتھا ہو گیا سب کو صحت کی امید ہو جاتی ہے۔ پھر خوش حالت ہو کر پھر وہ پھر میں کام تام ہو جاتا ہے
اس وقت کہتے ہیں کہ صحتِ معلوم ہوئی تھی وہ سنبھالا لیا تھا +

کام یہ تیرا ہی تھا۔ رحمت ہے اے ابرکرم
جس نے ہولنت اُٹھائی زخم تیغ یار کی
صیڈل کو گیند چھوٹے چبک کھلائے ہے تو
سرد مہری کے کسی کی آگے ہی ل سرو ہے
دیکھئے کیا ہو کہے اب جان کے پیچھے پڑی
لے دل میں کے تیر کے ہمراہ سینہ سے نکل
کیوں نرم کر جائیں آہو ایسے وحشی سے نرمے
سرخ پاں دیکھ لے زاہد جو دنوں پر ترے
پیش خمیر لے کے نکلا گرد باو دو آہ
گر خدا دیوے قناعت ماہ یک ہفت کی طبع
ساغر دل چھپا آیا ہوں کموت ہفت سے

ورنہ جلتے داغ عیاں میرا دامن چھوڑ کر
کب وہ مردہاں کو ڈھنسنے ہے نکلاں چھوڑ کر
پھیلیاں دستِ خانی میں مری جاں چھوڑ کر
یاں سے ہٹ جاو چھوٹے ابر بابل چھوڑ کر
دل کو لے کا فرتی زلف پریشاں چھوڑ کر
دیکھ پتیا نکلا تو یہ ساتھ ناداں چھوڑ کر
شیر بجائیں جس کے ناموں سے نیتاں چھوڑ کر
اُٹھ کھڑا ہو ہاتھ سے تسبیح مر جاں چھوڑ کر
ہے جو سرگرم سفر تن کو مری جاں چھوڑ کر
دوڑے ساری کو کبھی آدھی انسان چھوڑ کر
چو کتا ہے کیوں جینے مست گرداں چھوڑ کر

طرز میں اپنی غزل کہ فوق لیکن اب نہ جا
عالم مضمون میں طے زلفت جانوں چھوڑ کر

جب چلا وہ مجھ کو بس خوں میں غلاں چھوڑ کر
میں مجنوں ہوں جو نکلوں کج زلفاں چھوڑ کر
پیوسے میلڑی لہو مانی جو لبائیں شوخ کے
میں ہوں گناہم جب دفتر میں نام آیا مرا
سایہ سرو چمن بھج بن ڈرتا ہے مجھے
ہو گیا طفلی ہی سے دل میں ترازو تیر عشق
دل جو برکہ وطن میں رہنے دیتا گر غلام
شوق ہے جس کو بھی طرز ناز عشاق سے
دل تو لگتے ہی لگیگا حویراں عدن سے

کیا ہی پتیا تھا میں فلکی کا دامن چھوڑ کر
سیب جنت بکٹ کھاؤں سنگ لٹلاں چھوڑ کر
کھینچے تو شکر گوت سے خون شہیداں چھوڑ کر
رہ گیا بس منشی قدرت جگہ داں چھوڑ کر
سانپ پانی میں لے سرو غلاماں چھوڑ کر
بھاگے ہیں کتبے ہم ادراقی میزاں چھوڑ کر
اعل کیوں اس رنگ کے آتہ بخشاں چھوڑ کر
دہم دیکھے ہے نہ سے دو قلیاں چھوڑ کر
باغ ہستی سے چلا ہوں اُسے پریاں چھوڑ کر

گھر سے بھی اقس نہیں اُٹکے کر چکے اسطے
 چل میں گر جھکو ہو سے رویت باو رجب
 بیٹھے میں گھر بار بھم خانہ ویراں چھوڑ کر
 روئے جاناں ہی کو دیکھوں میں تیراں چھوڑ کر

گرچہ ہے کتب کن ہیں ان دنوں قدر سخن
 کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

بندہ آزاد بھی ان دنوں حاضر خدمت ہونے لگا تھا۔ ایک دن ہومن خان صاحب اتنا دیکھے آپ
 آئے۔ اٹھائے گنگو میں کہا۔ آج کل کا کوئی شعر سنائیے۔ اتنا وئے فرمایا کہ حضور کی غزلیں کہیں
 فرصت دیتی ہیں۔ جو اپنی فکر کروں۔ جب کئی دفعہ کہا تو غزل مرقوم الذیل کا مطلع اُٹھی دنوں
 کہا تھا۔ یہی سنایا۔ وہ ہنسنے اور کہا اس پر کوئی مطلع کیا کہیگا۔ رستہ بند ہے۔

بلبل ہوں صحن باغ سے دور اور شکستہ پر
 کیا تو منہ شے نشت گم شدگی میں مجھے کہ ہے
 اُس مرغ ناتواں پہ ہے حسرت جو رہ گیا
 ساقی بطر شراب ہے تجھ بن پڑی ہوئی
 خود اُڑنے کے پہنچے نامر۔ جو ہو مرغ نامر
 کتاب شل کا قصہ کہاند تیرا تیر
 پر وازہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر
 عقلمندے مرغ سے دور اور شکستہ پر
 مرغابن کوہ مرغ سے دور اور شکستہ پر
 خم سے الگ۔ یاغ سے دور اور شکستہ پر
 اُس شوخ خوش و مرغ سے دور اور شکستہ پر
 پر ہے نشان مرغ سے دور اور شکستہ پر

اے ذوق میرے طائر دل کو کہاں فراغ
 کوسوں ہے وہ فراغ سے دور اور شکستہ پر

غزل مرقوم الذیل کے مطلع کے باب میں بعض اشخاص سے جس نے سنا کہ اس میں شاہ
 نصیر مرحوم کی اصلاح ہے اتنا مرحوم سے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا عالم شباب میں
 میں نے فقط مطلع کہا تھا۔

نرگس کے پھول کیجیے ہیں بڑے میٹل کر
 ایسا ہے یہ کہ بھیج دے آنکھیں نکال کر

یہ دفعہ مشہور ہو گیا۔ تم دیکھتے ہو کہ میں ہمیشہ اپنے کلام کو زیر نظر رکھتا ہوں۔ میں نے
 خود اُس میں اصلاح کی۔ کہنے والوں نے کہہ دیا کہ شاہ صاحب نے اصلاح کی بدل کو

سخت رنج ہوا اگر ضبط کر گیا۔ اور تدارک یہی سمجھ میں آیا کہ غزل پوری کی۔ اللہ نے
 دوا یہ دی کہ وہ اس سے بھی زیادہ مقبول خلائق ہوئی۔ پھر سب چپ چاپ ہو کر بیٹھ گئے۔

ایسا ہے یہ کہ بھیج دے آنکھیں نکال کر
 لے آئے۔ کہہ دے تیر کا نام نکال کر
 میں! اور دم چڑھو نکال۔ یہ تو خیال کر
 دکھلاوے شلخ خشک میں کوئی نکال کر
 آخر کو روح تن سے گئی انتقال کر
 آتی یار! قصہ یہ تو انضال کر
 خاک دل شکست نہ صرت لے نکال کر
 دل کیا کنارہ ہو گیا سب کو سنبھال کر
 ہر داغ پر تصور چشم غزال کر
 آ پھر کے شہر شہر میں سب کمال کر
 ملک فنا ہے۔ جا میں فراد دل نبھال کر
 رکھ دیگے ہم بھی پاؤں آنکھیں نکال کر
 بسل ذرا تڑپ کے نیک تو ملال کر

بادام دو جو بھیجے ہیں بڑے میں ڈال کر
 دل سینہ میں کہاں ہے؟ نہ تو دیکھ بھال کر
 ہوں سرو ہو چکا۔ نہ دوبارہ ملال کر
 عاشق کے غلوں سے اپنا پر تیر لال کر
 تیرے مریض نے کسی نقل مکان کئے
 شہر گ پر اپنی زندگی دھوت میں ہے لاگ
 آ کر گیا ایک جام بھی پورا نہ چاک سے
 بیکر تیرے نے جان جب ایاں پہ ڈالا ہاتھ
 سینہ ہمارا دہنی وحشت سے لے جنوں
 گر چاہتا ہے شل سے چارہ دہنہ روغ
 پوچھو چلے ہیں کوئی کبہ کواہل درو
 تصویر ان کی حضرت دل کھینچ لئے گر
 قاتل ہے کسی مزے سے نیک پاش زخم دل

دل کو رفیق عشق میں اپنا سمجھ نہ ذوق
 مل جائے گا یہ اپنی بلا ختم پر مال کر

لے نام نکالنا۔ وہی مشہور مل ہے جسے عوام اب بھی ناواں نکالنا کہتے ہیں۔ مطلب یہ چیز کوئی جاتی
 تھی کئی مل سے جو کا نام بھی صورت۔ کبھی اور ناواں معلوم کر لیا کرتے تھے۔ پھر بھی کا نڈھ کے پوندوں پر
 نام کو کر بھی پانی میں اور کبھی آئینہ میں صورت دیکھ کر۔ کبھی تیر کے ذریعے سے ہوتا تھا۔ دھیرو دھیرو۔
 تیر میں بھی یہ اضافہ ہوتا تھا۔ کہ یہی چور کے کیلئے میں لگایا۔ مطلب یہ ہے کہ اسے یار۔ دل پہن
 میں کہاں ہے دیکھ بھال ذکر۔ ناں سے آؤ دل تو تیر کا ناواں نکال کر تیرے کو تیر سے ہی
 تو پاس ہے (اسے یار)۔

استاد مرحوم بادشاہ کے سامنے اپنا شعر یا غزل پڑھتے نہ تھے طبیعت سے اکتف تھے۔ اہل دربار میں سے کوئی سنا دیتا تو جو پسند آجاتا خوشی حضور کی تھی کہ یہ ہمارے نام سے مشہور ہو۔ چنانچہ اس پر خود غزل کہتے۔ اور یہو جب معمول کے ٹوٹا پھٹا خود استاد کے پاس بھیج دینے کا اصلاح دیدیں۔ اس حالت میں استاد کو واجب تھا کہ اپنے شعار کے پہلو بجا کر ان کے شعر درست کوں۔ چنانچہ جب غزل مرتب کر کے حضور میں لے جاتے تو بادشاہ زبان سے کچھ نہ کہتے مگر کئی دن کے بعد اسی طرح میں پھر ایک اور سوز و گنج دیتے۔ ابتداء میں ۳۲ دفعہ ایسا ہوا۔ استاد سمجھ گئے آخر یہ ہو گیا کہ جب ایسا موقع ہوتا۔ تو اپنی غزل میں کن کا تخلص طویل کر بھیج دیتے۔ وہ خوش ہو جاتے تھے۔ جب بادشاہ کا سلا دیوان چھپ کر آیا۔ تو مجھے یاد ہے والد مرحوم نے غزل مرقوم الذیل دیکھ کر مجھ سے کہا۔ دیکھ یہ غزل بھی بادشاہ کو دیدی۔ لڑکپن کی ہے۔ والد کو پہلے سے ساری یاد تھی +

مزا پکھیا یا ہے کو کہن کو۔ جو عشق آیا ہے استخاں پر
 کو لایا تو جو سے شیر لیکن چھٹی کا دود آ گیا زباں پر
 خدنگ دنیا دکھایا لیکن نہ لایا شکوہ کبھی زباں پر
 کہ ہوس اس چشم سر سا کا ہے مہر گو یا مری زباں پر
 لگا کے باتوں میں ان کو لائیں جو حرفت مطلب کا کچھ زباں پر
 تو ایسی کہیں ٹھکانا جس کا گئے زمیں پر نہ آسماں پر
 تپ محبت میں سخت جانی کا یہ اثر ہے دل دیاں پر
 کہ شکل سوداں پڑ گئے ہیں ہزاروں کانٹے مری زباں پر
 آٹھائے سوز خم ہر نطریں۔ یہ خوں کلا عوسے کوئی قلعہ ہیں
 کہ شل قط گیر خط پہ خط ہیں۔ ہنوز باقی ہر استخاں پر
 خلش ہی خار خار غم کا رہا۔ تو مرقد پہ میرے سبزہ
 بقیں ہے مانند برگ خرام گئے گانٹھ لئے زباں پر

کہا یہ سو بار دل کو رو کر حریف مت ترک چشم کو کر
 سو آخرش نمکڑے نمکڑے ہو کر۔ بہا ہے خراگاہ کی ہر شاں پر
 وہ چشم اب رو تھارے زریا کر۔ قاب تو سین جن سے اونے
 یہ غال پیشانی کیوں تھارا۔ نہ فرق لے جائے فرقداں پر
 کہے ہے داغ جنوں کو چکوں۔ جو تیرے سر پر دشت داسوں
 چراغ و حشت ملے مجھوں۔ کروں میں روشن چراغداں پر
 بنا لگو لے کو برج آسا۔ قریب ناقہ کے قیس پہنچا
 پر اترے محل سے کیونکہ لیلے۔ کہ پر وہ کھلتا ہے سارباں پر

کہاں رہی مجھ میں جاں ہے باقی کہ ہے دھواں ہو کے لب پہ آتی
 جو ذوق آنسو کی بوند چلی۔ ہمارے داغ دل طپساں پر

نیں کہوں ہیں۔ تو کہے۔ جس کچھ پھری گردن پر
 وہ مصیبت نہ ہو دنیا میں کسی وطن پر
 پر لگئی اوس سی گلشن میں گل سون پر

جسٹ پوچھے کہے فتن کون مرے چتون پر
 جو تیرے دست پہ تجھیں ہے گزرتی ظالم
 تیرے دندان سی زریب کی دیکھی جو بار

آنکھوں سے یکہ اور زباں سے بیان کر
 اوتھتے جاں! ہوا ہر ہیکہ دھواں نہ کر

اے دل وہ ہتر غمزہ چناں عیان کر
 آہوں میں دو دو دل چٹکالوں تو وہ کہے

ایک غزل کے دو مطلع مجھے ایک بھول آدمی نے سنائے اور کہا کہ استاد کہے ہیں میں نے
 یاد کر لئے اور استاد سے جا کر پوچھے۔ فرمایا۔ آہو۔ لڑکپن کے ہیں بھی۔ بلکہ بچپن کے
 اب تو سنتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ کھہ لو۔ کبھی درست کر گئے۔ وہ بھی عجب دن
 تھے ہم شاہیں گئے۔ یہ غزل چڑھی۔ بڑی تعریفیں ہوئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد
 حکیم شادادہ خاں فراق۔ برہان الدین خاں زار۔ میر غالب علیخاں سید تشریف
 لائے۔ یہ بزرگ اس زمانہ میں اراکین مشاعرہ بلکہ اراکین شہر شمار ہوتے تھے۔ لوگوں

نے اُن سے کہا۔ اُنہوں نے پھر ہیں پاس بٹایا۔ دل بڑھایا۔ اور فراموش کر کے
دوبارہ غزل پڑھوائی۔ کیا لوگ تھے۔ اللہ مغفرت کرے۔

انہر شوق کو مرے باندھے توجو بال و پر	کیوں اے مرغ نامہ بر تھکے ہوئے وبال پر
صحت یار میں دیکھا ہے سو جو خال پر	کلکتے ہیں قل ہو اللہ ہم ایک چمے کی ڈال پر

ہیں ہمارے سر پافسٹن ہوا گیروں کے پر	دل گئے جن طاروں کو ہیں تیرے تیروں کے پر
اُن کو بے پر عرضِ عظم پر اڑاتے ہیں مرید	کیا غضب لائیں خدا جانے جو ہوں پر یوں کچھ پر

شرحِ بخت برگشتہ گر کروں رقم پھر کر | تیر باز گشتی ہو۔ ہاتھ میں قلم پھر کر

رکھ یا اُس نے جن میں گل جس سر پر توڑ کر | میں بھی حاضر ہوں کہا غنچے کے یوں چٹکر

بعد مرون آپکے رونے کو سن کر گور دور | جیسے ہی کہتے ہو چل صورت تری در گور دور

دل شوریدہ مے نے فنا کر | بیا باں رکھ دیا سر پر اٹھا کر

خفا تو ہو نہ وقت فوج میرے تھلانے پر | کہوں کیا لوٹتا ہوں میں تیرے بازو چٹانے پر

سین مہملہ

یہ دو غزل کہ انہیں ستودوں سے نقل ہوا ہے جن پر نظر ثانی نہیں ہوئی تھی۔

گوں ساجد ہے تیرے عاشقِ بلام کے پاس	غم چائے کے پاس چاہا وہ ہے م کے پاس
ہنگو گیا ساقی جو تاج جامِ جہاں میں جہم کے پاس	تیرا جامِ بادہ ہو۔ اور تو ہو اس پر غم کے پاس

نہ ساقی ہے کیا جو تھا جامِ جاں میں جہم کے پاس۔

خط کہاں کا غنا ہے پشت لب ولہار پر
مردمک کے پاس ہے یہ اشک غمیں کا جہوم
سوج اس آتش بھلاں کی بعد مردن جوں تنگ
کس کی قسم تھکے کہ زخم تیغ قاتل ہر نصیب
کیا نہ لے لے کے گل کہاں گرا جائے ہاتھ
زلزل سے بے وجہ خط سبز جم پہلو نہیں
واہ صیاد اجل۔ اور واہ صیت اد کی بیچ
دیکھو فیاض ازل نے کیا دیا آنکھوں کو فیض
ہے جو قسمتیں تو دریا بھی کبھی ہو جائے گا

ہیں جناب خضر آئے عیسیٰ مریم کے پاس
یاد دہرے یا قوت ہیں یہ واژ نعلیم کے پاس
آہنگی آؤ کر حسب راغ غاۃ ماتم کے پاس
بان سے بائیں نہ جائینگے مگر مریم کے پاس
یہ جو چھوٹا چپ کی انگلی میں ہے ناتم کے پاس
ہے نکلتا عشق چچاں سنبل پر خرم کے پاس
کچکے چلے سفند یار آیا کہاں رستم کے پاس
کا سہ روکت کجہریم آئے میں کن کی تم کے پاس
آنگاہ ہے اپنا قطرہ بھی کسنا یم کے پاس

اگر کے بحر و تافہ تبدیل کہ اور رک غزل
بیتھ کوئی دم تو اسے ذوق ازل کی غم کے پاس

تیر و کہاں ہے گزرت ناک نکل کے پاس
شب جان ناز رنگ گئی لب پر دہن کے پاس
یہ جو ہے غم رواں نہیں۔ دیکھو ہے رو رہا
اس آرزو میں جان ہون تیا کہ لے کے جام
انگشت شمع کیوں نہ اٹھے بہر فاختہ
میں تو اسی جھجک پہ خدا ہوں کہ کان کو
چمکے گی تا جہش ہاری لمحد میں آگ
میں بھگما کر بوسہ نہی دو! ادب سے ترس
ہنس کر کہا کہ جاتا ہے پیاسا کوئی ہے آپ

آہ و قد غمید ہے کس مستی کے پاس
پھر ٹھٹھ کے رہ گیا یہ مسافر وطن کے پاس
تیشہ سراپا نہ کہ کے سر کو کھن کے پاس
پہنچوں کبھی لب بستہ بیان شکن کے پاس
یہ ڈھیر ہے پتنگ پائے گن کے پاس
شب کیا ہٹا لیا مرے لا کر دہن کے پاس
چاک جگر میں دیکھنا چاک کفن کے پاس
لا سکتا اپنا منہ نہیں چاہ ذوق کے پاس
یا جاتا ہے کواں کسی قشہ دہن کے پاس

اے ذوق صد تھے جا چیکہ خیال کے
کیا لے گیا اڑا کے بستہ بیتن کے پاس

بہ گھاٹ ہم کی وار و نہیں تعان کے پاس

بچھیں کیا باقی ہے جو دیکھے تھے آج کے پاس

قفس میں بند ہیں ہم جیسے خانے ناقص

چمن سے بعد ہیں جیسے سین ناقص

لو کہیں کی غزل ہے۔ والدہ روم کی اس عمد کی بیاض میں لکھی تھی۔ دو شعر مجھے یاد رہ گئے۔

بشیریں کو ترے جان کئے جس چشم گس

بیشی نظروں میں پئے جانے ہے جس چشم گس

بوالہوس جیفہ دنیا سے بھرا دل نہ ترا

تو گس اور تری چشم ہو جس چشم گس

تو گس اور تری چشم ہو جس چشم گس

صاد مملہ

کہ جہاں نام ہے۔ ہوتا ہے نام میں خاص

سب اب ہیں ہی ہے نہیں اسلام میں خاص

دیکھ نکس رخ ساقی ہے اسی نام میں خاص

ساغر دل کی تو واقف نہیں کیفیت سے

ہے یہ خاصیت اسی کے لب شام میں خاص

خضر! باتیں ہیں کہ ہے چہرہ حیا جان بخش

خدیجی اُن کے ہر چ زمرہ خدام میں خاص

شیخ صاحب کے ہیں نزدیک خاصان خدا

کہ دیا تو نے لگا اس کو اسی کام میں خاص

کام دن رات کے ماشق کاترے ناکامی

یہ مرض کرتا ہے شدت انہیں قیام میں خاص

عشق کا جوش ہے جب تک جوانی کے ہیں دن

ذوق اسلمے الہی ہیں بس اسم عظم
اُس کے ہر نام میں عظمت ہے۔ نہ کا نام میں خاص

ضاد معجمہ

باتھ لیتی تھی مرے حال پہ کیا ہی مقرر

پر کرتے کو جو صیاد نے چاہی مقرر

ناخن شیر ہے خنجر دم ماہی مقرر

بحر و بریں نہیں کس کو ہوس قطع و برہ

ہے عجب طبع کی اک تیز نگاہی مقرر

مغل کترتی ہیں ہزاروں تری انگلیں کافر

آنکھے مُند میں یزداں ہے کہانی مقرر

کب زباں چلتی ہے اُس نیم میں گویوں کی

مضربوں مرا ساما ہے کتر کر پھینکا	دنگی اس ظلم کی محشر میں گواہی عرض
پاس کیا قطع تعلق میں ہو کیساں سے	قطع میں جائے درویشی کشا ہی عرض

رشتہ عمر کیا قطع سراسر لئے فوق
کھوئی شمع کے دل کی نہ سیاہی مقرر

اس غزل میں ایک شعر اور بھی کما تھا :-

آؤتے پر نہ سے ہیں جگر کے بھی پڑتا ہوں جواب	ہوتا حق میں ہے سرے طبع آہی مقرر
--	---------------------------------

اسے میں نے ٹھکرتاں کیا - فرمایا کیا سوچتے ہو؟ میری ابتدائی - کچھ نہ بولا فرمایا۔
آہی ہنر واری بڑا شاعر ہوا ہے - پھر آپ ہی کہا - کاٹ دو - شاید اور لوگ بھی
نہ سمجھیں - ہم تو سب ہی کے لئے کہتے ہیں +

عین مہمل

ذوق کیونکر ہوا پس دیوان جمع	کہ نہیں خاطر پریشاں جمع
-----------------------------	-------------------------

تقاف

پھر کراہہ کراہہ بھی نہ اپنا گیا تعلق	لفظ تعلق کی طرح سے یوں ہی رہا تعلق
--------------------------------------	------------------------------------

کاف

جو کھل کر ان کی زلفیں آں سر سے پائیں	بلائیں آگے یوں سو سولائیں سر سے پائیں
بہا کی چال سے پہچان بیگنے ان کو برقع میں	ہزار اپنے کو وہ چم چپائیں سر سے پائیں
یہ جتنے مسرو ہیں - سب انکے قدر پر نہ رکھتے ہیں	چمن میں سبز کیونکر ہو نہ چائیں سر سے پائیں
مرا دل کیج - دور غم غمیش ادا کی گدا کیوں	کہ میں اں تدا دہیں ہی ان سر سے پائیں
سراپا شوق جا میں سر کے بل چمن کے طلب میں	شابل شمع وہ ہم کو جلا میں سر سے پائیں

پھین چلن سے درپردہ دکائیں سحرانگ
کس کو درد کا پست لائیں سحرانگ
نہیں حاجت کو وہ پانی بھائیں سحرانگ

نہ ہوں بے پردہ۔ تو بھی کھڑے ہو کے شوقی سے
بنایا اس لئے اس خاک کے پتلے کو تھا اس
سراپا پاک میں دھوئے جنوں نے اتھو دینا

مرا آٹھابی ذوق افزوں۔ تجھے زخم افزوں
نہ کہیں ہندو خن عشق کما میں سر سے پاؤں

پہرا چھلتا ہی رہا اپنا کیہ دور تک

پھر تو آئے خیر سے ہم جا کے اس مغرور تک

دل کے دھڑکن میں سو بھی ہے بھلا کس ایک

صغیر دہر پہ کیدل نہ ہوا ایک سے ایک

گاف

پُرانی غزل ہے۔ - شعر تھے۔ دو یا درہ گئے۔ وہی لکھ دیتا ہوں :-

یہں جیاں میں چن سے میں شلخ و گل و برگ
لکھے گویا قلم سے میں شلخ و گل و برگ

بہی تو دھن ابرو سے میں شلخ و گل و برگ
بہی اور وہ دھن خندہ زن اور تارک لب

لام

بلا سے گر ہو نوالہ دیان مار میں دل
نہ ایسا ہو کسی دشمن کے بھی کٹا ہیں دل
برنگ شعلہ کہیں۔ آہ شعلہ ہا میں دل
اگر نہیں کسی مہوش کے انتظار میں دل
پردہ سے زلف سلسل کی تار تار میں دل
کو میرا دشمن جاں ہے عری کٹا میں دل
کو قیل سے کہ جا سے نہ مارا میں دل

پھنسنے نہ ملے گی سوسے تباہا میں دل
بھل میں جیسا مارا دل بھل کا دشمن ہے
بھل نہ جائے دم اضطراب سینہ سے
ہمیشہ روزن سینہ سے کیوں ہے چشم براہ
ترا سنگار بھی ہے وہ بلا کہ جاے گھر
خدا بچائے مجھے اس بھل کے دشمن سے
بغیر مارے نہ چوڑی دل کو کا فر زلف

اگر نہ جبر کروں اختیار اسے ناصح
اور بھیگا مثل شرارت کوئی ہو کے سنگ مزار
بزرگ غنچہ پیکان و غنچہ تصویر
فلک کے رنگ سے ظاہر ہوا تھی آثار
برنگ بیضہ نور و زور - توڑے دل میں نے
ہزار دشمن جاں سے ہے ایک دست بُرا
نہوئیں خلدیں عریں نور ہتا خلدیں کون؟
یہ جسم زار ہے یا میرے پرہیز میں تیار

نورانی کی انداز نگاہ

تو کیا کروں کہ نہیں میرے اختیار میں دل
رہا اگر تیرے ہیں گرم شمشیر میں دل
ہوا شگفتہ نہ اپنا کسی بہار میں دل
غرض اپنا کیونکہ ہوس نگیں حصار میں دل
ہزاروں - ایک ہمارا ہے کس قضا میں دل
جہ و چہو کون ہے وہ؟ میں کس خاں میں دل
لگے ہے محبت خوبان گلستانہ میں دل
گرہ ہے تاریں؟ یا میرے جسم زار میں دل

آٹھابھی لائے اگر ہنسیں مجھے اے ذوق
رہ گیا میرے عرش میرا کسے یار میں دل

ازل سے تو دل عاشق ہے نور کی قندیل
سمجھو وہ دہر بنا گوشش نور کی قندیل
ہمارے کعبہ دل میں ہمیشہ روشن ہے
جہاں ہے خانہ عشرت! جیسی ہوس کا فروع
رہے ہے جوں قمر خست سدا بے نور
پڑے جو عکس ترا جام میں تو ہو روشن
عیان ہے یوں مرے روز سیاہ میں خوشیہ
سوائے دل کے ہونا بیخ باغِ خلد سے بھی

کہ جیسے عرشِ نوح اے غفور کی قندیل
خجل ہے اُختہ صبح نشور کی قندیل
کسی کے باب کمالِ ظہور کی قندیل
کہ لنگے اس میں سب پر غرور کی قندیل
سیاہ بختوں کے بالین گور کی قندیل
جباب بادہ نمبلی سے طور کی قندیل
کہ جیسے شب کو نظر آئے دور کی قندیل
کبھی پسند نہ اس رشک حور کی قندیل

لہ ظہار - ہمار نور مذہب لوگ! محبت پر اندازے لاتے تھے - ایک کنی طرح تھے تھے - ایک یہ بھی خاک
دو آدمی ۴۰ ۳۰ ۲۰ اندازے کے کر اپنی اپنی ظہار - بانہ جتے تھے - ہر ایک اپنی قندیل سے ایک ایک
انداز اپنا تھا اور رعیت سے لے کر تھے جاتے تھا - ہر کا انداز - آخر کا لڑنا - ہوس کی اور جہتی تھی - حریف
تھے نہایت سب اندازے لے لیتا تھا - اسے ظہار لانا چاہتے تھے - یہ رسم ایرانی تواریخ طہستان
سے ہو کر ہندوستان میں آئی تھی +

ہوئے ہوا میں وہ صورتِ طہور کی قندیل
کر اُن کے رکھنے کو لازم ہے صورت کی قندیل
نہ گھل ہو باد سے آواز صورت کی قندیل

آٹے سے جواہر کے ہر بھل کے پار دہل
وہ تیریں یہ مرے نالا قیامتِ ناز
نیم کیا ہے کہ روئیں غنیمتِ جانوں کے

سمجھتا قد ہے ناقص کب اس غزل کی ذوق
یہ روشن آپ نے کیوں پیش کردی قندیل

یہ غزل لڑکپن کی ہے۔ نظر ثانی نہیں ہوتی :-

زیبا پیش سر کو ہیں مرے داغ جنوں گل
چاہے ہے جنوں بوؤں سدا غار جنوں گل
بچکے ہیں مری خاک سے آشتہ جنوں گل
کیا دشتِ نوردی میں کتر کتبے جنوں گل
سوا بارنگ گھٹائے آسے ٹہہ ٹہہ کے فوں گل
زاہد تو بتا شمعِ حسیم کیونکہ کردوں گل
اُس تیرے بے لیاں غنچہ بروں گل

دیوانہ ہوں ترا جھے کیا کام کر لوں گل
ہوں زیر قدمِ خار۔ پس بے داغ جنوں گل
یہ کشتہ ہوں لعلِ لبِ پاں غمزدہ کا کس کے
سو کڑے ہیں لڑی کے بزمِ گلِ سدا برگ
اُس گل میں نہ پایا اثرِ بے سبب
ہے روشنیِ خانہ دل۔ سوزِ حبت
پیشیاں تو ہے دل دوزِ سر سینہ ہے سو غار

نظر ثانی نہیں ہوتی :-

اے ذوقِ محبت میں کسی غنچہ دہن کے
گلدستے بھی ہیں مرے اُتھوں پھروں گل

خورشیدِ ہونود ہما بل بے داغ دل

آئینہِ فلک میں ہے عکسِ چسپ داغ دل

مہم

عالمِ نوجوانی کی غزل ہے۔ فرماتے تھے کہ ایک شاعرہ میں زمین و آسمانِ طبع ہوئی۔
آغازِ شباب تھا۔ ہم نے کہا کہ زمین تو گرم ہے۔ مگر تاثیرِ شہدائی ہے یہ شاعرہ نے
کہا کہ خیراب تو ہو گئی۔ ہم نے کہا۔ اچھا ہم تو دو غزلیں کدی گئے۔ مگر دیکھنا سب کیا
کیجئے۔ جب شاعرہ ہوا تو جو جلسے میں آیا نالاں آیا :-

شمع نازاں ہو اک رات بہا آنسو گرم
 اے جنوں! ہے خبر موسم گل ہر سو گرم
 آتش رشک سے آگ کل شکیں کے صبا
 ابلے سینہ دریا میں ہوئے جل کے حجاب
 اے صبا گنت گل لٹکے چمن کو پھر جا
 آتش حسن کا پتلا ہے تو اے رشک پری
 توں ناز ترا ہر قدم اے رشک فرال
 خاختہ سوز جھٹکتی ہوئی بل کے ہے خاک
 شعل افروز جنوں کون ہو جنوں کے لئے
 سرد مہری کا تری ہو جو خاک دل کشت
 تابش ناز جنم سے سوا اُس کو لگے
 سرد مہری سے رکھا اپنی خاک دل تو نے
 اپنے کشتے کی کراست کو ذرا دیکھا کر

برسوں کی آنکھ سے چپکا ہے مہرے لو ہو گرم
 دم تو لے لینے دے مجھ کو نہ کرتا تو گرم
 جل گیا نافذ میں اس درجہ ہوا لو ہو گرم
 دیدہ ترنے بہائے غیض آنسو گرم
 کیا کروں سر کو مے کرتی ہے یہ خوشو گرم
 تاب بخ تیری بھوکا ہے بلا ہے تو گرم
 کیوں نہ ہو تیر کر رکھنا ہے مزاج آہو گرم
 کھینچے ہل سے پر اب تکھنٹس کو کو گرم
 مگر نہ ہو گرجی وحشت سے دل آہو گرم
 ہو دے گلگشت کیا اُس کا دل اے گل و گرم
 ہمزہ باد سحر سے گل شبنو گرم
 گر جوشی سے کیا تو نے بت دجھو گرم
 ایک پہلو ہے اگر سرد تو اک پہلو گرم

ذوق دل میں پیچھے کلام ایسا خاک
 عاشق از سی عنزل دور کوئی چہ تو گرم

کو زمیں پشت سکت تک ہو نہ پہلو گرم
 شربت قند دیا کر کے پر آتش خو گرم
 سیخ آہن کی طبع ہو گئے بدن پر زور گرم
 نکلا یہ آتش سودا سے مرا لو ہو گرم
 اُس نے تجھ پر یہ رگڑا کر ہوا چا تو گرم
 خاک عاشق نے کھتا ہے گل خود ہو گرم
 رخ سے گرم آئندہ ہو آئینہ سے زانو گرم

دل بے آتش غم دل کو کوسے یہ تو گرم
 لطف بوسہ ذرا ہم پر ہو جب تو گرم
 تن ربا یوں ہی چپ سے اگر گرم مرا
 نیشتہ جل کے وہیں کشتہ فدا ہو گرم
 کٹ سکا صید محبت کا نہ قاتل سے گلا
 آتش دل سے پس از مرگ بزمک شعلہ
 مرد و دل بے رحمے حسن جانا ب کی تاب

کیا کہوں نامہ جانسوز کی اپنے تاثیر
سر مجروح کو ٹھکرا کے گیا وہ ۔ اور میں
وست خوشید کی ۔ دوشے سے سپر جانے جھوٹ
دل عاشق کے جلانے کا ہے سارا ساں
کو نسا سخت جاں صبح سے ہے گرم فغاں
ہم تو سنتے تھے سدا کے کل جھوٹے پانے

جل گیا ہں ۔ یہ کبوتر کا پو ا بازو گرم
چونکا آن وقت کہ جب نہ پہ ہالو ہو گرم
کیسج کرتیج کو جب ہو وہ ہالو ہو گرم
یعنی شعلہ ہے تری ۔ رنگ بھوکا ۔ رو گرم
کہ ہوا آتی ہے کچے سے ترے گلہ و گرم
ذوق ہوتا ہے وہ کیوں ہو کے تیرا ہو گرم

پابند جوں دغاں ہیں پریشانیوں میں ہم
ہوتی نہ یاد زلفت تو خطا شکستہ میں
زنجیریں بھی نالہ زنجیر کی طح
پائی نہ تیج عشق سے ہم نے کیوں پناہ
دورخ بھی جائے فخر و حل من متبید بھول
پاکو یوں کو مژدہ ہو زنداں کو ہو نوید
نہم بھی نہیں جگر پہ رہی ۔ اس قدر رہے
سطلے کے اپنے کون ہے آگاہ مجھ خدا
میں آئینہ میں صورت تصویر آئینہ
ہو وہ عزیز سوڑہ یوسف سے بھی سوا
کیا جانیں ہم زمانے کو حادث ہے یا قیہ
کیوں جی کے چہر میں ہوئے شہدہ یا وے
ہم وہیں چشم مست کے سر خوشید ہیں جو رام

یار ہیں کس کی زلف کے زندانیوں میں ہم
کھٹنے ان خطوں کی دیشانیوں میں ہم
جوش جنوں سے رہتے ہیں جلالیوں میں ہم
قرب حرم میں بھی ہیں تو قربانیوں میں ہم
لائیں جو آہ کو شہ رافشانیوں میں ہم
پھر ہیں جنوں کے سلسلہ جنبا نیوں میں ہم
سرگرم سوز عشق کی مسانیوں میں ہم
جو خطا سر نوشت ہیں پیشانیوں میں ہم
آئینہ رو کے سامنے حیرانیوں میں ہم
سکھ دیں تری شبیب جو کفنا نیوں میں ہم
کچھ جو بلا سے اپنی کہ ہیں غانیوں میں ہم
اب مر رہے ہیں اس کی پشیمانیوں میں ہم
شراب الیہ کو کہتے ہیں خضانیوں میں ہم

لہ شرب الیہ وہ بودی رنگ کی بزرگ ہیں سے ان کی حالت میں کس کی ہیں ہوں کو زور دیتے ہیں ۔ لہذا علی صلی
خواہ میا مجھ کو اس سلاطین کے ماتحت ہوں کو خدائی نہیں کا کر کرتے ۔ بھائیوں سے زیادہ ترہ بھرتے
ہیں ۔ شراب بھی کہ پیتے ہیں اور چپ کر چھو ہیں ۔ دل ایران لے کر اس واسطہ سے کہ وہی نہیں کہتی
اور چھو ہیں ۔ سحر کا سطلے ہے کہ ہم شراب نہیں پیتے چشم سنگ کی یاد میں اور یہ سحر کو رکھتے ہیں
گوں باری بھواری بودیوں کی سحر بخواری ہے +

ہند واسیر دیکھیں ہیں قوراہیوں میں ہم
سحر و زخم دل کی گسٹاہیوں میں ہم
کیا کیا آڑائیں خاک پر افشانیوں میں ہم
اپنے سیاہ و نارسہ کی طولانیوں میں ہم

اُس خالِ بُخ پہ جمع ہونے قطرہ عرق
سینہ کا پاک پسنے کی فرصت کہاں کریں
جیم کہ درختِ دل صیبتِ ادگر نہ ہو
دکھلائیں روزِ حشر کو مینِ السطرسے

جا سکتے صحتِ نہیں کو چمیں اسکے ذوق
بہائیں کاشش گر یہ کی طغیانوں میں ہم

نون

جامِ شراب دیدہ و پر فرم سے کم نہیں
ہو جامِ مہس کے تھوہینِ جسمِ کم نہیں
کچھ دستِ شازہ پنجوہِ مہ سے کم نہیں
اپنے خزاںِ مبارک کے موسم سے کم نہیں
دل کی تپش کچھ اب بھی تپِ غم سے کم نہیں
صحرا میں تیزِ زلفِ ضیفِ غم سے کم نہیں
درجہ کی شکلِ صورتِ درجہ سے کم نہیں
جو غم بنے ہے قالبِ آدم سے کم نہیں
لیکن رقیب ہو تو جہنم سے کم نہیں
تیزابِ مہ سے زخمِ پیرِ مہ سے کم نہیں
مجھکو تو جلوہ گل و شبنم سے کم نہیں

جے بارِ روزِ عیدِ شبِ غم سے کم نہیں
دیتا ہے وہ برجِ کسے فرصتِ نشاط
اُس زلفِ قندِ نا کے تھے اُسے سیجِ دم
زیبا ہے روئے زرد و پُکھا خاکِ لاراگوں
سُعت ہے نبض کی رگِ رنگِ مزارِ مہ
وِشتی کو تیری چشم کی حُکاںِ عینِ سدا
ہوتی ہے جمعِ نور سے پریشانیِ آخرِ ش
ساقِ لے ہزارِ غلاطوں ہیں خاکِ مہ
اُسِ جروش کا گھر مجھے جنت سے سوا
شورِ اِیمِ سرِ شک میں ڈوبا ہوا ہے دل
انہوں سے تیرے پارِ الماسِ غمِ دل

اے ذوقِ کس کو چشمِ حُما سے کچھ
سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں

ابھی چھاتی مری تیروں کے چمنی خوب نہیں

اُن تاملِ دمِ ناوکِ فگنی خوب نہیں

تشو و شب بخت کے لئے اس لئے
گل پریشاں ہوا ہنس ہنس کے چمن میں آخر
خوبیاں یوں تو ہیں کس عالم تصویر میں سب
چشم کنتی ہے تری جنبش کو گمان کہ دیکھ
یہ نہیں شیشہ سے۔ ہے کسی بخور کا دل
تاب و دعاں نہ دکھا بزم میں تو ہنس ہنس کر
بات تو ہم نے بنائی تھی دہاں خوب۔ مگر
نعلش خار کا کھٹکا ہے بفل میں موجود
آئے ہی جائیگا اس دل نے حوالا کئے ساتھ

کوئی دنیا میں عتیق یعنی خوب نہیں
دیکھ لے غنچہ ریاں خندہ زنی خوب نہیں
اک مگر نانہ سے یہ کم سخی خوب نہیں
سر پہ بیار کے یہ سینہ زنی خوب نہیں
معتب دیکھ۔ ذکر و لشکنی خوب نہیں
کوئی کسا جائے جو سیرے کی کٹی خوب نہیں
تھی جو بگڑی ہوئی قسمت۔ تو ہی خوب نہیں
دیکھ گل دعوے نازک بدلی خوب نہیں
جب تلک جلنے کا یہ سوتنی خوب نہیں

کون آتش نفس لے ذوق چمن سے گزرا
آج جو سنو نسیم چمنی خوب نہیں

شاعر میں مرزا خدا بخش ایک سحرز شاہزادہ نے قلم میں شاعرہ شروع کیا جسکو
بسی غزل کا وعدہ لیا ساتھ شاعرہ میں نہ جاتے تھے۔ ان سے بھی بیت کہا اور قرار لیا
مطلب یہ تھا کہ آئینکے تو سینکڑوں آدمی سننے کو آئینکے۔ شاعرہ کو رونق ہو جائیگی شاہزادہ
نکرو جو غزل کے شاگرد تھے مگر استاد کو مانتے تھے۔ غرض کہ شاعرہ میں گئے۔
غالب مرحوم۔ مولوی امام بخش صاحب صہبائی۔ وغیرہ وغیرہ اچھے اچھے اشخاص
آئے۔ حضور بالا بالا تشریف لائے۔ اور پس پردہ بیٹھے +

یکدم احسن احمد خاں طبیب خاص بڑے فاضل سخن تھے۔ اور سخن شناس تھے۔
انہوں نے استاد سے کہا۔ کیوں حضرت شاعرہ شروع ہو؟ استاد نے کہا۔ بے شک چنانچہ
ہر جہاں شاعرہ پہلے شمع شاعرہ وسط مجلس میں کھی گئی۔ ایک خاص خاص حضور کا شمع
کے پاس با ادب بیٹھا اور حضور کی غزل سنائی۔ (اکثر شاعروں میں یہ غزل اظہارِ سبیل
مرعوم پڑھا کرتے تھے) +

استاد جب حضور کی غزل شاعرہ کے لئے کہتے تھے تو اپنی غزل میں طبع میں نہ کہتے تھے۔ اور کبھی کبھی بھی پڑتی۔ تو اپنی غزل کے ایسے شعر پڑھتے کہ حضور کی غزل بھی نہ پڑ جائے اب بھی دیکھی تھی۔ خلع سامنے آئی تو کہا۔ مجھے تو فرصت نہیں ہوئی۔ کیا کوسں غالب مرحوم مولوی امام بخش صاحب اور اور اشخاص نے فرمایش کی کہ کوئی غیر طبع کی غزل ہی پڑھئے۔ سب نے بہت کہا تو میں ایک بیاض لیتا گیا تھا۔ وہ لیکر غزل مرقوتہ الذیل پڑھی تعریفوں کا غل تھا کہ دوسرا سرخ سنائی نہ دیتا تھا۔ درد دیا رہا ہل رہے تھے۔ رع

ہستاد دو فریق حسد کے عدد سے ہیں

حضور کی غزل جو اس شاعرہ میں پڑھی گئی تھی۔ ایک شعراؤں کا مجھے بات کہ نہیں بھولا اور نہ بھولیگا۔

شاہوں کے مقبروں سے لگ دفن کیجیو ہم جیکوں کو گور خسریاں پسند ہے

دلی میں تو پست خانہ ان زیر زمیں آباد ہے۔ سکندرہ میں اکبر۔ آگرہ میں شاہجہاں! درگاہ میں مالگیر اس غریب کو کوئی جگہ پسند نہ ہوئی۔ پسند کہاں؟ رنگن۔ جل شانہ جل جلالہ

ہستاد دو فریق حسد کے عدد سے ہیں	اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں
مروار ہیں وہ طائر سدرہ ہی کیون ہوں	تیر نگاہ یار کی جو دور زد سے ہیں
خورشید وار دیکھتے ہیں ب کو ایک آنکھ	روشن ضمیر ملتے ہر اک نیک بد سے ہیں
وہ مست ہیں کہ رکھتے قہقہ کش تمینا	بنیاد میکہ و مری خشت لحد سے ہیں
جانا دکان عشق سے پوچھو فن کی اہ	اس میں جناب خضر ابھی نابلد سے ہیں

شہ غزل مذکور بادشاہ کے کسی دو ان میں نہیں تھی گئی۔ مذکورہ بالا شعراؤں کا جب مجھے یاد آتا ہے تو دردِ عبرت سے ہونٹ پر ٹپکے۔ دیکھو! خانہ برباد کا واقعہ بھی اسی پسند ہوا۔ کابل میں ہمایاں۔ بابر داد کا مقبرہ موجود تھا۔ وکن میں ہمایاں تھا تو درگاہ آباد میں مالگیر کا مقبرہ تھا۔ اکبر آباد میں دارالسلطنت تھا۔ وہاں مزار شاہجہاں کا مقبرہ تھا۔ سکندرہ پاس تھا وہاں خزانہ اکبر کے دامن میں سوتا۔ لاہور میں آج تک جنگگیر کی غراب گاہ حاضر تھی۔ مرا تو کہاں؟ رنگن ہیں۔ خدا مقرر ہے کہ اسلحہ مرحوم نے کیا غلبہ کیا تھا۔

لاشے کو دفن کیجئے۔ میرے کہ پینک دیجئے
مردہ بدست زخمہ جو چاہئے سو کیجئے

چشمِ ثمر ہے سرو سے نُن کو جو بے وقوف
 دو گالیاں کہ ہوسر خوشی پر ہے آپ کی
 بریں خٹک لوں کے ہو گر خردِ فقیر
 وہ ایک دم کہ جس میں سینسرو جوہل یار
 جتنے منے ہیں یاں روشِ منہِ شراب
 ہر چند ناتواں ہیں مگر رکھتے دلِ قوی
 جاؤں بایوں کے نہ ظاہر لباسِ پر

رکھتے امید دوستی اُس سرو قد سے ہیں
 رکھتے فقیر کام نہیں روؤ کہ سے ہیں
 سمجھو کہ کرتے برف کی چشمتھ سے ہیں
 بہتر سمجھتے ہم اُسے عمرِ ابد سے ہیں
 ہو جاتے بے عزہ و بی بڑھ جاتے حصے ہیں
 ہم عشق کی لگ سے جنوں کی مدد سے ہیں
 عاری جہاں ہوشِ قبائے خود سے ہیں

دل کے ورق پہ ثبت ہیں صد ہر باغِ عشق
 ہم کرتے ذوقِ عشق کا دعویٰ سند سے ہیں

ہے چشمِ تیری مست قبح گیر باغِ حسن
 ہو جاتا دل ہے بیٹے کے خود گلروں ہیں گل
 تحریرِ سر ہے تری آنکھوں میں قبحِ خوب
 پان و سی و سر و منہ ہو گئے لال زار
 تنہا لب پہ گری ہو رہا ہے کہاں
 اسے شکِ باغِ طاقِ دوہرہ کا نیرے مکس

عارض پہ خط ہے طوطی تصویرِ باغِ حسن
 ناشرِ باغِ غلہ ہے ناشرِ باغِ حسن
 اسے غیرتِ چمن در و زخمیہ باغِ حسن
 مشاطہ باغباں ہے بتدبیرِ باغِ حسن
 ہے گلرخو! یہ غنچہ دلیکیرِ باغِ حسن
 دریا سے آئینہ میں ہے تمہیرِ باغِ حسن

سیرِ خزاں جو چاہے تو لے ذوقِ دیکھے
 اُس نازنین کا جلوہ تغشیرِ باغِ حسن

گھٹیں یاروں سے وہ اگلی ملاقاتوں کی سب رسیں
 پڑا جس دن سے دل میں ترے اوڑھل کے ہم ہیں میں
 کبھی ملنا - کبھی رہنا اگک مانند مڑگاں کے
 تاشاکج سرشتوں کا ہے کچھ اخلاص آپس میں
 توقع کیا ہو بیٹنے کی ترے بیارِ احسراں کی

نہ جنبشِ بغض میں جس کے۔ زگری جس کے لمس میں
 دکھائے چیرہ دستی آہ بالا دست گراپنی
 تو مارے ہاتھ دامانِ قباے چرخِ اعلیٰ میں
 جو ہے گوشِ نشیں تیرے خیال بیتِ ابرو میں
 وہ ہے بیتِ الضم میں بھی تو ہے بیتِ المقدس میں
 کرے لبِ آشنا حرفِ شکایت سے۔ کہاں یہ دم؟
 تو سے محزون بے دم میں۔ ترے نغتون جلیس ہیں
 ہوائے کوئے جاناں لے اڑے اس کو تعجب کیا
 تنِ لاغر ہیں بے جاں اس طلع۔ جس طلعِ بوخس میں
 مجھے ہو کس طلعِ قول و قسم کا اعتبار اُن کے
 ہزاروں دے چکے وہ قول لاکھوں کھا چکے قسمیں

جو مضمون ذوقِ ایوانِ دو عالم میں ہوئے موزوں
 حواسِ خمسہ ہیں افساں کے وہ بسندِ محض میں

ہم اپنے اہتوں کا ٹرگاں کٹے گئے ہیں
 تو اصل و سود وہ ب دامِ دام لیتے ہیں
 قدمِ ب آن کے وقتِ خرام لیتے ہیں
 نصیبِ بھ سے مرے انتقام لیتے ہیں
 تو پھر وہ دم بھی نہیں زیرِ دام لیتے ہیں
 جو عشق میں دل مضطر کہ تمام لیتے ہیں
 غرورِ حسن سے کس کا سلام لیتے ہیں
 جب اُن سے پوچھ اہلِ کج نام لیتے ہیں
 وہ مول ایسے ہزاروں غلام لیتے ہیں

بلائیں پنکھوں سے اُن کی دام لیتے ہیں
 ہم اُن کی زلفت سے سودا جو دام لیتے ہیں
 ترے خرام کے پتے رو ہیں جتنے تھتے ہیں
 شبِ وصال کے روزِ فراق میں کیا کیا
 تم سے اسیرِ صیاد کرتے ہیں فریاد
 جمِ آنکے زور کے قائل ہیں۔ زورِ بازو میں
 جھکائے ہے سر تسلیمِ ماہِ نو۔ پر وہ
 ترے قاتل بتاتے نہیں تجھے قاتل
 قمر کا داغ بھلا آگے کس حساب میں دیاں

ہمارے ہاتھ سے اے ذوق وقت کی نوشی
ہزار تازے سے وہ ایک جام لیتے ہیں

شمع ہے گل سوزن گم گشت اس شان میں
برسوں مسجد میں با۔ برسوں رہا تجھ میں
یا تری آنکھوں میں کیجی یا ترے دیوان میں
جوش کیفیت سے میری خاک کے پاؤں میں
خم نشیں ہیں شل فلاطون بس تمھان میں
چھو کیا ہے باغی انگریز ویرانہ میں
سبز نخل شمع ہو خاکستر پروانہ میں
ورنہ کیا کیا اہلما تے کیت ہیں ہواد میں
زلعٹاں شانے نے کھنسی دہے یا شان میں

دو دہل سے ہے تیار کی مے غمخانیں
میں کتنی غشت کس شے اس ویرانہ میں
مستی دنا آشنائی وحشت و بیگانگی
میں کیجی ہوں کر پانی ہو تو بن جائے خراب
ہوش کا دعویٰ ہے بیہوشوں کو زیرِ سماں
ہتھوں میں شکر کی گاتی پناہی سیل آب
عشق کو اے حسن اگر نشو و نما منظور ہو
برق خرم سوز ہے عالم میں نہیں تری
کس نہایت سے پہلے کھو اتحاد حسن و عشق

ایک پتھر چومنے کو شیخ جی کعبہ گئے
ذوق ہر بت قابل ہو سکے اس تجھ میں

سیر کے قابل ہے یہ پرسی کی فرصت نہیں
وہ فلاطون ہے تو اپنے قابل صحبت نہیں
پر ہیں زیرِ تلک سر منزل راحت نہیں
ہوتا وا۔ بے شور وادبلا و احسرت نہیں
مرگ کی تلخی سے شیریں نرگ کی شربت نہیں
ہشتم وہ کیا جس کو تیری دید کی حسرت نہیں
پر ترے غم سے جس مرنے کی بھی فرصت نہیں
ورنہ روتا ابرہی اپنے سہر تر بہت نہیں
اُس کے نسخہ میں دوا کے لفظ کو صحت نہیں

اس گشتانِ جاں میں کیا گل مشرت نہیں
علم جبر کا عشق۔ اور جبر کا عمل وحشت نہیں
خواہ گردش پہنے میں خواہ پھرنا ہے نکاح
بہل تیغ محبت کا لب ہر زخم دل
مٹن میں گر پانی چاؤ سے یار اپنے ہاتھ سے
دل وہ کیا جس کو نہیں تیری تنائے جلال
کتے ہیں مرا تیں گر چھٹ جائیں غم کے ہاتھ سے
ایک حسرت تو برتی ہے کبھی برسی کے دن
ہے نوشتہ میں ترے یار کے صحت کہاں؟

کوئی بھی اُس سے زیادہ کافر نہ تھیں
ایک ساعت نخل ریگِ شیشِ ساعت نہیں
روہ ذکرِ بیچہ چل قدمی مگر فرشتہ نہیں
ہوں اگر یک عرصہ میدانِ نوکچہ صحت نہیں
اور اس طاقت پہ ایسا کوئی بے طاقت نہیں

کھاکے زخمِ تیغِ قاتل جو بجالائے نہ شکر
خاک ہو کر بھی فلک کے لہجے سے ہم کو قرار
خاۃ ہستی کا اپنے صحن ہے دشتِ دم
میرٹی حشت پاؤں پھیلائے تو پھر وہ تو جہا
ایک ل اور کس قیامت سے بارِ غم اللہ سے دل

ذوق اس صورتِ نگاہ میں ہزاروں صورتیں
کوئی صورت اپنے صورتِ نگاہ کی بے صورت نہیں

ایسی ہیں عیسیٰ خواب کی باتیں
دل خانہ خراب کی باتیں
کر شراب و کباب کی باتیں
ہیں یہ چشم پر آب کی باتیں
وہ شبِ مانتاب کی باتیں
تیری یہ اضطراب کی باتیں
شن کے ناصحِ جناب کی باتیں
چھوڑ شرم و حجاب کی باتیں
کس مزے سے عتاب کی باتیں
کہ یہ ہیں بیچ و تاب کی باتیں

دقتِ پیری شباب کی باتیں
پھر مجھے لے چلا اور دیکھو!
و اعظا چھوڑ کر نصیبِ خلہ
حرم آ یا جو آبرو پہ مری
سہ جہیں! یاد میں کہ بھول گئے؟
تجھ کو رسوا کر بیٹی خوب ایدل
جاؤ ہوتا ہے اور بھی خفیاں
جام سے لے لے تو لگا اپنے
سستے ہیں اس کو چھیڑ چھیڑ کے ہم
دیکھ لے دل نہ چھیڑ قصہ زلفت

دکھ کیا جوشِ عشق میں لے ذوق
ہم سے ہوں صبر و تاب کی باتیں

ایک موقع پر دو فرقوں میں اختلاف کا رنگ بگڑا۔ استاد نے ایک فرقہ کے لوگوں کو حق بجانب دیکھ کر طرٹ ثانی کے سرگرد ہوں کو سمجھایا۔ مگر وہ اپنی جمیٹ و کارِ ملزوم کے گھمن میں تھے۔ نہ سمجھے (قلعہ میں ان نابکاروں کی کارروائیاں دیکھ کر زمانہ کے اعلیٰ ظرف

کہا کرتے تھے کہ ۱۲ ٹوپی جمع ہو گئی ہے یہنے قلم پر قیامت آئی، جب نصیحت کے
 نوٹداروں نے مزاجوں کی اصلاح نہ کی۔ ناچار استاد نے بھی سمولی ذقار سے قدم بڑھایا۔
 اور چند جملوں میں جو عطر مطلب تھا۔ بادشاہ سے عرض کیا۔ اثر بھی اس کا اتنا بڑا ہوا
 کہ حکم قلم اور زبانیں بند ہوئیں۔ چند روز میں ایسی ہوا چلی کہ ساری ٹوپیاں اڑ گئیں انہی
 دنوں میں استاد نے یہ غزل کہی تھی۔ دیکھو ہمارے بزرگ کسی طلسم کو توڑتے بھی
 تھے۔ تو اتنے ہی دائرہ میں پھلتے تھے۔ ایک وہ زمانہ تھا۔ ایک آج ہے۔
 لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

آئینہ خیال مگدہ کو توڑ دوں
 سارے طلسم دہم مگدہ کو توڑ دوں
 پر کیونکہ غیر سے بت کافر کو توڑ دوں
 گر چاک پر پھرتے توں ساغر کو توڑ دوں
 پائے رفیق دہشت رہبر کو توڑ دوں
 یاں تک مجھ کاٹن شلیخ ثرور کو توڑ دوں
 باہم راز کے شیشہ رساغر کو توڑ دوں
 کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں
 کستی ہے دست و پا سے شناور کو توڑ دوں
 میں وہ بلا ہوں شیشہ سے تھر کو توڑ دوں
 کشتی میں ہوں توبہ سے لنگر کو توڑ دوں

ہے جی میں اپنے غم کو توڑ دوں
 دنیا سے میں اگر دل مضطر کو توڑ دوں
 میں کاٹ دوں پھاڑ کو۔ تھر کو توڑ دوں
 کیا دور جام ہو۔ جو کسے سر پہ دور چنچ
 دشت جنوں میں تیں جو اٹھایا ذرا قدم
 کیا دشمنی ہے ابل کرم سے۔ کسے ہے چنچ
 ساقی لڑائیوں سے تری چاہتا ہے جی
 احسان نا خدا کے اٹھائے مری بلا
 ہر صبح بھر عشق کو یہ بل ہے۔ بل بے نذر
 تازک خیالیاں مری توڑیں عدد کا دل
 اے آشنا نہ پوچھ گرا نباری گناہ

پھر اس مژدہ کو یاد کر لے دل میں ذوق
 نشتر چھو کے میں سنشتر کو توڑ دوں

کہ جیسے جاے کوئی کشتی دُخانی میں
 کہ بونساد کی آتی ہے بندہ پانی میں

گدڑی گھر ہے یوں قدر آسانی میں
 مڑکاؤ خوب نہیں طبع کی روانی میں

د فوراشک اگر سر ہوا ج ہو اپنا
لگاتے تھمت گر یہ ہیں دل جہن کو ترے
کوں میں اپنی کہانی تو وہ یہ کہتے ہیں
نگاہ کس کی چرخا دل کو خوش کنات
کہانیاں ہیں حکایات غصہ آپ بقا
نہیں خضاب سے طلب مگر یہ ہے سفید
وہ سید سے مگر کوسہ حارے دار کے کج بین
بستروں سے کو دیکھیں عین بار دے بار
مزا ہے تیغ جنت کے زخم کھانے کا
نہیں جو صنف سے دم دل سے یہ کہے چاہ

نملک بزرگ گل نیلو فر ہو پانی میں
یہ ہیں وہی جو لگاتے ہیں آگ پانی میں
بغیر جھوٹ نہیں اور کچھ کہانی میں
گذرتی ہے مجھے دل کی نگاہانی میں
بتا کا ذکر ہے کیا اس جان فانی میں
سیاہ پوش ہوئے اتم جوانی میں
پھرے جھکتے ہوئے کوسے بگانی میں
کہ جو ہر ایسے کہاں تیغ اصفہانی میں
کوسے جو صرفہ قاتل نک نشانی میں
کہ میں نہ دے مجھے تکلیف ناتوانی میں

جواب دار ہیں میں آپ نہ نگاہی میں

ہمیشہ ہے مجھے سرمایہ بقا میں فنا

بجز نثار علی شاہ کون جانے ذوق
تروی زباں کا مزا تیری شعر خوانی میں

چپ! کہ کٹ چھڑا سا اور بان بڑی نہیں
منز کھا تا مرا دو چار گھڑی خوب نہیں
دست ترگاں سے کوئی اصل مرغی نہیں
بولہوس تجھ پہ کوئی ضرب پڑی خوب نہیں

تو گھسے غچ کر اس لہجہ دھڑی خوب نہیں
سانے سے مئے لٹا نہیں ناح جب تک
فتہ کرش ہے جہی تک کہ تری آنکھوں نے
منہ چپے تیغ غم عشق کی کیا مئے ہے ترا

نوبر ہووں سے بہت آنکھ لڑی پراسوس
تسکے ذوق کہیں اپنی لڑی خوب نہیں

سطح تر قور حاشیہ کو استاد مرحوم نے
پوچھا فرمایا سودا کے ایک مطلع سے بہت لٹا ہے
لیکن میں جانے نہ کر رہ گیا تھا

بشر کے دیکھنے والے بزرگ دیکھتے ہیں

مگر کہ جو ہری صرافت زد کو دیکھتے ہیں

دیوان سابق میں یہ مطلع چھپ گیا۔ اہل تالیف بیچاروں کو کیا خبر بے خدا منور ہو۔

سلام کرتے ہیں اُن کو جہدِ کر دیکھتے ہیں
وہ دیکھیں بزم میں پہلے کدھر کو دیکھتے ہیں
یہ لوگ کیوں مئے عیث ہنر کو دیکھتے ہیں
وہ اپنی برش تیغِ نظر کو دیکھتے ہیں
نہ خیر و شر کو نہ عیث ہنر کو دیکھتے ہیں
میں چپکا دیکھ رہا ہوں ہلکے انگوں کو
اُن آہودِ گل کو دیکھیں میری آنکھوں کو
ہے اُن کی چشم کی گردش پر گردشِ عالم
ہماری بول کی شے ویاشبِ محشر
ہوا کے گھر ٹرے پر کئی قیّش کو دیکھا تھا
پڑ گیا راتِ زلف اُس پر بھی ضرور کبھی
ہم اُن کے کونٹے پر چڑھ کر ہیں جھوٹے رعید
خدا کا بندہ ہو نہا ہر خدا کو دیکھ دُرا
اُدھر شفق میں ہے شام اور اُدھر میں دیکھو
نہ پرچہ شعلِ اسیری میں ہم غریبوں کا
وہ دن تو عید کا ہوتا ہے دن ہمارے لئے
یہ کس کو دیکھ فلک سے گرا ہے غش کھا کر
سوال جو ہر آئینہ ہے چشم پر آب
ہمار کو ہیں دکھاتے ستارہ سحری
فنا کی راہ میں پتھرِ جن کے بیٹھے ہیں
وہ خاک اڑائیگی بازارِ عشق میں آکر

اور اُن کو دیکھ دُرا وہ کدھر کو دیکھتے ہیں
بخت آج ترے ہم اثر کو دیکھتے ہیں
انہیں تو دیکھیں دُرا وہ کدھر کو دیکھتے ہیں
ہم اُن کو دیکھتے ہیں اور ہلکے کو دیکھتے ہیں
جہدِ کر کو آپ نہ ہوں ہم اُدھر کو دیکھتے ہیں
کہ چارہ گرا نہیں وہ چارہ گر کو دیکھتے ہیں
جو آب جو میں گلِ شیلو فر کو دیکھتے ہیں
جہدِ کر ہو اُن کی نظر ب اُدھر کو دیکھتے ہیں
کہ آٹھ کے صبح قیامت سحر کو دیکھتے ہیں
کہ طمطراق پر ہم کر وفسر کو دیکھتے ہیں
کہ بیچ و تاب تمہاری کر کو دیکھتے ہیں
کدھر کو چاند ہے اور ہم کدھر کو دیکھتے ہیں
کہ زمر کے بندے زمانہ میں زرد کو دیکھتے ہیں
ابھی سے وہ دم اُٹھ کر سحر کو دیکھتے ہیں
کبھی غصہ کو کبھی ہال دہر کو دیکھتے ہیں
تمہارا اُٹھ کے جو نہ ہم سحر کو دیکھتے ہیں
پڑا ز میں پر جو نورِ قمر کو دیکھتے ہیں
کہ سنہرے خاک لے کیوں ہنر کو دیکھتے ہیں
تمہارے کان میں جب ہم گھر کو دیکھتے ہیں
انہی کو دیکھ کے ہنستے شرر کو دیکھتے ہیں
کہ پہلے اُن کے سود و ضرر کو دیکھتے ہیں

جو جہدِ کر دیکھتے ہیں۔ دھڑکیں پڑتا ہوا فلک و زرد کو دیکھتے ہیں

بنا کے چٹم کئے و بنا پر وہ خال سیاہ
عرق کے قطرے نہیں دیکھتے ہیں کس کچھ پر
الٹی آگ پسینہ میں ہے کہ آفت ہے
بنا کے آئینہ میں دیکھتے جو آئینہ گر
زیادہ سر ہو جو دشمن تو ہم سمجھتے ہیں
بگلیں کو دیکھ لیں چاہیں جو نام عالم میں
خراش ناخن و حشمت سے چارہ گر میرے
اٹھائی آنسوؤں نے کہ آج ہے تسبیح
کسی کی کاوش مرگیاں سے ہر مرگیاں
جہاں کے آئینہ سے ل کا آئینہ ہے جدا
دکھا دو تم لب سیگوں پہ خندہ نکلیں

سنان ترک نظر پر سہر کو دیکھتے ہیں
ستارے صوب میں ہم دوہر کو دیکھتے ہیں
عرق کی جا پہ بھٹکتے شہر کو دیکھتے ہیں
ہنرور اپنے بھی عیب و ہنر کو دیکھتے ہیں
سڑپا خاک پہ مار دوسر کو دیکھتے ہیں
کہ سینہ کا وی میں یاں نامور کو دیکھتے ہیں
شکستہ بنیہ ز حنہ جگر کو دیکھتے ہیں
سفر ہے جاں کا جو فال سفر کو دیکھتے ہیں
چمکتا قطرہ خون جگر کو دیکھتے ہیں
اس آئینہ میں ہم آئینہ گر کو دیکھتے ہیں
کریاں تو ساغر میں شکر کو دیکھتے ہیں

عیارِ رفتِ محبت کا دیکھ سکتی پر
نگاہ کے ذوقِ کوئی پہ نہ کو دیکھتے ہیں

کسی دوست نے فرمائش کی کہ زمینِ مرغوم الیٰلٰہ کل طرح ہوتی ہے۔ آپ بھی غزل
کہئے۔ آغازِ شباب تھا اور طبیعت میں ذوق و شوق۔ غزل کہی۔ اس کا جا بجا چرچا
ہوا۔ یہاں تک کہ اکبر شاہِ جنت آرا نگاہ آن دنوں بادشاہ تھے۔ انہوں نے فرمائش
فرمائی کہ میاں ابراہیم سے کہو۔ میں خود آکر وہ غزل سنائیں۔ یہ دلچسپہ یعنی مزا پہ نظر
کے لازم خدمت تھے لیکن حضور بھی ان کے کلام کو سنتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔
ایک قصیدہ ان کی صبح میں کہہ کر شامل کر دیا۔

کرتے ہیں بادو سے اپنے آگ و دھن آبیں
ہوں بجائے صبح پیدا مار و ہزن آبیں
اگرچہ جاتے ہیں دیکھا! پاؤں آبیں

مے ملا کر ساقیانِ سامری فن آبیں
زلزلہ فنی ہوش کو و سحر گرہ پر فن آبیں
چشمہ آئینہ میں کب تر ہوا۔ پاسے نگاہ

پھر تیرے پہلِ حواسِ کئی مردوں کا نہ
 صحبتِ اہلِ سنا سے تیرا دل کیسا نہ ہوں
 اب بھی گریہ سے مجھے فرصت نہیں فتادہ وار
 طاسِ تیلیاں میں کما ہے جس نے بہرِ مرد کو
 دیکھنا آہی دو چہ نہ پڑا سکے وقتِ خواب
 میں جن کو تفسدِ دل کی بجائے لگ دیا کہ جذب
 یوں رہا میں زندگی بہرِ تشنہ دیا بہرِ یار
 سایہ سروِ چین نے کیا ڈرایا ہے مجھے
 وعدہ چلنے کا اسکے پر کھل جائے تو آئے
 خنجر ہم کھینے کو نیٹھے اکھر سے آڈے یہ لشکر

شیر سید سائیر تا ہے وقتِ فتنِ آب میں
 رنگ سے تا وہ ہو جائے چاہن آب میں
 گو کہ میں ڈوبا کھڑا ہوں تا بہرِ گون آب میں
 ڈوب رہا رو رو کے تو لے بار بہن آب میں
 برجِ آبی میں ہے رہا بہرِ روشن آب میں
 گر پڑے گزشتہ میری ناکِ دُش آب میں
 جیسے شستی کا دم ہوتا بہرِ دن آب میں
 اردو بن بن کے شبے کے شگِ گلشن آب میں
 ڈالتا ہوں بہرِ آئہ آئہ کے روغن آب میں
 برہگیا خط کتے کتے شفیق بن آب میں

ذوق تو اس بحر میں ایسے گلِ مضمون بنا
 جا بہا لگ جائے اک پہلو کو کفرِ من آب میں

پہلے تو لے ہر شے جب پر تو غفلتِ آب میں
 عکسِ زلفِ یار اور آئینہ رخسارِ یار
 توجہ دیا میں لڑا چھینٹے تو نیسیاں شرم سے
 مردم دیدہ ہیں اپنے زندہ آبِ اشک سے
 بھولتِ حکمِ کتابی پر کر آخر کب تک
 توب دیا چھٹے آکر جو لے رشکِ بہار
 لے لو اپنے دروے میں پرندہ آبیِ نقاب
 کیا ہوا کیا سبز ہے کیا گل ہے کیا بہار
 صبح کو کاشاد دیا دل کی لے دل جبر کا فیض
 شاد اکبر خسرو غازی کر آبِ تیغ سے

ہو سرا پا غفلتِ ہی ماہِ روشن آب میں
 کھینچے ہیں شام و سحر تصویرِ من آب میں
 پانی پانی ہو گیا اسے شوخِ پرفن آب میں
 مردمِ آبی ہیں ان کا ہے نشین آب میں
 ناؤ کا غڈکی جسے اے طفل کو دن آب میں
 ڈالے بہرِ بحر کربا پھر لوگِ دامن آب میں
 نیلوفر دکھلا رہا ہے اپنا جو بن آب میں
 لطف ہے ہر چہ فیضِ ربِّ المن آب میں
 لعل و گوہر ہے بہاؤ وقتِ گفتن آب میں
 رکھے حاسد کو ہمیشہ تا بگردن آب میں

جوں شہادہ پھر ہوا میں ست پازن آب میں
صورت اختر و بر معنی ہیں روشن آب میں

پڑھ کے پسند اللہ تجھ پہ آو مرینجا دلا
مطلع روشن نکلا جس سے کہ تجھ نظم میں

ڈالے جوں لوح القدس جبکہ نوسن آب میں

نور حق ہوا اہل برہاں پر بہرین آب میں

نکلتا تر کہ ہے سہارا تیرا دہن آب میں
غرق جوں فرعونیاں ہر فوج دشمن آب میں
ہے سخاوت سے تری مست قلزم آب میں
گو ہر تر سے بھر میں جوں کئے امن آب میں
مثل ابراہیم او ہم ایک سوزن آب میں
غرق ہوئے تابا نشاے بہن آب میں
قطرہ سے روشن ہو صد معنی روشن آب میں
پہلے مانند بلبل ہوں نوازن آب میں
مثل قوم نوح ہو دُک کا دھن آب میں
ہو عدو کے قتل کو نہ تو تہمتن آب میں
بہر سر بازان لشکر خود و چو شن آب میں
تیرے مخبر میں ہے کیوں آتش آپس آب میں
ہو دے جوں برق دُخشاں سائیکل آب میں
روح گویا آگئی اور رہ گئی تن آب میں
ڈالے وہ کوہِ رواں جب پناہن آب میں
او پر او پر جاے مثل ابر بہن آب میں
اور زمیں پر ہو دے تاناہی کا مسکن آب میں
اہی دولت کا ہوتیرے نشین آب میں

لے شہدایاں ثبت لے شہد خضر خرام
نام حق لیکر جو مارے تیغ راہ حق میں تو
تو شہد دریا نوال اور دل ترا موج کرم
تیرا نیسان عطا جہدم گہر باری کو سے
حکم تیرا جتو چاہے تو کم ہونے نہ پائے
تیرے حکم شریع سے جب کفر دریا برد ہو
ہو تو سے بہینہ میں جب بھر معانی موج زن
ہو ترا فیض سخن گر معنی نطق فصیح
تیرے آگے گر کریں اعدا سرھیاں بلند
تو صفت آرا ہو جو دریا میں ایک اک کرم آب
روے دریا پر بناتے ہیں بہم موج و حجاب
نور ظلمت ہوا گر دشمن ہیں پر حیلان میں
باد پاتیرا ہے یوں آتش قدم بر روے خاک
عکس ابھی دریا میں اور میں آؤ جاتا ہے یوں
تیرا فیصل کوہ پیکر بیک دریا سیر ہے
مثل پر آئے ولیکن سرعت ز قمار سے
نسر طائر نسر واقع چنچ پرتا ہوں شہا
ہو جو عاشق میں سسر پر ہوا اقبال کا

طرح مشاعرہ کی غزل ہے جس کا غرض سے میں نے نقل کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ شاعرہ کو چلتے وقت صاف کیا تھا بڑی شکل سے پڑھا گیا۔ پوری ایک رات کی نشت اس پر صرف ہوئی :-

ہے شور انیاس صریح مسلم نہیں
گر یہ ستم میں روز تو اک روز ہم نہیں
ہے زلف یار ماتہ میں میرے قلم نہیں
کس وقت زلزلہ سرد شبت عدم نہیں
پر جو نگاہ ہے رگ بیل سے کم نہیں
یہ خوں خراش دل میں تبسم سے کم نہیں
لیکن بکل بھی جائیگا ثابت قدم نہیں
وہ کو نسا ہے داغ جو گرداب غم نہیں
بہتر مرثوہ سے یار کی کوئی قسم نہیں
یہ زخم دل تبسم غم سے کم نہیں
دو رخ میں آتش آتش سنگ صنم نہیں
کب گردن خجالت محراب غم نہیں
اے بے وفا یہ تیری خدا کی قسم نہیں
گو ہر پہ اپنی آب میں غرق اور غم نہیں
آہو کی شاخ شاخ سے طوبے کے کم نہیں
گیسوے و دھبے میں بھی پیچ و غم نہیں
ڈھونڈوں کہہ صریح کو نقش قدم نہیں
اور مجھ میں مثل بازی شطرنج و غم نہیں
مگر کسی طرح تری تیغ ستم نہیں

غنا سراپا صفحہ محشر سے کم نہیں
وہ دن ہے کونسا کہ ستم پر ستم نہیں
مضمون کے بیچ و تاب سے کتاب رقم نہیں
بعد از قافیہ جوش جنوں میرا کم نہیں
گو اضطراب دل کو عیاں کرتے ہم نہیں
جوش شعلہ کی ہے محبت کا غم نہیں
آتش میں آٹا تو ہے میری طرح سپند
یہ دل مجھے ڈبو کے رہیگا کہ سینہ میں
نہر ڈل کو کا دش غم کی ہے شوق اگر
ہیں آمد بہار سے بھلائے نہیں خوں
ہم کا فران عشق کو ہے یہ بڑا عذاب
مجھ کو سیکے کب نہ ہوا سجدہ سر فرو
مشکل ہے میرے عدم محبت کا ٹوٹنا
اہل صفا کا دیکھنا نہ امن کسی نے تر
وحشی کو تیرے دشت بھی ہے عرصہ بشت
اللہ کے ضبط دل کو مری برسر مزار
اے عہد یار ہے تو زمیں پر کہ اٹھ گیا
منصوبہ مارنے کا مرے کرتے ہی حین
تو نے جو اتھ قتل سے کی بچاؤ کیا ہوا

یاں بام سے ہے سائے گریباں ہم نہیں
اے شمع و عیاں شوقِ مجھدم نہیں
گر چھینٹ بھی پڑے تو بھدوم نہیں
جب تک کہ اس پیچاشنی درد و غم نہیں
ہے چشم زخم مند یہ کہ جو چشم غم نہیں
ہے چورہ کہ جس پر کسی کا بھرم نہیں
کر سکتے آہ دست تاسف ہم نہیں
محفوظا قطع سے سب طمع حرم نہیں

ہے میکشوں کے واسطے میخانہ تختہ سب
چمکایا آتش دل پروانہ کا ہے رنگ
ہے لوٹ چپ زر سے دامن ہارا پاک
گر آب دیدہ شربت کوثر بھی ہے تو کیا
حالت ہے اب یہ زار ترسے دلفگار کی
ہاتھ آئے کس طرح سے لگم شدہ کا کج
ہاتھوں سے چرخ تفرقہ پرواز کے کبھی
سرباز عشق کے لئے دارالاماں کہاں

جاتا ہے آنکھیں بند کئے ذوق تو کہاں
یہ راہ کو سے یار ہے راہِ مجھدم نہیں

عالمِ شباب کی غزل ہے۔ یہ بھی بادشاہ کو پسند آگئی تھی (دیکھو صفحہ ۱۱۷) کشش کی
مقتناطیس بہت لگائی مگر استاد نے بھی نہیں ہی چھوڑی حکیم حسن اللہ خاں طبیب
شاہی تھے۔ اور بڑے مقرب تھے انہی کے پاس بادشاہ کی غزلیں جمع ہا کرتی تھیں
دہی دیوانِ ظفر تزیب دیتے تھے اور مرتب کر کے چھپواتے تھے مطبعِ سلطانی انہی کے
اہتمام میں تھا سخن کے جوہر شناس تھے۔ استاد کا کلام بھی شوق سے کھولتے تھے۔
انہیں یہ غزل بہت پسند تھی حضور کے سامنے انہی کی زبان سے نکل گئی تھی حکیم کلام
کی محبت سے استاد سے محبت رکھتے تھے مگر خلیفہ صاحب کے سب سے کھٹکتے تھے۔
خیال تھا کہ حضور پھر انہیں خدمتیں سپرد نہ کریں۔ ان کے سامنے حکیم صاحب کے
اختیارِ ضعیف ہو جاتے تھے۔ اسی لئے مرزا نوشہ (قالب حرم) کو حضور میں پہنچایا
تھا۔ حالانکہ استاد نے ترقی تنزلِ خلیفہ کے کسی معاملہ میں کبھی دخل ہی نہیں دیا :-

ہم سے ظاہر و پناہاں جو اس فارت گر کے جھگڑے ہیں
دل سے دل کے جھگڑے ہیں نظروں کے جھگڑے ہیں

جیتے ہی جی کیا ملک فنا میں ساتھ بشر کے جھگڑے میں
 مر کے ادھر سے جبکہ چھٹے تو جا کے ادھر کے جھگڑے میں
 کیسا سو من کیسا کافر۔ کون ہے صوفی کیسا رند
 سارے بشر ہیں بند حق کے سارے شر کے جھگڑے میں
 ایک ایک جو دستم پر اس کے سو سو دماغ دل ہیں گواہ
 ہم جو اس سے جھگڑے ہیں حق ثابت کر کے جھگڑے میں
 غم کتنا ہے دل میں ہوں میں! جلوہ جا ماں کتنا ہے میں!
 کس کو نکالوں کس کو رکھوں! یہ تو گھر کے جھگڑے ہیں
 بھر میں موتی پانی پانی۔ سل کا دل خوں بھر میں
 دیکھو! لب و دندان سے تدارے اعلیٰ گھر کے جھگڑے ہیں
 دوست کے گھر میں دشمن ہو جب شگ ہمارے سینہ پر
 دل کا ذکر سا کیا باقی۔ پھر تو سر کے جھگڑے ہیں
 حضرت دل کا دیکھنا عالم اتھ اٹھانے دنیا سے
 پاؤں پیارے بیٹھے ہیں اور سر پہ سفر کے جھگڑے ہیں

ذوق مرتب کیونکہ ہو دیاں مشکوٰۃ فرصت کس سے کہیں
 باندے گھرے میں ہم نے اپنے آپ ظفر کے جھگڑے ہیں

جن دنوں شاہ نصیر مرحوم سے سر کے ہو رہے تھے۔ منشی فیض پارسا کی شاعری کو
 جوانی کے جنون نے چمکایا۔ لکھنؤ سے آکر مشاعرہ قائم کیا۔ وہ میرے والد مرحوم کے
 شاگرد تھے۔ انہی دنوں دلی میں سرکاری مدرسہ جاری ہوا تھا۔ انہوں نے اسے
 مدرسہ کے سلسلہ میں لے لیا۔ اور انشاے اردو کی ترقی کا جزو اعظم قرار دے کر

لے منشی صاحب منصور میرے والد مرحوم کے شاگرد تھے۔ پھر دلی کالج سابق میں مدرسہ سیاق ہو گئے
 تھے۔ میں نے بھی ابتدائی حساب ان سے سیکھا تھا۔ سلسلہ مدرسہ میں میرے •

صاحب پرنسپل سے مدلی - مدرسہ اجیری دروازہ کے باہر تھا۔ رات کے ۹ بجے شہر کے دروازے بند ہو جاتے تھے۔ گندھ پکتان صاحب سے اجازت لی کہ مشاعرہ کے دن دروازہ ۲ بجے رات تک کھلا رہا کرے۔ غرض مشاعرہ مذکور اس شان و شکوہ سے اٹھا کہ پھر کوئی ایسا مشاعرہ دلی میں نہیں ہوا۔ شہر کے رؤسا اور تمام نامی شاعر اور علما موجود ہوتے تھے۔ مگر سب کی نگاہیں شاہ صاحب اور شیخ صاحب کی طرف ہوتی تھیں۔ چنانچہ ایک مشاعرہ میں شاہ صاحب نے غزل پڑھی :-

ہم بھڑک کر توڑتے مارے نفس کی تیلیاں	پر نہیں لے ہم صغیر و پائے ہں کی تیلیاں
-------------------------------------	--

دوسرے مشاعرہ کے لئے یہی طبع ہو گئی۔ استاد مرحوم نے دو غزل لکھا اس میں کچھ تکرار ہوئی۔ اس پر جوش میں آکر استاد نے فرما با کہ برس دن تک علاوہ غزل طرحی کے ایک غزل اسی زمین میں اور ہوا کرے۔ دو مشاعروں میں ایسا ہوا۔ تیسرے جلسہ میں انہوں نے غزل پڑھی تو بعض شخصوں نے کچھ کچھ چٹیں کیں۔ استاد مرحوم کے طرفدار سمجھے کہ شاہ صاحب کے اشارہ سے ہوئی ہیں۔ زیادہ تر یہ کہ شاہ وجیہ الدین منیر یعنی شاہ صاحب کے صاحبزادہ نے یہ شعر بھی پڑھا :-

گرچہ قندیل سخن کو منڈھ لیا تو کیا ہوا	وہ علاج میں ہیں ہی اگلے برس کی تیلیاں
---------------------------------------	---------------------------------------

اس پر گفتگو زیادہ ہوئی اور مشاعرہ بند ہو گیا۔ استاد کی سب غزلیں آئین میں تھیں۔ پہلے مشاعرہ کی غزل بہت خوب تھی۔ دوستوں سے آگئے ہیں۔ ایک پر کچھ شعر قصیدہ کے بھی ہیں۔ مگر سب پڑھے نہیں جاتے۔ غزل کے شعر لکھتا ہوں۔ ۶۰ برس گزرے اب تک اس مشاعرہ کی باتیں زباں بزباں یادگار چلی آتی ہیں :-

آفت جاں لکھ ہیں تن کے نفس کی تیلیاں	ورنہ ہیں یا نال پر تارِ نفس کی تیلیاں
استخوان میراں تین لاف میں خس کی تیلیاں	تیلیاں بھی وہ کہ جو ستر ہیں کی تیلیاں
خصتہ پرواز گرد و پر نفس کی تیلیاں	جا کے دیکھا آئیں جو کچھ کہی نفس کی تیلیاں
دل کے حلقوں نفس کے پیش و پس کی تیلیاں	یوں چلیں آڑ جائیں جیسے غار و خس کی تیلیاں

گر سر سیلا بھی رکھتے ہو غم کی تیلیاں
گر رگ گل ہے ہوں بلبل کے غم کی تیلیاں
ظاہرِ رنگ گل کا گلہ کیا لے باغباں
لے مندس مرغِ ساعت کا اگر کرتا ہے بند
میں ہوں دیوانہ کسی کے سبز و زہار کا
سوزِ غم سے ہیں سلگتے جسم و جانِ ناتواں
کشتہِ مژگاں کے گنبد کا ہے مرقہ اے صبا
ظاہرِ رنگِ خفا کا شوق اگر ہو اے پری
پہنچ مژگاں جو پارِ لبِ سمنہ ناز ہے
لے پلا دینا سطل یا کاسِ دُخنِ حریص
چشمِ گریاں نے اگر کی لہجہ سب باتِ خوب
شیخ کی ڈاڑھی تو حاضر ہے لگا دے ساتیا
ہے دوائی اس شجر کے واسطے از غزال
سوئے مژگاں کی رکھتے ہیں تمہے شبازِ چشم
ہے پئے مرغِ دلِ بلبلِ رنگ گل کا غم
گر ہے اے صبا نادانِ تھکوا دراز کا شوق
جو ہیں مرغِ تر و مرغِ آن کے غم کے واسطے
اُڑ کے جا پہنچے ہو اے شوقِ مینِ تنکے کی طرح
ظنِ نالہ میر سے گر کیسیں جلا دیں ابھی
شیخ کی شکر سی جو لائے سطلِ لب کے سامنے
آگے ان ناؤں کے میں غمِ غار و غمِ چمنِ تیب
کارواںِ حیرت کا تھا شبِ نکاح کا دھڑکتا

ق

پہنچے مژگاں کی مجھ بے ستر کی تیلیاں
کانٹے آنکھوں میں چھوئیں گئے غم کی تیلیاں
میں یہی رگمے گل اُسکے غم کی تیلیاں
لے ہوا میں اُن کے آواز جس کی تیلیاں
مارو پھولوں کی جگہ تم مجھ کو غم کی تیلیاں
کب کا یہ کوڑا تھا یا رب کسے نہیں کی تیلیاں
جا رنگ اس پر غمِ زہریں گل کی تیلیاں
تیرے غم کی کیریں غم کی تیلیاں
تاب کب لائیں لکھ کب فرس کی تیلیاں
اس میں کیوں لکھا ہے جادو چم کی تیلیاں
سبز ہو جائیگی سب میرے غم کی تیلیاں
گر غمِ شیش کو میں درکار غم کی تیلیاں
چنے تھکر رہ گئیں خالی سر کی تیلیاں
آشیاں لکھا سطرِ جن جن کے غم کی تیلیاں
اس سے ناز کا اور کیا ہو گئی غم کی تیلیاں
ست بنا پیل کی تاروں سے غم کی تیلیاں
چاہیں سدل کی چو میں اور غم کی تیلیاں
تغیرِ جاگئیں قاصدِ ابنِ زورِ غم کی تیلیاں
صوتِ غم بن کے آدیں جس کی تیلیاں
گل کا دونا تھا مگر شیشِ حدس کی تیلیاں
جون میں رکوش از دہِ غمِ غم کی تیلیاں
رہ گئیں بن بن کے آدیں جس کی تیلیاں

سلسلہ ابستہ کچھ عالم سنی نے فوق ورنہ نہیں تیلیاں کبے بس کی تیلیاں

اس غزل کے ہر شعر لڑکھن سے یاد تھے۔ ایک دن میں نے پوری غزل مانگی فرمایا عالم شباب تھا۔ ایک مکان ہمایہ میں کھنے لگا۔ ہم نے لے لیا۔ بعض اشخاص خارج تھے۔ انہوں نے نالٹ کر دی۔ مولوی فضل حق عدالت میں سرشتہ دار تھے۔ بڑے با اختیار تھے۔ ہماری مشاعرہ کی شناسائی تھی۔ ضرورت لے گئی۔ کہ مقدمہ کا حال سنناویں۔ خیال ہوا کہ وہ شعر کی فرمایش کر چکے۔ کچھ انہی کے رنگ میں کنا چاہئے۔ اللہ اللہ وہ زمانہ اُن کی فضیلت فلسفی کا شہرہ۔ اور ہم بھی اُن دنوں ہی کئی میں کچھ رہے تھے۔ عجب ولولہ طبیعت میں پیدا ہوا۔ وہ خود بھی شاعر تھے۔ عربی شعر کا کرتے تھے۔ اُن کا گھرا نا شاعر تھا۔ بلکہ خیر آباد کے بہت لوگ شاعر تھے۔ اردو فارسی سب کہتے تھے۔ اُن دنوں بہت لوگ دلی میں آ گئے تھے۔ مولوی فضل حق کا بھی شباب مرزا نوشہ اُن کے بڑے یار تھے۔ غرض جیسی یہ غزل لکھی تھی۔ خدا جانے اب کہاں پڑی ہوگی۔ شکوہ کہ آزاد کے لئے اللہ نے دو تین تین شعر کے ۱۹ شعر کر دئے۔

آج اُن سے مدعی کچھ مدعا کہنے کو ہیں
وصف چشم و وصف لب اس بار کا کہنے کو ہیں
ہیں ہن غفوں کے وہ کیا جانے کیا کہنے کو ہیں
کدے شبنم سے نہ بھر سیاب گل کے کان میں
دیکھے آئیے بہت۔ ہن فلک ہیں اصاف سب
وہ دم رک رک کے ہے نہ سے نکلتی زباں
اب تو رات آخر ہوئی میری طرف دیکھو ذرا
میں کچھ باتوں کے قراں آ کیا مارے ہیں تیر
میرے دل کے آبلے دیکھے تو نہ فتن ہو گئے

پر نہیں معلوم کیا کوئی لکے کیا کہنے کو ہیں
آج ہم دہیں اشارات و شفا کہنے کو ہیں
شاید اس کو دیکھ کر صلیق علی کہنے کو ہیں
بلبلیں احوال دل کچھ اے صبا کہنے کو ہیں
ہیں کہاں بل صفا اہل صفا کہنے کو ہیں
وصف سا کا کہہ چکے فوہارے یا کہنے کو ہیں
سجدوں میں لوگ اذالے کر نکالنے کو ہیں
سب دہان زخم سے مرجھانے کو ہیں
زردیوں ہی دہانے سے کمر بانے کو ہیں

دیکھ تو لے پہنچے کس عالم سے کس عالم میں ہیں
گاہ دامگیر باد و گریباں گروہ خاک
وہ جنازہ پر ہرے کس وقت آئے دیکھنا
ہے جہاں مانند خجراور ہم شل سپند
بہر چھو قاتل سے کر گیا قتل آخر کب تک
میرے سودا کا اقبال کر نہیں سکتے علاج
مٹ گئے جو ہر دفا کے اٹھ گئے سب اہل دل
ہے مسئلے دل ہی جہاں ہیں عیاں ہر شکل یار
کیا تماشا ہے کر اُنکے کان میں خطا ہے درد

ناہائے دل ہمارے نار سا کہنے کو ہیں
اب تو تیرے عاشقوں کے دست دیا کہنے کو ہیں
جبکہ اذن عام میرے اقربا کہنے کو ہیں
اب چلے جائینگے اُنکے اک صدا کہنے کو ہیں
اپنی تابین آج ہم پیش از قضا کہنے کو ہیں
یہ نئی خطی خط و مایہ نویس کہنے کو ہیں
اب دفا ہے نام کو اور باوفا کہنے کو ہیں
یوں تو آئینوں کے دل بھی با صفا کہنے کو ہیں
ہم جو آئے درد دل اپنا ذرا کہنے کو ہیں

بے سبب سو فاران گئے تیرے گم لہریں ذوق
آئے پیک مرگ پیغام قضا کہنے کو ہیں

گر ترانوہ نہیں چشم میں کیا ہے اس میں
دل کو کیا دیکھ گیا تو چیر کے کیا ہے اس میں
دن انداز ہے چاؤ ذوقن یار میں زلف
عشق کی لہنی حسرت کے جلے لے کے مرے
تو نگیں تو رنہ دل کا کہ بڑی کاوش سے
کبھی کرتا ہوں غناں اور کبھی ضبط غناں
خضر ساقی ہو تو میں جام نہ لوں۔ گر جانوں
دیکھ کے عشق میں جانِ امان و قیس و فراد
اُس جفاکش کے نام کو چڑھوں کیا قصہ
شیبہ سبز فلک سے نہ طلب کرتے بیش
جا پڑا پاؤں پہ قاتل کے تڑپ کر کشتہ

کنار فیہ نظر عین خطا ہے اس میں
اب تو قطر بھی نہیں خود کارا ہے اس میں
نہیں معلوم کہ دل کس کا گرا ہے اس میں
بے مرزہ رہتے ہیں ہم کچھ تو مزا ہے اس میں
اسم کو میں نے ترے کندہ کیا ہے اس میں
نہیں معلوم وہ خوش اس میں یا ہے اس میں
کہ نہیں علم میں ہے اب بقا ہے اس میں
اور ابھی دیکھے کس کس کی قضا ہے اس میں
جو کہ قسمت کا کھاسا کھاسا ہے اس میں
سے کہاں اس میں ہے نہ ہر اب بھلا ہے اس میں
سرد ہونے پہ بھی گرتی دفا ہے اس میں

کیا بگرے کی طرح خاک کا پتلے ذوق
اڑتا پھرتا ہے بھری جگہ ہوا سے اس میں

یہ سچ کہتے ہیں سرِ زخم بولے جاؤ اسکو کہتے ہیں
برات عاشقان بر شاخ آہوا اسکو کہتے ہیں
نگہ کے تیر کا ہونا ترازو اسکو کہتے ہیں
یہ مودی زہر کی ہے گانٹھ بچھو اسکو کہتے ہیں
کہ دار و تلخ ہی بہتر ہے۔ دار و اسکو کہتے ہیں
سطر چو گیا آفاق۔ خوشبہر اسکو کہتے ہیں
کہوں۔ دیوانہ چشم پر پرو اسکو کہتے ہیں
محبت یہ نہیں ہے زور بازو اسکو کہتے ہیں

کسے وحشت بیاں چشمِ غمگنا اسکو کہتے ہیں
سوالی بوسہ کو نالا جواب چین ابرو سے
جگر اور دل کا جتنا حوصلہ تھا۔ تل گیا سارا
بھونٹے نیشِ زن پر دم، میرے در پئے ایذا
گھارا تلخی سے کیوں ہو ہم خستہ جانوں کو
گرہ کھولی ذرا اس نے جو اپنی زلفت خشکیں کی
جو پوچھے عقلِ بیل سے۔ بتا کیا نام ہے تیر
کچھی شیریں نر دل سے۔ کو کہن نے کوہ کو کاٹا

اہلِ سوار آئی ذوق پر جب تک وہ آئے
نر پایا دم بھلنے میرا۔ قابو اس کو کہتے ہیں

ہوں اس طرح جہاں میں۔ گر گیا نیر کی
میں ہوں تمہارا سایہ۔ جہاں تم نہیں ہیں
مانند سایہ سکر قدم تک جس میں ہوں
پر اڑ کے جا پہنچا کیسے سکین میں
کچھ چین زلفت؟ کچھ شکن آستین میں
نام آسمان پر میرا ہے فریاد زمین میں

عفا کی طرح خلق سے عزت گزین ہیں
میں نہیں تم ہو کیسے! وہ کیسے ہوں میں
اُمس نہ پشتِ سجدہ سے فرشتے میں ہوں
ہوں ڈر خیال۔ نہ پریش میرے پال
گشتِ گنجِ محبت نہ جسے مجھ کو اتنے بیچ
یارِ نبی کو ٹیک کا تارا ہوں یا آسمان کا ہوں

چشم پر آگے آئینے وضو کرتے ہیں
کیوں مرے آگے جو تعریف عدد کرتے ہیں
اگر اک جاے سے ہم اس کو روک رہے ہیں

قصدِ حبِ تیری زیارت کا کبھو کرتے ہیں
کرتے انظار میں دردِ عداوت اپنی
دل کا خیال ہے۔ محبت جا ہے سو جا سے اور

نوش ہم اس میں کبھی دل کا لہو کرتے ہیں
سرکشی اتنی جو سر دلب جو کرتے ہیں

تو میں کہ نالہ سے اس کے گردوں کو مگر
قد و لہجہ کو تمہارے نہیں دیکھا شاید

ایک دن حافظ ویران اور میں استاد کے اس میٹھے تھے۔ اور بعض شعراء عصر کے
ہندی مضمونوں کے باب میں گفتگو کر رہے تھے ع

ہے کاٹنے کو دوڑتا گتا تنگ کا

میٹھا حلال کرتے ہیں دریا سے نیل کا

اور۔ ع

استاد نے سن کر فرمایا کہ ایسے مضامین کو استعارہ و تشبیہ میں اتنا زیادہ زور دینے
سے کلام بد مزہ ہو جاتا ہے بعد اس کے غزل مرقوم الذیل کے اشعار سنائے۔

پار میں بھی ہو تو جانا مردار تنگ ہوں
آہن تو آگ میں ہوں مگر لالہ رنگ ہوں
مغفل میں ٹن کی نہیں کسی چوکر تنگ ہوں
دل میرا مجھ سے تنگ ہے میں دل سے تنگ ہوں
کبھی بھی ہوں حال دان تنگ ہوں

رکتاز بسکہ جیفہ دنیا سے تنگ ہوں
ہوں وہ شکستہ دل کہ نہ دوزخ میں تنگ ہوں
میں جسے پہلے میر سناٹھانے کے فکر ہیں
دل میٹھا جو ضبط ہمارے کو اضطراب
ہر روز گزرتی نہیں۔ پر ہوں شعلہ و دست

نفس لگ تار ہے سینہ میں سبھو یا گر یاں میں
لے کھج ایک پرواز کا کیا گنج چراغاں میں
رہے آپ اسکے جب تک تیغ میں خنجر میں کیاں میں
ہمیشہ آب پکیاں ہے شبنم سر گشتاں میں
نہ پیتا آب حیاں۔ ڈوب مرنے آب حیاں میں

جنوں نے کچھ نہ چھوڑا آخر اپنے جیب داماں میں
کساں حوٹے کوئی لہجہ جو دم داغ نواں میں
نہ بھولے گی کبھی ہوم شکایت تشنگامی کی
تمہارے تیر ہیں شاداب کرتے دل کئے زخموں کے
جو لذت آٹھائے مرگ ہونا خضر تو وہ بھی

ہوا کیوں یا نہ سنتے بادل یوں یا دہرے اوپر ہیں
دھاک مٹتے نہیں دیتے آٹا اوپر سے اوپر ہیں

مرے نالہ کیوں اس گنبد بنار سے اوپر ہیں
گزر جاتے ہائے نالہ آنکھ سے اوپر ہیں

کھٹکتے ہمارے دل میں نشر سے اوپر ہیں
ابھی طاقت کرے یاری تو اذکر فر سے اوپر ہیں

عجب عالم ہے بادل کا کہ کتنے گل اشارہ پر
ہیں دیوانہ گلشن ہم پٹے ہیں ناتوانی سے

اور ہم تمہیں پہ مرتے ہیں ہم ایسے شخص میں
کب کرتے قصہ دہر و حرم ایسے شخص میں
جمنوں بھی لیگا آکے قدم ایسے شخص میں
زاہد یہ ثبت خدا کی قسم ایسے شخص میں

تم وہ غضب ہوتے بھی کم ایسے شخص میں
صاحب دلوں کے کبڈ دل پر کیا مقام
دیوانے تیرے دشت میں کیسے جب قدم
دیں کیا ہے بلکہ دیجئے ایمان بھی انہیں

چاروں شعر مرقوم الذیل لڑکپن کا کلام ہیں۔ وہ ایسا زمانہ تھا کہ بچاں کا لفظ بے طاقت
محاورہ میں عام تھا۔ تیر و سودا کے دیکھنے والے موجود تھے۔ دلی کی زبان یہی تھی۔
اسی محاورہ میں انہوں نے شعر کہا۔ جلی کی سواری اور فرنگی زاد کا مضمون اس وقت نیا
معلوم ہوتا تھا۔ فرمایا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ کوئی فرنگی دلی میں نظر آتا تو ایک عجیب
صفت الٹی سمجھ کر ہم باہم دکھایا کرتے تھے۔ کہ دیکھو وہ فرنگی جاتا ہے۔ زمانہ کا
مزاج اور اس کی طبیعت کا ایک عالم ہے کہ بدلتا چلا جاتا ہے۔ جو لفظ آج ساعت
کو ناگوار ہے۔ اس وقت خوشگوار تھا۔ درد آسان ہے۔ کہہ دیتے۔ مصرع

ہیں صنف محو خود نمائی میں

تیر ہے پر خودی خدائی میں
بات کو ڈالنا کھٹائی میں؟
ماہ ہے سنبل ہوائی میں

ہیں بیاں محو خود نمائی میں
ہو کے اک بوسہ پر ترش ابرو
نہیں جلی میں وہ منہ لگی زاد

ذوق ہے ایک زند شاہ باز
اس کو کیا دخل پار سائی میں

واں ایک فاشی تری سب کے جواب میں
کیا جانے کھد یا نہیں کیا اضطراب میں

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
خط و کج کردہ آئے بست پیچ و تاب میں

بے بادہ غورگی میں ہوا ذوق جوں موز
کی تو بے وقوف نے ناحق شباب میں

نے رنگ کھٹکے۔ نہ تراغذوق پاہل
بھنوں نے مجھے سمجھا چلی غور مقصود
میں کچھ نہیں لیکن ترے قد حوس لگا ہوں
میں ناتوازی کی کاسرخی کھٹ پاہوں
وہ مروتیں تاب۔ وہ گوہر ہے نہیں آب
مجھ سے نہ جدا وہ ہے نہیں اس کے جواہوں

کھائے پیے یہ ترے ناوک شریکان دل میں
گم رہی کریمجا ہمارے غم بھروس دل میں
اتنے مومن نہیں جتنے ہیں پیکان دل میں
ہم نے جانا تھا کوئی دن ہے پیکان دل میں
خافا وہیں بھی ہی ہے جو غریبات میں ہے
فرق پر ہے یہاں ہے اور وہاں دل میں

تیرے آفت زدہ جن شتوں میں اڑ جاتے ہیں
اتنے بگڑے ہیں بھر سے کہ اگر نام اُن کا
صبر طاعت کئے اُن پاؤں اکڑ جاتے ہیں
خط میں کھٹتا ہر ترقی سجت بگڑ جاتے ہیں
کیوں اڑو اُن میں نہیں غیر کرتے ہیں یہی
ہنٹیں جن کے نصیبے کیوں اڑ جاتے ہیں

مر گیا ہوں بسکہ اصل سیت کے فکر میں
ہاے گل سب آشنا تیرے مرخص عشق کے
چادرِ مہتاب ہے میرے کفن کے فکر میں
تھے علاج صنعت دل اور صنعت کفن کے فکر میں
آج گھبرائے جھٹکے بھرتے ہیں با چشمِ نر آب
گاہ تندہیر لہریں مگر کفن کے فکر میں

اچھے دل لے لوں پھر عشقِ قاتل کو نہ دوں
چار بھڑکے کرو دل کے کہ نہیں ہو سکتا
جاؤں دل میں لایا لایا کول کو نہ دوں
لکے دوں مٹے کو نہ دوں لکے لکے کو نہ دوں

نہ ڈال آجے لے گرمی فغاں منہ میں
کہ چپکا بیٹھ رہوں بھر کے گھنگنیاں منہ میں

دھار پانی کے لو۔ تیرے تیر کا سو فار | یہ چپ ہوا ہے کہ گویا نہیں زبان میں

اسیر پنج و غم میں مریض طلب میں ہوں | او اس پہ لک جیتا ہوں میں کوئی عجب میں ہوں
جو انگون ت دردِ جہر سے بجو نہیں سب | کہ نام عشق کوں لڑا تو رحمت طلب میں ہوں

ہر بن ہوسے نکلتے ہیں شہرِ آتشیں | بن گیا ہوں میں سدا پاک انا برا تیشیں
واہ رے سوزِ جگر آفتے ہیں میری خاک سے | دو دگلخن کی طبع اب تک غبارِ آتشیں

سینہ دل پرے زخمِ جگر ہستے ہیں | ہنسنے دو چارہ گرو۔ ہستے ہی گھر جتے ہیں
ہوئے پیانہ طلاق نہیں وادستے ہیں | نگہست گل کے نکل جانے کو سورتے ہیں

میں ہوں وہ جگر غول کہ ساتِ بدن سے | جوں اشک عرق ہی شفتی رنگ نکالوں
ہے جی میں کہ غنچہ کو کروں تنگ چمن میں | پھر یاد کا ذکر وہیں تنگ نکالوں

دہالے سے سرکے دھواں ہیں تری آنکھیں | کہ بیشیں نہ کچھ سیٹ زبان تری آنکھیں

مرے ناکوں پہ ہیں رخِ خوش الحانِ ماز میں | صدا طوطی کی نستا کون ہے نقار غازی میں

ہوا ہے اور نہ ہو دیگا کوئی پیدا خدائی میں | وفا میں گئی بھوسا۔ اور تم سا بے وفا میں

اسیری عشق کو منظرِ سیری لکھن میں | بعد ذکر کے منت کا۔ چھایا طوقِ گون میں

ہیں وہ دیوانے کہ بن کو شیریاں کار ہیں | ہم اسیرِ زلفت ہیں۔ کافی ہیں دوتار ہیں

کنندیں اور بھی یوں تو کندہ انداز رکھتے ہیں | تری زلفوں کے خم۔ ٹچا اور ہی انداز رکھتے ہیں

کیا صوفی و کیا سیکش قائل مرے دونوں ہیں | پر مذہبِ مشرب کے۔ غافل مرے دونوں ہیں

مر گئے پر بھی تغافل ہی رہا آنے میں | بے وقاف چھے ہے۔ کیا دیر ہے بھاننے میں

جس جگہ بیٹھے ہیں باویدہ نم اُٹھے ہیں | آج کس شخص کا نہ دیکھ کے ہم اُٹھے ہیں

کہتے تھے آنے کو خاطر سے ہاری پرسوں | ہوئے برسوں۔ نہ ہوئی پر وہ تمہاری پرسوں

یہ طوقاں اسطے چھوٹا ہوا قمری کی گردن میں | کہ مقابل کی گردن کا پڑا قمری کی گردن میں

رفعت جو ہو ہم سے۔ جاتے وہ اپنے گھر ہیں | گھبرا کے پہنچتے داں۔ ہم اُن سے پیشتر ہیں

زاہد گمراہ کے میں کس طرح ہمسرا ہوں | وہ کہے اللہ ہو۔ اور میں کوں اللہ ہوں

شعرِ مرقوم الذیل ایک سہس کا ترجمہ بند ہے کہ جناب سید الشہداء کے مرثیہ میں لکھا تھا۔
کئی بند اس کے بندہ آزاد کو یاد ہیں۔ اپنی جگہ پر وہ بھی درج ہو گئے۔

کرتے اپنے سر کو جو نوکِ سناں پر تاج ہیں | عشق میں وہ کرتے حاصلِ رتبہِ سراج ہیں

سنا کو اپنا سر نوکِ سناں پر تلج کرتے ہیں | حصولِ اس طرح عاشقِ رتبہِ سراج کرتے ہیں

کستی ہے یا بٹی بریاں کر دے سیرانِ قضا | دلخ دیتے ہیں اُسے جس کو درم دیتے ہیں

آپ آتا ہے عبادت کو نہ تو آتی ہے | یاد میں تیری بل شے بھی فراشوں ہیں

بھروسہ مل تم خفقان کو حکیم جی | حضرت اسے بھی جانتے ہزاروں بنوں

واؤ

شاہ نصیر مرحوم جب تیسری دفعہ دکن سے پھر کر آئے تو ایک مشاعرہ قائم ہوا جس میں یہی طبع تھی۔ استادوں نے یہ دو غزل پڑھا تھا۔ جوانی کا عالم تھا۔ اور شاعری بھی جوانی کی تھی۔ یہاں سے دق پھر مطلق دوم میں آسانی طبع کا اظہار کیا ہے۔ جس شعر پر ۴ ہے اس میں شاہ نصیر مرحوم کی برکت اور پیرانہ سالی کا اشارہ ہے۔ اور بعض اشخاص بھی اس مشاعرہ میں شامل تھے جو دلوں میں غلش رکھتے تھے۔ کہیں کہیں اُن کی طرف بھی اشارے ہیں۔ ہر ایک کی شجہ طولانی ہے۔ اور غائدہ کچھ نہیں۔ قلم اغاز کرتا ہوں۔ بربر مسرکہ واقفانِ حال موجود تھے اُنہوں نے مرنے لائے :-

آئے ہے ججز میں نظر کل کا تا شاہم کو
کہ فلک آیا نظرِ خال سے چھوٹا ہم کو
اور جوں خمیرِ یلنے ہے سویدا ہم کو
کتھا ایساے خموشی ہے یہ گویا ہم کو
ہم نے جانا کر کیا خاک سے پیدا ہم کو
چاہئے جاے عصا گردنِ مینا ہم کو
آگیا اپنے اگر مرنے پہ رونا ہم کو
کیا کہیں کچھ نہیں کھتا یہ مستِ شاہم کو

واذ خرمین ہے ہیں۔ قطرہ ہے دریا ہم کو
اس بندہ ی پ دیا عشق نے پہنچا ہم کو
ہم وہ مجنوں ہیں کر دل اپنا ہے سہرا ہم کو
اُس نے خط جو قلمِ سرور سے لکھا ہم کو
رکھ مکدر نہ بس لے چرخِ نوا تا شاہم کو
شوقِ سستی میں ہے گلگشتِ چمن کا ہم کو
ہو ویکا کشتیِ طوفانِ زور تا بورت اپنا
بہنگلِ دل کو ہے کیوں اُس گروہِ رنج کے ساتھ

ہم وہ جنوں ہیں کہ گردِ ہم آہو کی طرح
کس سے تدبیر و رستی ہو ہماری جوں زلفت
جا بجا نام تو جوں نقش قدم چھوڑ گیا
اور ہمدرد کہاں بہنوئے حضرت دل
پھینک کر شیشہ دلِ تہ سے کہتا ہے ہست
اثرِ کفر ہے طاعت سے بھی اپنی پیدا
نخل خرماکِ طرح بلخِ محبت میں ملا
ایک دم تنگ وہ آئے تھے بعل میں اس پر
دم میں اب ہم نہ رہا اپنے جو ظہیر کی کمی
آن پہنچی سرگردابِ فنا کشتیِ عمر
ہو سکے لاغری و ضعف کہاں بلخِ شوق
ہم گئے جس کی طرف جوں گلِ نازی آس نے
دشک تھا اپنے فوشتہ پہ کہ آسِ نوخط نے
ہر قدم پاؤں میں سرکھتے ہیں غبارِ برشت
کرتے ہیں کہ وہ نہیں ہم تو سخن میں سبقت
اپنا ہے کبوترِ مقصود فقط گو ہر دل
گنگنی آنکھ جو سوئے میں تری زلفوں کی
حرفِ تلخ آس لبِ شیریں ہر اک باتِ پآہ
خاک سے کیونکہ ہماری گلِ رعنا نہ آگے
ایک دم عمرِ طبعی ہے یہاں شلِ حباب
جتنے عاشق ہیں ہم ایک کا ہے ایک عزیز
کیا تم ہے کہ پتے قطع رہ عشقِ فلک

۲۵

بھاگے ہے دور ہی سے کیہ کے صحرا ہم کو
کہ خشکتوں سے بنایا ہے سراپا ہم کو
خاکِ گم ہو گیا ڈھونڈنے عفا ہم کو
دردِ اب تم کو ہمارا ہو تمسارا ہم کو
کیا بنا تھا ہتھیلی کا پھول ہم کو
نقشِ سجدہ کا ہے پیشانی پہ ٹیکا ہم کو
کثرتِ زخم سے اک خلعتِ زریا ہم کو
غمِ دوری سے کیا تنگ ہے کیا کیا ہم کو
ہاں مگر ہو تو سے آنے کا بھروسہ ہم کو
ہر نفسِ یادِ محنت کا ہے جھوکا ہم کو
تیری جانب پر پرواز میں اعضا ہم کو
پاس آئے نہ دیا دور ہی پھینکا ہم کو
خط لکھا غیر کو اور بھول کے جیسا ہم کو
لے جنوں تو نے تو کانٹوں میں گھسیٹا ہم کو
پر وہ کچھ ہم سے سنے گا جو کہے گا ہم کو
طوفِ گردِ ابِ صفت چاہئے اپنا ہم کو
شبِ سیاہی نے کٹی بار دیا یا ہم کو
ناصحا سنتے ہیں ہم کچھ تو ہے بیضا ہم کو
کہ کسی گل کی دورنگی نے ہے مارا ہم کو
تھکرا مر و نہ ہے نے ہے غمِ فردا ہم کو
شع سے چاہئے ہے خونِ دلوں نے ہم کو
آرہ ساں دیتا ہے و ملاں عرض پا ہم کو

دل جس تھے قطرۂ غوں چند سو مانند اندام
میں گھر خاک میں جو سوزیں ہے اُن کا خیال
ہم وہ ہیں حسی لاغر کر چھپا لیتی ہے

نرس ہے وہ بھی جب الفت نے پھوڑا ہم کو
کیوں نہ فانوس غیبیالی ہو گیا ہم کو
زیر دامن لگو آہوئے صحرا ہم کو

ہم نہ کہتے تھے کہ ذوقِ اسکی تو زلفوں کو نہ چھڑ
اب وہ برہم ہے تو ہے بچہ کو قلقِ یا ہم کو

آسماں اور وہ انسان بنانا ہم کو
فج کیوں کرتے ہی فزاک سے باز ہم کو
دل شکستہ گر اُس یار نے سمجھا ہم کو
باغِ رشک ہوا۔ عشق ہمارا ہم کو
کر دیا گریہ نے آخر سبک ایسا ہم کو
اس پر مرتے ہیں کہ کیوں غیر کو تو نے مارا
ہے وہی جنبش لبہاے جراحت پس قتل
ہم وہ ہیں گرم رو بہ رو فنا جوں غور شید
ٹپکا ٹپکاں سے لبو ہو کے چکر آخر کار
خال سرور کا نہیں چاہئے زیائش کو
یہ تو یوں مضطرب اور سیز میں لاکھوں زن
خطا تو ہم سے لکھو گور پر تائید وفات
کون غلطیدہ تھا خاکِ سر کو پر تیری
جسکی آواز سے ہوں بگٹے سواں کے کھٹے
اک حلاوت کے عداوت میں بھی اُس ظالم کے
دیکھا آخر نہ کہ پھوڑے کی طرح پھوڑا ہے
چپکے ہے جانے عرقِ ہر مین سو سے پکیاں

خاک میں تھا گراں منہ سے ملانا ہم کو
چھوڑ۔ ہونے دے تو پکر ابھی ٹھنڈا ہم کو
خط بھی جو خطا شکستہ ہی سے کھا ہم کو
تجربہ بن دیکھے ہے غش جس کو کیا ہم کو
لے گئے اشکِ بہا جوں کھٹ دریا ہم کو
وہ نصیب اس کو ہٹی۔ قتی جو تھا ہم کو
کس لب تیغ کے بوس کا ہے لپکا ہم کو
سایہ تک بھاگ گیا چھوڑ کے تنہا ہم کو
ایک مدت سے اسی ٹپکے کا ڈر تھا ہم کو
اختر سوختہ ہے اپنا ہی زینبِا ہم کو
دل کا رہنا نظر آتا نہیں اصلا ہم کو
کہ وہی وصل کی تا مرگ تنہا ہم کو
خوابِ شب بسترِ محفل پہ نہ آیا ہم کو
وہ محبت نے دیا سلسلہ پا ہم کو
کہ دیا زہر بھی گر اُس نے تو میٹھا ہم کو
ہم بھرے میٹھے تھے۔ کیوں آپنے چھڑا ہم کو
یہ جہنم کس نے کیا تیسرے بلا کا ہم کو

ہم سفر ہو نہ سکا کوئی بھی اپنا لیکن
 ہم وہ ہیں زندہ کاس عالم پیری میں بھی ہے
 سنگدل تین نواب گور میں بھی بھاری ہیں
 تو ہنسی کی نہ کہ مرتے میں ہم بھی تم پر
 پھرتے ہی آنکھ کے پھیر گئے گلے پر مخمر
 گرمی تپ سے ہوا سوز درونِ حج افشا
 حسرت لے کر ابریشت کر گریاں کا تار
 کھانے پینے کی قسم کھائی ہے تجھ پر ہم
 شائیشِ رقیامت سے جنتِ مست میں ہم
 ہم تبرک ہیں برباب کر لے زیارت مجنوں
 وصل کا آسکے تصور جو بند حار تھا ہے
 واہ قنار ازل صدقہ ہم اس قسمت کے
 دل میں نشتر نگہ یار کا آہی کھٹکا
 کشتہ ہی ہوتا ہے اکبر کے مثل سیاب
 رہی ہر طرح سے صیدی کے کہوتر کی طرح
 صید ہی میں نہ فقط ذبح کا کچھ قصد رہا

۳

جاوہ پہنچانے گیا تالاب دریا ہم کو
 اُس میخانہ سے جوں پنپے سینا ہم کو
 ہے سو میں جو ترے آنے کا دفتر کھا ہم کو
 مار ہی ڈالے گا بس خاک۔ ہمارا ہم کو
 ہو چکا آپ کا معلوم ہے ایسا ہم کو
 آگیا مارے غجالت کے پسینا ہم کو
 ہو گیا ضعف سے تارِ رگ خارا ہم کو
 ورنہ نہ زہر تو ہر طس جھوٹا ہم کو
 کہے جب تک کہ نہ تم قلبِ مینا ہم کو
 سر پر پھرتا ہے لئے آبلہ پا ہم کو
 تو مرنے جھریں بھی آتے ہیں کیا کیا ہم کو
 جامِ عشرت اُسے۔ اور وایح قفا ہم کو
 وہی پیش آیا جو مدت سے تھا کھٹکا ہم کو
 کچھ کشندہ سے خیں خون کا دھوئے ہم کو
 ہاتھ سے اُس بہت بیدار کے ایذا ہم کو
 صلح بھی ٹھیری تو پھر کھائی کے چھوڑا ہم کو

قی

ذوق بازیکِ طفلان ہے سراسرِ زمیں
 ساتھ لڑکوں کے بڑا کھیلتا گویا ہم کو

تجھ کو پرائی کیا پڑی رہی بیسٹو تو
 دیگا تمام عقل کے بجٹے ادھیسٹو تو
 سو بار جڑ سے پھینکے انکو اکیسٹو تو
 تجھ کو دیا کہ جلد کرے یاں سے ایڑ تو

رتو خراب حال کو زاہد نہ چھیسٹو تو
 ناخنِ خدا دے تجھے لے پنجہ جڑوں
 آفت کا گر ہے نخل تو سرسبز ہوے گا
 عمرِ مہیاں کا تو سن چالاک اس لئے

مانند صبح کا ذب ابھی ہے ادیش تو
دامان و آستیں نہ لمبویں تھی تو
دروازہ گھر کا اُس سگ نیا سے بھیڑ تو
تربت پہ اُس کی جال کا پاٹھیکا پڑ تو
خافل نہ پاؤں حرص کے پیلا سیر تو

اے زاہد دو رنگ نہ پیر آپ کو بنا
اس حید مشرب کو تال سے دُج کر
جو سوتی بھیڑ اپنے شر و شور سے بگائے
چھٹتا ہے کوئی مر کے گرفتار دام زلف
یہ تنگنا سے دہر نہیں سنبل غراغ

آوارگی سے کوئے محبت کے اندھا
اے ذوق یہ آٹھا نہ سکے گا کلکیر تو

غسل نیت ہی ہمارا غسل صحت ہو تو ہو
یا کمال احت جرات پر جرات ہو تو ہو
عشق غارت گر اگر دنیا سے غارت ہو تو ہو
تیرے ستوں کی صغیر خواب غفلت ہو تو ہو
آدمی سے کیا نہ ہو لیکن محبت ہو تو ہو
مرد مک اُس میں کہاں ہو داغ حسرت ہو تو ہو
پست محبت یہ نہ ہو وہ پست قیامت ہو تو ہو
جان شیریں کے دئے سے کچھ عداوت ہو تو ہو
اگلے مکتوبوں میں کچھ اُس سے کتابت ہو تو ہو

سوت ہی سے کچھ علاج در و فرقت ہو تو ہو
بعد مردن ہی تو بے زخمی کو راحت ہو تو ہو
ہو تو ہو آباد کیونکر یہ خراب آباد دل
کتے میں شور قیامت جس کو بولے چشم یار
آگ میں جل مڑتا ہے پرواز سا کرم ضعیف
انتظار یار میں جو چشم ہو جاے سفید
دشت محبت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ
بلخ کامی ہی میں گذری زندگانی عمر بھر
اب زباں پر بھی نہیں آتا کہیں الفت کا نام

رات اک پگڑی ہوئی خمی سیکہ میں رہن سے
ذوق وہ تیری ہی دستار فضیلت ہو تو ہو

غزل مرقوم الذیل اور اُس کے بعد کی غزل ابتدائی مشق کی تھریں ہیں۔ جہاں جس سے
پہلی غزل لکھی اور دوستوں کو سنائی تو خاص عام کے کانوں میں نئے وزن کی آواز
گئی۔ سب خوش ہوئے۔ اور تقریبوں نے جوانی کا دل بڑھایا۔ فرماتے تھے کہ
ابتداء سے عمر طبیعت کی آہنگ۔ دل باغ بلخ تھا کہ آج ہم نے وہ غزل لکھی جو تک

کسی نے نہ لکھی تھی۔ اشد تیرا شکر کہ تو نے یہ نعمت دی۔ ساتھ ہی دوسری غزل اور بھر میں لکھی۔ زمانہ کے ناموروں کو پہلی تعریف اور شہرت بھی خوش آتی تھی۔ دوسری غزل پر ناخوشی ٹھوٹ ہی۔ اور کہا کہ اس بھر میں پہلے کسی نے غزل نہیں لکھی۔ یہ جائز نہیں +

آغاز عمر۔ ابتدائے شوق۔ کوئی تقویت دینے والا ساتھ نہیں۔ گھبرا گئے بلوچ شاہ عبدالعزیز صاحب اُن دنوں زندہ تھے۔ اُن سے جا کر حال بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مسترض بے خبر ہیں۔ فارسی میں مرزا بیدل نے اکثر غزلیں نئی بھر لی ہیں لکھی ہیں۔ اور خوش آئندہ بھر کا نکالنا حسن طبع ہے نہ کہ عیب۔ استاد نے کلیات بیدل دیکھا تو بہت غزلیں نئی نئی بھروں میں نکلیں۔ اُنہیں دیکھ کر دل قوی ہوا +

وہ زمانہ کچھ اور تھا۔ اُس وقت کی باتیں نئی روشنی والوں کو عجیب معلوم ہوتی ہیں شاہ نصیر مرحوم سے اصلاح بند تھی۔ مگر آمد و رفت اُسی آداب و تنظیم کے ساتھ جاری تھی جو کہ اہل سعادت کی عادت ہے۔ اور وہ بھی شفقت بزرگانہ کے ساتھ پیش آتے تھے۔ چنانچہ بموجب معمول کے ایک دن اُن کی خدمت میں گئے اور ب حالات مُناکرہ دونو غزلیں مُنائیں۔ اُنہوں نے بھی کہا کہ خوب غزلیں لکھیں بلکہ یہ بھی کہا کہ دوسری غزل بہت خوب ہے اسے مشاعرہ میں پڑھنا +

استاد مشاعرہ میں گئے تو تفصیل فرمایش کا خیال کر کے اُس غزل کو بھی لے گئے اور غزل طبع کے بعد شاہ صاحب مرحوم سے کہا کہ اجازت ہو فرمایش کی تمیل کروں۔ انہوں نے فرمایا۔ ہاں بھی مُناؤ۔ جگہ تو یہی ہے۔ اب کچھ تو ابتدائی شوق۔ کچھ بھر نئی۔ غرض اتفاق یہ کہ غزل دوم کے مطلع میں صبح دوم پر پھر کا لفظ نہ تھا۔ جب استاد نے مطلع پڑھا۔ تو شاہ صاحب نے اُس کی تعریف معمول سے کچھ زیادہ کی اور کہا کہ بھئی! اس مطلع کو پھر پڑھنا۔ استاد مرحوم

رکے کر یہ بات کیلے؟ ساتھ ہی خدا نے آگاہ کیا۔ اور لفظ بھی دیر یا۔ یعنی پہلے کہا تھا۔ ع۔ زلمت بنے وہ دستِ موسے۔ اب پڑھا ع

پھر زلمت بنے وہ دستِ موسے جس میں اٹھکراش ہو

شاہِ مرحوم خوش ہو گئے۔ اور یہ ترسیم ایسی بدائے ہوتی کہ لوگوں کو خیال ہوا کہ نوجوان کی شوخی طبع تھی۔ عمداً پہلے پھر کا لفظ نہ سنایا تھا۔ یہاں آپ ہی چپٹ کھائی۔ آپ ہی اُس کا نوڑ کیا +

غزل اول

تنا نہیں ہے کہ امدادِ دل کو نپیش کا صلہ ہو کہ مرثیہ مطلق ہو
یہی حق ہے قائل اگر حقِ دلا دے یہ بے مل ترے پاؤں پر جاں بحق ہو
جوئے نوش وہ طعنِ رشکِ قمر ہو۔ تو سرخی نہ کیو اُس کے رخسار پر ہو
غروبِ آفتاب و رخشاں اگر ہو۔ تو کس وجہ پیدا نہ رنگِ شفق ہو
کتابِ محبت میں اے حضرتِ دل بناؤ کہ تم لیتے کتنا سبق ہو
کہ جب آن کر تم کو دیکھا تو وہ ہی۔ لئے دستِ افسوس کے دورق ہو
کہ دو دو نو آنکھوں کے طبقے یہ روشن۔ کہ ہو جاؤ رشکِ بر چارہ تم
سنالے کہ تم فورے اپنے کرتے۔ ستور بہ یک جلوہ چودہ طبق ہو
یہ کشتوں کا اُس لنگ کے اک پتا ہے کہ تیرے بختوں کی تربت پہ کوئی
اگر رنگِ موسے کا تغویذ رکھ دے۔ تو رکھتے ہی میں بیاں سے وہ شق ہو
مری زندگی تھی ابی اے مستگر۔ سیجائی جو کر گئی تیری شوکر
کہ ٹھکرایا تو نے تو یہ تھا سمجھ کر۔ نکل جاے جاں کچھ جو باقی رہی ہو
اگر رشکِ گلشن نہ ہو مجھ سے باہم۔ تو گلشنِ میں ہوئے چشت کا عالم
چکنا ہو غنچوں کا آواز ضیغم۔ چمن بھکو اک وادی حق و دق ہو
اگر زخمِ سینہ سے پھاٹا اٹھاؤں۔ تو خورشیدِ محشر کو میں تپ چڑھاؤں

اگر شیبہ داغ دل کو دکھائوں۔ تو صبح قیامت کا منہ دم میں نق ہو

یہ بھر تو فانی غزل کی بدکلمہ۔ زخم اک غزل کر کے ذوقِ جہیں

نہ ہو غلط مطلق نہ تقوید مطلق۔ جو فی الجملہ کچھ ہو تو مضبوطی ہو

غزل دوم

جس ہاتھ میں خاتمِ مل کی ہے جگر آس میں زلف سرکش ہو
پھر زلف بنے وہ دستِ موسے۔ جس میں اٹکر آتش ہو
اے قاتلِ خلق بریدہ سے۔ اک شعلہ دل گر سرکش ہو
تو روشن حلقہ جیب کا میری۔ مثلِ تنویرِ آتش ہو
ہو تیرا سیدِ روحِ صبحِ ہجران۔ رخصت مجھ سے وہ مردوش ہو
کیوں! کھینچوں آہ کہ خور بھی پہناں زبردِ آتش ہو
لہریں شرابِ ناز دکھا تو ساغرِ چشم کا منہ کو
تا زاہدِ پاکِ ملت ہو۔ یا صوفی و کمش یکش ہو
تم وہ وہ زخمِ دل پر میرے کرتے ہو دکھلانے کو
پر بزمِ ششِ تیغِ ناز سے اپنے دل میں کرتے عشِ عش ہو
دل نخل میں قد کے جوں ذکرِ تیا چسپ کر چشمِ کافر سے
اب ازہ جنیشِ ابرو سے کیونکر نہ بنیر کشاکش ہو
لیک و اذان۔ ناتوس و جرس۔ یا قتلِ مے یا نالہ مے
دل کھینچنے کو اے ہمنفسو! کوئی تو نواسے دکش ہو
بن تیرے گھر کی آرایش۔ جب دشمن جاں ہو عاشق کی
محرابِ طاق کہاں بن جائے۔ دستہ زنگِ ترکش ہو
مانندِ نمکداں چسپ پہ انجمِ حق نے بنائے اپنے لئے
تا ہر لب زخمِ حسرتِ میرا، ہجر کی رات نمک چس ہو

گر کلابِ آہ کو گر بخش دوں تو دودھِ شمعِ دل سے مرے
 طاؤسِ فلک کا سینہ ابھی۔ جوں سینہ باز منتکش ہو
 جب ضعف سے مجھ کو غش آیا تو طنز سے وہ کیا کہتا ہے
 بس غش نہ کرو ہم جان گئے تم مرنے پر اذہ غش ہو
 کیا خون کے دریا جذب کئے ہیں خاک کو چہ قاتل نے
 دفن کو بھی اس کے سنگش کے ایسی ہی زمیں دکش ہو
 بس چھوڑ دو امن قاتل کا لو ہاتھ بہائے خوں سے اٹھا
 جب اپنا بنا خوں پاؤں پہ اُس کے دل کیوں کا مشکش ہو

کیا رجز کو کر قطع و مرقع تم نے یہ غزل لکھی ہے
 اذوق اس کی بھر کو شن کر شاداں روحِ خلیل بخش ہو

دن گنا جانے اب رات گھر کاٹنے کو
 لمبے صیاد! تو آیا مرے پر کاٹنے کو
 اپنے عاشق کو نہ کھلو اؤ کئی سیڑی کی
 دانت ابخم سے نکالے ہوئے تھم بن مجھ پر
 وہ شجر ہوں نہ گل و بار نہ سایہ مجھ میں
 سرگردن جگر و دل میں یہ چاروں عناصر

جب وہ گھر میں نہیں رہے ہے گھر کاٹنے کو
 میں تو خوش تھا کہ چھری لایا ہے کر کاٹنے کو
 آسکے آنسو ہی کفایت ہیں جگر کاٹنے کو
 منہ فلک کھولے سے اے رشکِ فر کاٹنے کو
 باغیاں نے ہے لگا رکھا گر کاٹنے کو
 چاہے دل یار کا چورنگ اگر کاٹنے کو

شام ہی سے مل بیٹا بچہ اذوقِ چال
 ہے ابھی راتِ ٹری چار پہر کاٹنے کو

چرخِ خندی ہے کوئی ضد نہ دلاوے اسکو
 دیکھیں تم کیسے بھٹکتا ہو جسے کرتے ہو یاد
 غالبِ خاکِ انساں کو بنا کر کھتا
 آبرو خاک میں ہی اُس نے لا آئینہ کی

کہ تھے عود کو غرق تو جلا دے اسکو
 بھول تو جاؤ بھلا میرے بھلا دے اسکو
 عشق کی آگ میں ڈالا کہ پکا دے اسکو
 مجھ سا ہوا آئینہ تو منہ نہ دکھاوے اسکو

منہ ہے کیا شمع کا ہو بزمِ تنہی سے روش
کئے تصویر ہی انکی وہ نہ آئے تو نہ آئے
پیار کی بات یہ مجھ سے نہیں اک اکور ہے
وہ عیادت کو مری آئے تو کیونکر آئے

چٹکیوں میں ابھی گلگیر اڑا دے اسکو
پر مرے پاس کوئی کھینچ ہی لاوے اسکو
تیری یہ خواہے کہ مجھ کو شاوے اسکو
مر بھی جاؤں تو ذرا رحم نہ آوے اسکو

شت خاکِ پنی ہم اس چہیں کل بھیک لئے
اب وہ ذوقِ آپ اٹھائے نہ اٹھائے اسکو

سگنیا پر زردن بھی داسگیر دنیا ہو
ہجوم آور جو آنکھوں میں ترا شوق تماشا ہو
ترے پیار کو گر اپنے جینے کی تنہا ہو
نہ ہو کہ دسترسِ امان وصل یا ترک ہرگز
مجھے کیا چاہئے عقدہ کشا سوزِ محبت میں
درازی میں شبِ غم کی اگر گھٹلنے لگنوں
کرے پرواز مرغِ جاں اگر چہ شاخ طے نہ تک
حلاوت یاں کہاں حب سے آبِ شوکا دریا
تصویروں کبھی غفلت میں نہ جانا ہے کہنے کا
مجھے بلو میں اما ہے نگاہِ دماز و دھڑکان کے
یہ شہرت نام کی بھی بلا ہے پیچ ہستی کا
مرے صحرائیں وحشت برہی ہے کہ مجھ کو ک
کہیں کیا دل کی مست پنی ہم اندر بہت
اکیلا رہ گیا بارو کے یوں ہوں ناتواں میں

کہ اس گئے کی مٹی سے بھی کنا گھاس پیہر
تو شاخ ہر ترہ سے چشمِ نرگس ارسید ہو
فلک پر سن کے ہتے ہتے شادیر گئے ہو
اگر چہ سکر عاشق پاؤں نہک مت تنہا ہو
گرہ میری سپند آسا مری فریاد سے اہو
خیال زلفِ یلی اسکے حق میں الف لیل ہو
پر اس تارِ نظر سے شل مرغِ رشتہ برپا ہو
زلالِ خضر کا اک چشمہ سو بھی ہے اخفا ہو
کہ جیسے عالم رویا میں چشم کو رہنا ہو
بتاؤں کس کو قاتل کس کے خوں کا دعویٰ ہو
کہ سحرے عدم میں گردنِ عناق کا پسند ہو
گرے گر سر پہ قطرہ آبلہ زیرِ کف پا ہو
اگر نہ آساں ہوں جمع اک خالِ سودا ہو
کہیں شلیخِ خزاں دیدہ چ جیسے دردِ تنہا ہو

جو ذکرِ امد کہ ہو ذوقِ مانعِ اے عشرت
تو کیوں حقِ حق کرے ویشیہ خیشیں صبا ہو

پھر نہ چلنے کو زو دل گرچہ بے شک ہے
یہ تو جب ہو گر کہاں کس میں تیر جستہ ہو
اکار اک اک خار صحرا سے جنوں گنگستہ ہو
یہ نہیں ممکن کہ میرا زو دل سر جستہ ہو
جتنی یہ کاوش کرے اتنی ہی یہ پیوستہ ہو
آہ موزوں ہے کہ نالہ صرغہ بر جستہ ہو

سرد مہری سے تری گر خون دل بخیل بختہ ہو
کیونکہ قابو میں نہ لکے عاشق ارستہ ہو
ہر قدم پر ہے خراش پائے مجنوں گل فشاں
کیا ہوا داغ محبت سے ہوا دل سر پہر
کیا نکالے سوزن الماس دل سے غم کی پیناں
منہ سے جو نکلتے مزاجب کہ ہو دے دلش

جلنے کیا بید رواں از کلام درد مند
ذوق میرا ہم سخن گر ہو کوئی دل خستہ ہو

ایک دن عرفی کے قصیدہ نفی کے اشعار پڑھ کر طبیعت میں ذوق و شوق پیدا ہوا۔

اقبال کرم میگزدار باب ہم را
بہت نثار و شیشتر لا دغم را

فرمایا کہ بڑے بڑے استادوں کے قصیدے اس زمین میں ہیں مگر اس روح نے بھی
سکر میں لکھا تھا۔ اور عقیدت سے لکھا تھا۔ ہم اپنی زبان میں عرض حال کو نیچے چنانچہ
اُسی دن شروع کیا۔ اور قلم برداشتہ یہ اشعار لکھے۔ پھر فرست نہ ہوئی کہ تمام کرتے۔
اب یہ روایت واقعہ کے ۱۲ شعر ہیں۔ باب قصائد میں لکھا گیا ضرور ہے۔ یہیں لکھ دیا ہوں

چکرادیا غمزہ نے ترے چشم منہ کو
چومے ہے قلم لوح کو اور لوح قلم کو
گلزارِ حدوث و چستانِ قدم کو
کس طبع نکالے کوئی شمشیرِ خم کو
چلتا ہوا تقویدہ سمجھ نقشِ درم کو
پر کرتے ہیں خوش شبنم گلزارِ دم کو
چرخہ جائیگا اک زلزلہ صحرا سے دم کو
دیتے تھے یہاں راہ نہ اس سبز قدم کو

پتھر ادیا جلوہ نے ترے چشم منہ کو
جبکہ لکھا ہے ترا دھت مریخِ زیبا
روشن ہے ہمارا گلِ رخسار سے تیری
جلے نہ بھی طبع جفا پیشہ سے ہرگز
کیا ذمہ دہتا ہے تو عملِ نبض و محبت
ہیں اشکِ کبابِ خشک ترے سوختہ جہاں کے
دیوانہ ترا قید سے ہستی کے جو چھوٹا
جس دن زمین کہے نہ لک خاک سے باڑی

خوبی سے نہیں رونق بازار کی پوسٹ
کیا دیکھا دم اگر کسی بنے کم کو مسیحا
وے جام مجھے چشم عنایت سے جو ساقی
بہر کوئی یا نیک تم کام ہے اس کا

اس شکل و شمائل پہ بکا چند درم کو
اللہ سلاست رکھے اس تنج کے دم کو
دکھلاؤں تماشا ابھی کینسر و جم کو
احوال بد و نیک سے کیا کام ظلم کو

منزل گرم گشتگان لکل لگت نیل سے ہو
سایہ افکن جب تو پختہ دھلتے ہو
گر کرے سحر نانی جلوہ خساریار
میں وہ مجنون بیاباں مرگ میں جکے لئے
سودہ داد بھی پڑ جائے گریب سے گلے
دشت کو سیراب کر دے آبِ پائِ مری
ثابت کل ٹانگہ نہ چھوٹے کل کا سیرے اضطراب

آساں بھی ہو اگر داں بیضہ معقاسے ہو
گرو باد اس فلک پر ہر قدر طوبیائے ہو
وہ کھٹ آئینہ سے ہو جو یہ بنیائے ہو
جو ہو چادر یا کنن وہ داہن سحر سے ہو
دانہ انگور تار پنہ سیسناسے ہو
ہر قدم پر چشمہ جاری چشم نقش سے ہو
چاک سینہ گر رفتار رگ خار سے ہو

تشنہ کای گرمی دیوے چکھا شوراب اشک
ذوق شور العطش پیدا لب دریا سے ہو

صفائیں رخ سے خیرے آئینہ کیا خاک ہر سرو
مری آشیر و حشت وہ ہر قطر جس سے تپو ہو
ترا دیوانہ دل سوختہ آتش قدم گر ہو
قیامت کو بھی کیا انصاف اپنا لے تنگ ہو
جو تو دریا میں صحرانہ ناخن پاگھل دین اپنے
ڈبو دیں آتشا کو گر سبک نشانی صحت میں
کھٹکتے ہی رہیں دل میں ترے مرگان گشتہ
کیا یہ سوختہ جاں تو نے مجھ کو مرد مری سے

لنگاہ چشم سر آؤ دے بھی جو کھد ہو
نگیں پر نام کھدوں تو کل کے گھر سے باہر ہو
جلاوے زیر پاگر خار حیران سمندر ہو
ابھی تشنہ ہو آخر کو آخر روز محشر ہو
تو ہر اک فلک ہی خشک برک گل سطر ہو
تو آہن تھ کیوں کڑی کے ریاضِ نادر ہو
جو نمیش کر دم سے اگر دل گنج نشتر ہو
کہ آہ سرد میری شمع کافوری سے ہم سرو ہو

حرم کو جاسے زاد ہم تو سناؤ کہ جلتے ہیں
نشہ نوشے تھے سحر کنش وشت کیا ممکن
بچلتے حق تعالیٰ اس یزیدی شکر شریعے
رہائی قتل پر بوقوف ہو گر ہم ایسوں کی
جگے صحن چمن بھی عرصہ گاہ حشر ہو تجھ بن

مبارک اس کو طوف کبیر ہم کو دور سفر ہو
اگر سو نکڑے سنگ کو دکاں گ کا سہ سر ہو
کہ خوش سید کا جس بیہ رحم کو خون کہوتر ہو
روانی تیغ میں وابستہ زنجیر جو ہر ہو
گل خورشید میرے واسطے خورشید حشر ہو

جو کہوئے آب کو وہ منزل مقصود کو پہنچے
تری گم گشتگی اس را میں اسے ذوق بہر ہو

بجائے جسے عالم آسے بجا بھجو
عزیز داس کو نہ گھڑیاں کی صدا بھجو
بھجو تو کہ سوادوں کو ہو جو علم نہ ہو
نہ بھجو وشت شرفا خانہ مجنوں ہے یہ
پڑے کتاب کے قصوں میں کیا کہ وہ دل منسا
نہ ہے نصیب کہ ہنگام مشق تیر ستم
چستے وہ رونے پر میرے تو پھر صفت فرگا
نفس کی آمد و شد ہے نیاز اہل حیات
تمہاری راہ میں ملتے ہیں خاک بیل لاکھوں
دعائیں دیتے ہیں ہر دل سے تیغ قاتل کو
ہما دیا مراغوں اس نے اپنے کوچ میں
سمجھ ہے اور تمہاری اکوں میں تم سے کیا
تہیں چٹام سے کیا کام مثل آئینہ

زبان خلق کو نقارہ خدا بھجو
یہ عمر رفتہ کی اپنی صدا سے پا بھجو
اگر سمجھ بھی نہ ہو کہ رہے عسا بھجو
جو خاک سی بھی پڑے چٹان کنی دوا بھجو
صفا ہو دل تو بہ از روضۃ العضا بھجو
ہمارے ڈھیر کو تم تو وہ خاک کا بھجو
نہ بھجو چشم پہ دیوار تھنجا بھجو
جو یہ تعنا ہو تو اسے غافل و تعنا بھجو
اس آرزو میں کہ تم اپنا خاک پا بھجو
لب جراحت دل کو لب دوا بھجو
اسی کو یار و دیت بھجو خوں بہا بھجو
تم اپنے دل میں خدا جانے سن کے کیا بھجو
جو روبرو ہو اسے صورت آشنا بھجو

نہیں ہے کم زر خالص سے زردی خسار
تم اپنے عشق کو اسے ذوق کیا بھجو

یہ چار غزلیں مرقوم الغیل ابتدائی شوق کی ہیں۔ اور انہیں غزلوں میں سے ہیں جنہیں استاد مرحوم کہتے تھے کہ بعض مرشد زادوں کی فرمائش سے اُن کے شغلہ موسیقی کے لئے لکھ دی تھیں۔ باوجود اس کے اہل نظر ان کے مضامین کو۔ اور توانی کے پہلو کو دیکھیں گے کہ کس رتبہ پر ہیں :-

ایک نظر دل سے ادھر دیکھ لو گر دیکھتے ہو آئینہ منہ پر مرے رکھ کے کدھر دیکھتے ہو ہو مجھے دیکھتے یا اپنی کمر دیکھتے ہو برگ ریزئی محبت کا ثمر دیکھتے ہو کسی مجنوں کو بھی آشفہ بسر دیکھتے ہو؟ کس کی ہو دیکھتے راہ۔ اور کدھر دیکھتے ہو	باتھ سینہ پر مرے رکھ کے کدھر دیکھتے ہو ہے دم باز پس دیکھ لو گر دیکھتے ہو نا توانی کا مری مجھ سے نہ پوچھو احوال ہا پر پروانہ پڑے ہیں شجر شبنم کے گرد بید مجنوں کو ہو جب دیکھتے اسے اہل نظر شوق دیدار مری مسٹ پر آکر بولا
---	--

دوم	لذتِ نادرِ غمِ ذوق سے ہو پوچھتے کیا لب پڑے چاٹتے ہیں زخمِ جگر دیکھتے ہو	غزل
-----	--	-----

وہ آئی لب پہ ہنسی دیکھو مسکراتے ہو یہ ہم کو جلوہ شوقِ الغم دکھاتے ہو ہمارے قل کا بیڑا کہیں اُٹھاتے ہو کہ میرا اخترِ بختِ سیر دکھاتے ہو؟ تو ہم کو دیکھ کے تم کان کیوں دباتے ہو کہو کہ آؤ زباں سے زباں ملا تے ہو ہم شربتِ عذاب کیا پلاتے ہو جو شربتِ لبِ میگوں ذرا چاٹتے ہو ہماری چنگیوں میں ہم کو تم آڑتے ہو کہ لوٹے جاتے ہو۔ پھولے نہیں ساتے ہو	عبت تم اپنی زکاوت سے نہ بناتے ہو لگا کے سر سے تم آنسو نہیں بہاتے ہو چھپا کے پان یہ کس کے لئے بناتے ہو نم اپنے رخ پہ یہ کابل کا قائل بناتے ہو؟ اگر دباؤ کسی کا تمہارے دل پہ نہیں ملاپ جائیں جی ہی ہم کہ دے کے تم دوسرے مریضِ عشق کو تم پوچھ کر طبیبوں سے ہوں۔ کس چاٹ کے کتا ابھی ٹھنا ہو چاہے جگر کے آٹے جو پھوڑتے ہو حضرتِ عشق گلو! یہ گدگدائی کیا کان میں تیرے صبا
--	--

کہ لمبے تم نئے قلبیاں کو منہ لگاتے ہو
تم آ کے حضرت جیسے عبث سناتے ہو
نہیں تو پھر کوئی صلوات سنکے جاتے ہو
نظر گذر کر تم اسپند کیا جلاتے ہو
جگہ کی تیج کو کیوں زہر میں بھلاتے ہو
دکھا کے تم لب و دندان جو کھلکھلاتے ہو
یہ لب پہ نالا جانکا واپس لاتے ہو
اور اس میں نعرۂ لبیک تم سناتے ہو
اٹھاؤ میرا جنازہ اگر اٹھاتے ہو
سمندر ناز کو تیز اتنا کیوں اڑاتے ہو
یہ تم جو دشمنوں کو درد سر بتاتے ہو
لگاؤ اتنی بھلا کس لئے دکھاتے ہو
کہ دیکھے دم مجھے اخلاص کیا جلاتے ہو

جلن سے شک کے ہینٹیاں جلی جاتی
ہماری لاش پہ آواز تم باذن اللہ
اٹھینگے یار کی شوکر سے لے چلو تشریف
جلا رہے ہیں سویدے دل کو ہم اپنے
ہو کرتے سبزہ خط کی جو سیر آئینہ میں
نہک چھڑکتی ہے شبنم گلوں کے زخموں
ہمیشہ صدقہ اس پر دے دے کہ حضرت دل
و یا طوافِ حرم میں ہے سامنے محراب
وہ آئے بام پہ ہیں ہمدونہ بیٹھو اب
یہ صید بستہ فتراک کھل پڑے نہ کہیں
مرے لئے تو ہر اک طرح سے قابو
لگاؤں گھس کے جو عندل تو کہتے ہو کہ مجھے
جو پڑو کے سورہ اخلاص تم کروں تو کہو

یہ ایسا کونسا انداز گفتگو ہے ذوق
کہ جس پر زور طبیعت تم آزماتے ہو

تم کھلو الفت اور وہی خیر دکھاؤ
پہلے مجھے تم یار کی شمشیر دکھاؤ
تم ان کو تڑپتا جو آنچیسہ دکھاؤ
تم صحبتِ رخ آسکو یہ تدبیر دکھاؤ
جھمکوں کو تیر زلف گرہ گیر دکھاؤ
اسے حضرت دل! آہ کی تاثیر دکھاؤ
اس نالا جانسوز کا اک تیر دکھاؤ

جو کہوے قد یار کی تصویر دکھاؤ
دیکھو! سرِ متعل نہ کہیں چھوڑوئے سہل
حالتِ طیش دل کی مرے پر چھیں اگر وہ
گر دیکھ لے زاہد تو پھر ایمان ہی لائے
گر پاپا ہو تیرا یا ہو نہاں پر وہ شب میں
آس چشم کو ہے ناز بڑا تیر نگہ پر
وہ برق نگہ اپنا ہے دکھلا رہی عالم

لا کر کوئی اُن کی مجھے تصویر دکھا دو
کہ دو کہ ہیں تم خطِ تفتیر دکھا دو
تم چاہو تو ہر رنگ میں تاثیر دکھا دو

گروہ نہیں آ سکتے یہاں تک بلا سے
دیتے ہیں خبر غیب کی گر شیخ جی مست
اکن بان ہے بالکل ہے سوہن کی سنج و یک رنگ

لطفت و کرم یار کے تم پر جو میں حکر
ذوق آج انہیں تم یار کی تحریر دکھا دو

مجھے ابتدا سے سن رسیدہ لوگوں کی باتیں سننے کا شوق تھا۔ ایک بلے نے
ایک دن کہا کہ ہیں تمہارے استاد کی ایک غزل یاد ہے۔ اُن کے لڑکپن کی ہے۔
وہ بیچارہ بے علم تھا۔ اور طول عمر نے بدحواس کر دیا تھا۔ مطلقاً جو کتا گیا
نے لکھ لیا۔ استاد کو لاکڑ سائی تو ہنسے اور فرمایا۔ بہت لڑکپن کی غزل ہے۔
کہاں سے اتنا آگئی۔ سرسری طور پر درست کر کے لکھوا دی۔ اور کہا کہ رکھ چھوڑ
کبھی فرصت میں بنائینگے۔ (بندہ آزاد کتا ہے) کہ کچھ ہو مگر اس کے قافیوں کو
دیکھو کہ کیا کیا جربستہ پہلو سے بیٹھے ہیں۔ اور مضمون بھی صاف بچپن کے
معلوم ہوتے ہیں +

دم نوح تنخِ جفا میں جب قری ہوتا آبِ حیات ہو
تو شبیدِ ناز کو کیونکہ پھر نہ حیات بعدِ مات ہو
جو مذاقِ شعر کو اسے پری میں چکھاؤں تیری فکر ہی
قلم انگلیوں میں جو ہے مری ابھی رشکِ شاخِ نبات ہو
جو میں کرتے میرے لئے دُعا کہ ہو دائمِ عشق سے دل را
تو ہے دل یہ کتا کہ اسے خدا انہیں اس جنوں سے نجات ہو
مجھے کہتے سب ہیں کہ صبر کر جو نہیں تو صبر سے در گذر
سرخس و عشقِ پری میں پر۔ نہ وہ بات ہو نہ یہ بات ہو
سرماء کشتہ ناز کا وہ مزار ہے نظر آ را

پڑھو آج اسپہ بھی فاتحہ چلو داخل حسنت ہو
ترا حسن وہ بت مر جیوں کو ہے صدقہ جپ نہاں زیں
جو دکھائے کُنج تو ہو دن وہیں جو چھپائے منہ ابھی رات ہو

جو ہیں مرتے حسن صفات میں وہ رہینگے اپنی ہی بات میں
تو فنا ہو ذوق اُسی ذات میں کہ جزا ذات جملہ صفات ہو

کوسوں کیا تنگی زما نے کو
قصہ کعبہ کا تھا پھرے اُٹنے
کہ نہیں جائے سراٹھانے کو
چرم کر اس کے آستانے کو
تو کد رتہ ہو تو علق میں ہم
ایک آندھی میں غلگ اڑانے کو

یہاں تک غری ہے اس تمہے بیمار کے تن کو
زیادہ ہوتا ہے پیری میں غربت نفس انکارہ
عجب کیا ہے جو سمجھے طوق گون چشم سوزن کو
پٹ کر مثل طوقِ فاختہ عنقا کی گون کو
کنیز نام شہرت کھینچ لاتی ہے عدم بھی

تصویر کس طرح بھولے ترا اس چشم گریاں کو
نکالوں کس طرح سینہ سے اپنے تیر جانوں کو
نکالے مینہ برستے ہیں مٹی کیا گھر سے مہاں کو
نہ پکیاں لگ چھوٹے ہے دل چھوٹے ہے پکیاں کو
رکھا مہاں ہلانے سے تمہے اُس ماہ تاباں کو
بڑے ہی اُقت کام آیا مرے جس سے یاداں کو

دیکھا دم نزع دل آرام کو
عید ہوئی ذوق دے شام کو

تم سہی دل کرنے غرور سے نکالا سند کرو
اور نہیں گرا مانتے تو جاؤ کالا سند کرو

اٹکباری مری شرکاں کی ذرا دیکھیں تو
کتنے پانی میں ہیں فوارے بھلا دیکھیں تو

یا تو پاس دوستی تجھ کو بت میاںک ہو | یا مجھی کو سوت آجائے کہ تھہ پاک ہو

غیر نے ایسا پڑھایا کچھ مرے محبوب کو | لاکھ جتوں سے پڑھا اُس نے مرے مکتوب کو

پوشاک آبی آپ کو گر دل پسند ہو | دریا پری جا کے شیشہ میں بند ہو

خبر کر جنگ نفل کی۔ تو جمنوں اہل ہاں کو | کباد بتا صبا کچھ اُسے شاخ بید جمنوں کو

جاتے ہیں اب تو کوئے بت لالہ خام کو | اپنا تو بس سلام ہے دار السلام کو
فرماتے تھے کہ یہ ہم نے ایسے خسرو کے شعر کا ترجمہ کیا ہے اور ترجمہ کرتے ہیں تو
اسی طرح کیا کرتے ہیں۔

حق نے بھوکا نہ بانہی اور نہ ہر گان دو | اکھیہ معنے کھایا اے مرے انسان دو

کے ایک جب مَن لے انسان دو | کہ حق نے زباں ایک دی کان دو

نہ شبنم کو کہو بلبل کے آنسو | یہ ہستے ہستے نکلیے گل کے آنسو

ایک دن کئی استادوں کے مطلع منائے اور فرمایا ان کے جواب نہیں۔ لاثانی
رہے۔ انہی میں جرات کا مطلع پڑھا:-

ترشہ گل بازی کا دلا کاشی تم پاتا | انھوں سے جو گزرتا تو وہ انکھوں کی آٹا

یہ ہندوستان کے نوجوان ہیں۔ یہ بھی ایک گیل ہے کہ وہ یاد آئے ساتھ ایک گلاب دیکھنے کے چہل نیکر چند کے
خاموش پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس پر پوچھ گنتا ہے۔ وہ اس پر ۱۰-۱۵ دفعہ براہِ رُو و چل رہی تھی۔ میں نے
انہ سے چہل کر پڑھا۔ وہ بڑھا۔ اُس نے کئی سزا دی تھی کہ کتنے پتھر آٹا انکھوں سے جواہر کے پتھر میں
پلٹے۔ یہ کہ کتنا ہے کاش میرا دل پار کی گھڑی کے کام آتا۔ اگرچہ بہت سی چوٹی کھائی پڑی۔ اور گزرتا
لیکن اُسکے انھوں۔ اور انھوں سے انکھوں تک تو جا پہنچتا۔

پھر فرمایا کہ زکین میں یہ مطلع سن کر ہم نے بھی ایک مطلع کہا تھا۔ مگر زکین ہی تھا بھلا یہ کیا وہ کیا۔ وہ اور ہی بات ہے۔ پھر اپنا مطلع پڑھا :-

پلوں سے اُٹھاؤ گے نہ ہاتھوں سے گراؤ	بتنا ہے تک۔ سب میرے زخموں میں کھپاؤ
-------------------------------------	-------------------------------------

اللہ مغفرت کرے کیا با انصاف طبیعت۔ اور نیک دل لائے تھے۔ دیکھ لو! یہاں ہی حسن قبول بھی اللہ نے اُن کے کلام کو دیدیا ہے۔

اسی میں بقا کا بھی مطلع پڑھا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ دیکھو اس کا بھی جواب نہیں ہوا :-

ہمیں گمراہی کیلئے والا ہوں بقا دہ سے میں	دیکھ آئینہ جو کتنا ہے کہ اللہ رے میں
--	--------------------------------------

ایک دن نئے اور پرانے الفاظ کے استعمال پر کچھ فرما رہے تھے۔ ایک اپنا مطلع پڑھا اور کہا کہ بچپن میں ہم تک اکثر بزرگوں سے سنتے تھے۔ خود بھی کہہ دیتے تھے۔

تک دیکھو اس لذت پکیاں کے اثر کو	جنش میرے اتیک ہے لب زخم جگر کو
---------------------------------	--------------------------------

(آزاد) دوسرے مصرع کو دیکھو کیا چستی سے لفظوں کو بٹھایا ہے کہ ایک کو جنش نہیں ہو سکتی +

مطلع مرقوم الذیل زکین کا کہا ہوا ہے :-

دیا میں تیرے حسن کے بالے میں بھنڈو	اور اس پر غضب یہ کہ پٹھے اس میں گردو
------------------------------------	--------------------------------------

اے ہوز

تو لطف میں کرتا ہے ستم اور زیادہ
قیمت میں بڑھے دل کی دہم اور زیادہ
کہ تو بھی بلبلند آہ علم اور زیادہ
مشتاق شہادت ہوئے ہم اور زیادہ

مرتب ہیں تھے پیار ہے ہم اور زیادہ
دیں کیونکہ نہ وہ داغ الم اور زیادہ
ساتھ اپنے ہے اب فوج الم اور زیادہ
تیز اس نے جو کی تیغ ستم اور زیادہ

لہ ایک سند لوگوں میں عام رہاں نہ ہے کہ تک کو بھینکا۔ یا بے پرواہی سے گرانامع ہے لیکن کہتے ہیں کہ جتنا تک ہے سب میرے زخموں میں کھپاؤ۔ مگر آؤ گے تو آنکھوں سے اُٹھانا پڑیگا +

سرکٹ کے سدا فراز ہیں ہم اور زیادہ
گر شرح جنوں کبھی رستم اور زیادہ
دیتا ہے وہ دم باز جو دم اور زیادہ
گھبرا جویا دیا ترا ہو کے ہم آغوش
پتھر کی رزم شوق نے ناشید جو پیدا
لذت سے محبت کی ہے ہر رزم جگر کو
کرنے کو یہ نہ درق چرخ کو اے دل
کیا ہو دیگا دو چار قوح سے مجھے ساقی
گر میری طرح دوشس پہ ہو بار محبت
دشمن کی نہ جا سید میں لگا ہوں گرجوں تیغ
ہو جس کو پس از مرگ بھی یاد وہن تنگ
اُس زلفت کے مارے کی اگر خاک کو چاٹے
اُس شوخ سنگ کو مری مرگ ہے منظور
ہستی تنگ یا یہ جو پھونکے گی اسی طرح
وہ دل کو چرا کر جو لگے آنکھ چرا نے
کتے ہے مری خاک جلا کر مجھے پامال
دکھلائے جو وہ مید ننگ چشم کی شوخی
آخر سے عشق آنکھوں سے چٹکانی کسی نے
ہے گشت رہماں کا داغ اب کے تجھ بن
جو پیٹ کے ہلکے میں چپے بات کب آن
سہیز سر خار سے نکلا سہ سحر
سید دل عاشق میں ہے سرف وہ کافر

جوں شلخ بڑے ہو کے قلم اور زیادہ
ہو چاک ابھی جیب قلم اور زیادہ
شیش کی طرح پھوٹے میں ہم اور زیادہ
گھبرانے لگا سینہ میں دم اور زیادہ
اُٹھنے لگا قاصد کا قدم اور زیادہ
ذوقی نمک درود الم اور زیادہ
نالہ سے نہیں کوئی قلم اور زیادہ
میں لو لگا ترے سر کی قسم اور زیادہ
ہو پشت خاک میں ابھی ختم اور زیادہ
سید می ہے تو کس میں دم اور زیادہ
تنگ اس کو کرے کچھ عدم اور زیادہ
پیدا دم افنی میں ہو سہم اور زیادہ
ہے زہر نہ کھانا مجھے سہم اور زیادہ
اپھرے گا جناب لب یم اور زیادہ
یاروں کا گیا اُن پہ بھسرم اور زیادہ
کیونکر نہ اُٹھاوے وہ قدم اور زیادہ
ہو آہو نے رم دیدہ کو رم اور زیادہ
بھڑکے ہے جو پوئلشیں غم اور زیادہ
آتا ہے مرا ناک میں دم اور زیادہ
روکیں تو اپھر جائے شکم اور زیادہ
کچھ تو بن وحشت کا قدم اور زیادہ
بے خوف ہے اب صید حرم اور زیادہ

گر سر مر کرے خاک خرابات کو صوفی
اے ابروئے خمدار نہ بترش میں کمی کر
کیا تھر ہے جتنا کہ وہ چاہتے تھے ہے
جاتا ہے شہید ان محبت کا جنازہ
یارب یہ مری نبض ہے یا سوج رم برق
کتنا ہے مراثی و جراحت کے صدفوس
کیوں میں نے کہا تجھ سا خدائی پر نہیں اور
کتنا ہے گلے گلے سرے وہ دم خنجر
اس عاشق بیچارہ کا ہے آج یہ کیا حال
پہیے سر بستر یہ پڑا پاؤں کمان تک
ہے بلخ جاں میں تجھے گر منت عالی
لیتے ہیں ثمر شلخ ثرور کو جھکا کر

ق

ق

سو جھیں اُسے پھر لوح و قلم اور زیادہ
اُن تجھ کو مرے سر کی قسم اور زیادہ
اُتھا ہی اُسے چاہے ہیں ہم اور زیادہ
وہ تم بھی اُٹھا چند قدم اور زیادہ
کیا ہو گا جو ہوگی تب غم اور زیادہ
اس تیغِ دزدوم میں نہیں دم اور زیادہ
مغرور ہوا اب وہ جسم اور زیادہ
وہ عشق کا بھرو کوئی دم اور زیادہ
گریہ سے ہے آنکھوں پہ دم اور زیادہ
بس پاؤں نہ پھیلا شب غم اور زیادہ
کر گردن تسلیم کو غم اور زیادہ
بھٹکتے ہیں سخی وقت کرم اور زیادہ

جو کج قناعت میں ہیں تقدیر پہ شاکر
ہے ذوق برابر انہیں کم اور زیادہ

ورنہ جگر کو رو بیگا تو دھر کے سر پہ اتھ
اُٹھتا ہوں رکھ کے دوش نسیم سحر پہ اتھ
رکھا اگر کسی نے دلِ ناسہ بر پہ اتھ
جیسے گرسنہ مارے ہے حلوے تر پہ اتھ
رکھ رکھ کے نبض عاشق تفت جگر پہ اتھ
مارگی دم میں صبح ترے تاج زر پہ اتھ
تیری نگہ نے صاف کیا گھر کے گھر پہ اتھ
اک مزار کشتیہ تیغِ نظر پہ اتھ

لے ذوق وقت نالہ کئے کہ لے جگر پہ اتھ
میں ناتواں ہوں خاک کا پر واد کی غبار
خط دیکے دل میں تھا کر زبانی بھی کچھ کہے
کہا نا ہے اس مزار سے غم عشق میرا دل
جوں رخ شاخ تو نہ جلا انگلیاں طیب
لے شمع دیکھ بزمِ فنا میں سنبھل کے بیٹھ
چھوڑا نہ دل میں صبر نہ آرام نے غیب
تعالیٰ ہے کیا قسم کہ اُٹھا نا نہیں کوئی

اسے ذوق میں تو بیٹھ گیا دل کو تھام کر
اس ناز سے کمرے تھے در کے کمر ٹانگے

روز آفتیں نئی ہیں دل پر غم کے ساتھ
ہوش و خرد گئی نگاہِ محسوس کے ساتھ
ہے ان کا سادہ پن بھی تو کس کس کے ساتھ
یاد آگیا تراستہ رعنا جو باغ میں
وحشی کو ہم نے دیکھا اُس آہو نگاہ کے
دست جنوں نہ تھے تھے ناخنِ خدا کہ تو
افسردہ دل کئے اسطے کیا چاندنی کا لطف
پایا دیر اثر نہ کہیں شب کو آہ نے
بزمِ صنم میں حضرتِ دل ذکر کب کیا؟
ان ناتواپوں میں بھی یہاں کس سے شوقِ دل
دورخ میں بھی پڑی نہ سیسے کے شربت
گندم ہے سینہ چاکِ فراقِ بہشت میں
لب پر ترے پسینے کی بوند لے عقیق لب
وحشت تو دیکھو بعدِ فنا بھی مرا غبار
دل وہ بلا ہے اور دورخ کو کبھی بچ لے
چشمِ دو دانِ حرص سے کون غیر مرگ
آخر چین سے نگہست محل کر گئی سفسر
ہوں زلفِ عنبر میں کا جو کشتہ تو کیا ہوا
نظرِ تجھ کو کہے یہ لے میرے آفتاب
دلِ افسردہ پہ بھلا نہ ہو نہ ہو

اک زخمِ نازہ روز ہے زخمِ کہن کے ساتھ
اب جو ہے اپنی بات سو دیوانہ پن کے ساتھ
سیدھی سی بات بھی ہے تو ان نگاہ کے ساتھ
کیا کیا پست کے روئے میں مرو چکے ساتھ
جنگل میں بھر رہا تھا فلاں پھینچن کے ساتھ
نکڑے اڑا دے تن کے مرے پر جن کے ساتھ
پیشا پڑا ہے مردہ سا گویا کفن کے ساتھ
سرماتی پھری ہے سپہرِ کہن کے ساتھ
تھی جس چین کی بات گئی اُس چین کے ساتھ
گو یا چین میں اڑ کے نسیم چین کے ساتھ
آتش میں بچ و غم ہیں رن کے رن کے ساتھ
آدم کو کیا نہ ہوگی محبت وطن کے ساتھ
چشمک زنی کرے ہے سبیلِ مین کے ساتھ
باتیں کرے ہے شمعِ سپہرِ کہن کے ساتھ
مارے اگر کند دم شعلہ زن کے ساتھ
بخیر کا تار اُن کے ہے تار کفن کے ساتھ
خانہ بدوش کو نہیں الفت وطن کے ساتھ
لکھ دے کفنِ سیاہی مشکِ ختن کے ساتھ
ہو کوئی تیرہ محبت ترا سایہ بن کے ساتھ
کام اس چراغِ مردہ کو کیا ہے کفن کے ساتھ

جلد اگر مر نہ جائے کوئی خانہاں خراب | لکرا کے اپنا سردر بیت الحزن کے ساتھ

مشکل ہے ذوق دام علائق سے جھوٹا
جب تک کہ روح کو ہے علاقہ بدن کے ساتھ

جنوں کے جیوے پر ہیں خوب چلتے ہاتھ
علاج غیر نے عطاس کو داں تو یاں میری
نہ آیا گور پر میری وہ بے دفا ورنہ
جو چھیرے برق کو یہ تفتہاں تو کسے ہے
اٹھائے وجد میں جباتہ ہم نے عالم سے
مریض سوز محبت کی دیکھت اگر تیغ

سلوک سینہ سے بھی کچھ تو کر لے چلتے ہاتھ
کلیڑیں مٹ گئیں ہاتھوں کی ملتے ملتے ہاتھ
گلے لگانے کو تربت سے بھی نکلے ہاتھ
کہ دیکھو بھگو لگانا نہ جلتے جلتے ہاتھ
تو پیچھے عرش تک کو متے اُچھلے ہاتھ
تو پھر طبع کے بھی آبلوں سے پھلے ہاتھ

کوئی جو کام ہو بہری میں کس طرح ہو ذوق
نہاں ہیں پاؤں نہ جھلنے نہ ہی سنبھلے ہاتھ

رقص ہے چوری کا اور بھیجا ہے ایمان کے ہاتھ | یا الہی کہیں پڑجاو سے نذر بان کے ہاتھ

تو جان ہے ہاری اور جان ہے تو سب کچھ | ایمان کی کیسے ایمان ہے تو سب کچھ

لے لنگاہ مہر سے دل مت بچشم قہر دیکھ | گزادئے سے جو مرے تو مے نہ اس کی زہر دیکھ

کرد ما میرے لئے شیخ مناجات ہیں یہ | کہ خراب اور زیادہ ہو خرابات ہیں یہ

نگہ وہ ترک کہ جس کی نہیں جفا کی پناہ | اور اس کی آنکھ وہ کافر کربخا کی پناہ

زیادہ ہو گا تو نکل سے بھی کہیں روزہ | کہ اس میں آیا تو روزی ہے اور نہیں روزہ

یاے تختانی

بہت پرانی غزل ہے۔ والد مرحوم کے لڑکپن کی بیاض میں لکھی تھی ۱۲۷۲ھ
شعر کو دیکھو۔ وارثگانِ جمع ہے۔ اور بے اضافہ۔ بے صفہ باندھ دیا ہے۔
جب وقت کا محاورہ یہی تھا۔ اور آخر میں ایک قطبہ بھی موجود ہے۔

دل میں مینہ کے جوہر خار سے
جو نگہ ہے کم نہیں طومار سے
کم نہیں دل مرغ آتش خار سے
کوئی بچتا بھی ہے اس آزار سے
ہے مشابہ زخم بھی سو خار سے
چپکے بلبل کے لہو شکار سے
مست جیسے خادِ خمار سے
کم نہیں تارِ رگ گل خار سے
گرم ہے دکانِ آتش کار سے
سی دو آنکھوں کو نظر کئے تار سے
جھڑ پڑیں دندانِ مار سے
گلِ چین میں ہی جگر انگار سے
ہم کو آسکے بعلِ شکر بار سے
جی اُلجھتا ہے غصے کے تار سے
جوں صد آٹا پھرے کو ہمار سے
گر کر باندھے نظر کے تار سے
پھرتے ہیں اک پاؤں ہم پر کار سے

دیں ترے رشکِ خطِ خسار سے
شرحِ فرطِ حسرت و دیدار سے
کائناتِ داغِ آتشِ رخسار سے
باقہ اٹھاؤ عشق کے بیار سے
آفس ہے کیا دل کو تیر بار سے
میرے طرزِ نالہ لے زار سے
یوں نگ بکھے بے چشمِ یار سے
فرشِ گل پر مجھ کو بھر یار سے
آئندہ اس شعلہِ رخسار سے
بے نصیب اسکے میں گردِ یار سے
بارے گریلی وہ زلفِ پُر عرق
خضرِ بوجِ تبسم سے ترے
وائے قسمتِ تلخ کامی ہو نصیب
کرتا ہے دستِ جنوں جب کشمکش
تن کے میری جا بکھی کو کو کہن
یہ بھی اس نازک بدن کو بار ہو
لفظِ خال اس کا سودا خیز ہے

اٹھ چکا وہ ناتواں جب رہ گیا
 توبہ تو بہ کتنا استغفار ہے
 اپنے دامن کو بچ کر جا شیو
 چاہئے جسے محبت میں ہیں
 اب وہ آئے جب نگہ کو ضعف سے
 تیرے ہی پائوں پہ لئے قاتل گرا
 اس مہن کا مکمل ٹھوڑوں بھی اک
 ابر ہے لیکن شفق آلود ہے
 خاک عاشق پر اٹھئے جائے غبار
 ناکوں سے کیا کریں راستہ گرا
 زلف کی قمی سے دل ڈرنا نہیں
 دل کے آئندہ کو گر کر دے گداز
 جو ہر اس سے یوں اٹھائیں جڑ طبع
 بے تیروں کی ہے الفت نقص تمام

دہ کے تیرے سایہ دیوار سے
 وقت تو بہ میری استغفار سے
 برق میرے داد بھی پر غار سے
 کشتی اس کی تیج لنگر دار سے
 کم نہیں مرگیاں کی صف دیوار سے
 سر مرا اڑ کر تری تلوار سے
 منتخب ہے مخزن اسرار سے
 زلف اس کی سرخی رخسار سے
 فتنہ محشر تری زقار سے
 اُبھکے کب دامن صبا کا غار سے
 بھوت بھاگے ہے مگر نہ مار سے
 یار اپنی گرجی رخسار سے
 حرف قرطاس غلط دیوار سے
 لیس ہیں نام غفل آدھا پیار سے

دل کو ہر دم عالم معنی سے ذوق
 ہے خبر آتی نفس کے تار سے

دو برس ہوئے تھے کہ بہادر شاہ با و شاہ ہوئے تھے۔ ادھر سے فرمائش زور پر
 اور ادھر سے طبیعت شور پر۔ کہ شرفاے دہلی میں سے ایک شخص نے شاعر کیا۔
 سخن فہم و سخن شناس تھے۔ اہل سخن سے ارتباط رکھتے تھے۔ بڑے اشتیاق و اعلا
 سے شہرت دی۔ استاد کے پاس آئے۔ اور باصرار آنے کا اقرار لیا (میاں
 صابر بخش کی سرا کے پاس ان کا مکان تھا۔ وہیں شاعر ہوا تھا) استاد مع رخصا
 کے تشریف لے گئے۔ ہم بچے تھے ایسے جلسوں میں جانے کے قابل نہ تھے۔

غالب آئے تو سلام و کلام ہوتے ہی بولے۔ استاد! آج تو جی چاہتا ہے آپ کو کچھ سنا بیٹے۔ استاد لطیف گوئی اور حاضر جوابی کے بادشاہ تھے۔ اور کم نغمی اس بڑھی ہوئی۔ اُن سے عمر میں بھی بڑے تھے۔ اُن کا کہا۔ خوب! بہت خوب!!

غرض مشاعرہ شروع ہوا۔ اور شمع گردش میں آئی۔ لطیف یہ ہم کہ حکیم آغا جان عیش طبابت کا شغل رکھتے تھے۔ مگر غرض کلام اور شیریں سخن۔ شوخ طبع شاعر تھے۔ انہوں نے اپنی غزل میں قلم پڑھا۔ (روئے سخن غالب مرحوم کی طرف تھا) :-

اگر اپنا کہا تم آپ ہی مجھے تو کیا مجھے	مزا کتنے کا جب :- اک کہے اور دوسرا کہے
زبان میرے تھے۔ اور کلام میرا تھے	مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا کہے

ابھی استاد تک شمع نہ آئی تھی کہ حضور کا خواہش پہنچا۔ کہا حضور نے دعا فرمائی ہے۔ یہ غزل دی ہے۔ اور فرمایا ہے۔ اسے ہمارے پاس آکر بنا دو۔ کچھ ہم زبانی بھی کیے۔ استاد نے میرے مشاعرہ کو پاس بلایا۔ اور حال سنا یا۔ انہوں نے کہا۔ آپ کی غزل نہ ہوئی تو مشاعرہ ہو چکا۔ آپ پڑھ کر جائیے۔ غرض جو غزل پیش تھی ختم ہوئی۔ میرے مشاعرہ نے استاد کی ایسا سے خاص خاص اشخاص سے کہ بھی دیا۔ اور شمع سامنے لا کر رکھ دی۔ کہ آپ غزل پڑھئے۔ استاد نے غزل پڑھی بڑی تعریفیں ہوئیں۔ یہ ادھر رخصت ہو کر حضور میں گئے۔ ادھر مشاعرہ برہم ہو گیا۔ ہر شخص یہ کہہ کر اٹھ گیا جو سنا تھا سن لیا۔ اب چلو اور سو رہو۔ مگر کہنے والوں نے یہ بھی کہا کہ میاں یہ تو ایک فقرہ تھا۔ وزن شعر کے لئے! بلانا کہاں تھا۔ اور جا کہاں تھا؟

اتفاقِ تقدیر دیکھو کہ مشاعرہ کو سالہا سال گزر گئے۔ ولی تباہ ہو گئی۔ اب سب سے بڑے میں مجھے کارسز کار کے لئے راہِ لپنڈی میں جا کر کئی میٹیر بنا ہوا۔ وہاں ہر صیت ملی نام ایک پیر کین سال سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ولی کے پڑانے مدرسہ میں تعلیم پائی تھی۔

لے بادشاہی لازم جہد۔ خدا نگار کار و بار کرتے تھے۔ تو اس کو اتنے تھے۔ دیکھ! جمع کا میڈ ہے مگر ادا کیں اور بار کی زبانوں۔ اور دفتر کے کاغذوں میں بیٹھے اور مشغول تھا +

اور والدہ مرحوم سے بھی پڑھا ہوا تھا۔ انہیں جب وہاں میرا حال معلوم ہوا تو مل کر
 بہت خوش ہوئے۔ اکثر آتے تھے۔ اور وقتوں کے حال کہانیوں کی طرح سنا دیتے تھے
 یہ کسی حال میں ہوں کام سے کام تھا۔ اس مشاعرہ کا بھی ذکر آیا۔ انہوں نے
 ماجرا سے مذکورین وعن بیان کیا۔ اور کہا کہ بھئی تمہارے والد مرحوم کے سب سے
 ہم بھی ہمراہیوں میں تھے۔ حضور کا طلب فرمانا۔ اور استاد کا جانا واقعی سب تھا۔
 اور اہل حد نے اس وقت کہا بھی تھا۔ مگر نہیں! بدگمانی تھی۔ میں خوب معلوم ہے۔
 ہم تو اہل راز میں تھے۔ اس وقت مجھے پھر تحقیق ہوا۔ کہ لوگ ان کی سیدی بات
 کو بھی اٹا سمجھتے تھے۔ اور سٹٹا دکھاتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اَعِزِّ ذَا رَحْمَتِ غَزَل
 مذکور یہ ہے :-

اہل کو جو طیبے مرگ کو اپنی دوا ہے
 اسے تیر قضا۔ اس کو پر تیر قضا ہے
 ہم اُن کو دیکھو کیا مجھے تھے اور وہ کہو کیا ہے
 بہاؤں کو نے قابل میں اسی کو خون بہا ہے
 کہ جو زہراب تیغ یار کو آب بقا ہے
 خاک کو ہم کسی کافر کی چشم سر رسا ہے
 اور اس کی بھی نہ ہے وہ تو اُس جنت خدا ہے
 بُرا ہے بُرا ہے بُرا ہے بُرا ہے بُرا ہے
 ہٹیں پتھر سچ پرانی ہم مجھے دکھایا ہے
 ہم اپنی خاکساری اپنے حق میں کیا ہے
 خدا جانے کہیں کیا ہم وہ اپنے دل میں کیا ہے
 مگر شور قیامت کو تری آواز پاس ہے
 تزلزل مار غم تجھ بن موسم جاگڑا ہے

ترے کوچہ کو وہ بیار غم دار الشفا ہے
 نگہ کیا اور غمہ کیا ہم تو دو کو بلا ہے
 غلط فہمی ہاری تھی جو اُن کو آشنا ہے
 شہیدان محبت خوب آئین و فنا ہے
 وہی کچھ تھکا کام اس زندگانی کا مزا ہے
 ہر اک گردش میں سوا انداز ناز و فتنہ زلفا ہے
 ستم کو ہم کرم مجھے۔ جتنا کو ہم و فنا ہے
 بُرائی میں ہاری گروہ اپنا کچھ بھلا ہے
 مجھے اسے سنگدل آرام جان بتلا ہے
 وہ ہم سے خاکساروں کو گرا پانا خاک ہے
 جو کچھ دل پر گزرتی ہے سناٹے ہم اس بت کو
 ترے کشتے جو یوں اب ہم یک یک چوٹے
 نیم صبح گلشن میں اگر ہو دے دم میرے

کہو بس سچا کارواں ہے گسٹ گل کا
نکا و لطف آنکی جب دہاڑا آئی تغافل سے
حساب اعلان پوچھے مجھ سے میخے دل کے زخموں کا
اگر دل کو نکالا چیر کر پکیاں تو رہے دو
کرے آہ رسامیری جو سیرِ عالم بالا
حکایتِ دل کی کتاہوں سمجھتے جھٹکائیے
ہنسے ہے زخمِ دل تندریرِ چراغ کے کدو
ہوا جب می لطف سے موم اس دل شکنِ دل
عدو آیا ہے بن کر نامہ بر لکھا نصیبوں کا
بچھے آتا ہے خاک میں ندے آشامِ پیرانی
نہ آیا خاک بھی ستہ سمجھ میں عمر رفتہ کا
خبر سنتے ہی قاصد دھنے ہم بہ خبر بالکل
نحوت بھی مساوت ہو گئی سوسے نہیں کے
کشاہ کار ہم نے خیمہ قفسِ بر کو سونا
ہلا اس لٹ کے صبح میں ہے مضمونِ پیچیدہ
ہوا نے نزلت کو چھیڑا اور پنادم الجھتا ہے

ہمیں بادِ صبا بھی کہ آوازِ دراز بھی
ہم آنکی نار سائی اپنا بخت نار سائی بھی
حسابِ دوستانِ دروہ اگر وہ دریا بھی
کہ عاشق اپنے پہلو میں اسی کو دل کی جا بھی
تو سینہ کو فلک کے آبلہ سازِ برپا بھی
تمہی کجوزِ رادل میں کہ سمجھے بھی تو کیا بھی
انہیں ٹانگیے زبھی خندہ دندلاں نما بھی
تو اسکے دل شکست اپنے حق میں ہر جا بھی
کر سیکے نے کہ خدا کیا مدعی سے دعا بھی
نہ جو دے ماکہ رہا ہے نہ جو خدا صفا بھی
گر سیکے تو داغِ مصیبت کو نقشِ پا بھی
ترے پیغام کو گویا کہ پیغامِ قضا بھی
گلیمِ تیرہ بختی سر پہ ہم غل ہما بھی
خرو کے تیز ناخنِ ناخنِ انگشتِ پا بھی
اُمسی سے یہ کھلے جو سنے ناز و ادا بھی
کیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے وہ کافر ادا بھی

سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے کوئی بات ذوقِ آنکی
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

نہ دے شراب ڈبو کر کوئی کباب تو دے
اور آگ میں یوہنی دینا ہے گردِ غدا تو دے

کہاں تک کہوں سائی کہ لا شراب تو دے
بجھا تاگر یہ ہے گرسوزِ دل کو آب تو دے

لے جب اس شعر پہ پہنچے تو غابِ مرقوم سے کہا۔ مرزا صاحب! یہ آپ کے خاق کا شعر ہے۔ دہلی
غرض ہوئے اور تفریح کی +

الہی چشم کے خیر کو اتنا آب تو دے
 کھلے ہے ناز سے گلشن میں ٹھنڈے نرگس
 دل برشتہ کو میرے دچھڑائے سبوار
 کمان بھی ہے تیرے خاک میری آتش دل
 تمہارے مطلع ابرو پہ خال کتا ہے
 درتبول ہے درباں نہ بند کردریار
 صبا! بگو رہنے کشکشاںِ ان کی خاک
 شہید کرتا ہے قاتل تو پھر ہے جلدی کیا
 بلا سے آپ نہ آئیں۔ پر آدمی ان کا
 شکا رہشہ فرما کہ تو سے مقدور
 نشہ میں ہوش کسے جگنے حساب کے
 زبان خنجر قاتل نے کیا کیا تجھ سے
 جواب نامہ نہیں گزرتا کہ دو نامہ یار
 ہماری آنکھ سے ہم چشم ہو گا کیا دریا
 بلا سے کم نہ ہو گریہ سے میرا سوز جگر
 خشک لہلہ کی گزشتہ خاک دوزخ میں
 کر گیا قتل وہ لے ذوق تجھ کو سر سے

کہ سر پہ چرخ بھی دکھائی جوں جاتے دے
 ذرا دکھا اسے تو چشم نیکھاتے دے
 جو لذت اس میں ہے ایسا نرا اثراتے دے
 کہو ہوا سے بلا دامن سحاب دے
 کہ ایسا نقطہ کوئی وقت انتخاب دے
 دعا سے خیر ذرا ہونے مستجاب دے
 کہ بعد مرگ بھی معلوم ہیج و تاب دے
 ذرا ٹھہرنے تیرے تیغ اضطراب دے
 تسلی تمکے مجھے وقت اضطراب دے
 ہوا نہ یہ بھی کہ بوسہ سہ لکاب دے
 جو تجھ کو دینے ہوں بوسہ بلا صاحب دے
 دل شہید تو چپ کیوں کچھ جواب دے
 جو پوچھیں قبر میں عاشق سے کچھ جواب دے
 کسی کو بھر کے ذرا کا سر جواب دے
 بھیا پر ان کی ذرا آتش عتاب دے
 پٹے تو واقعی اک بار آگ آتے دے
 نگہ کی تیغ کو ہرنے سیاہ تاب دے

پہنچ رہو نگاہِ نزلِ فنا لے ذوق
 شال نقش قدم کرنے پاتر اتے

حوروں پر مر رہا ہے یہ شہوت پرست
 آئندہ خاک صاف ہے صورت پرست
 تارک نہیں فقیر بھی راحت پرست

کب حق پرست زاہد جنت پرست ہے
 دل صاف ہو چاہئے منہ پرست ہو
 درویش ہے وہی جو ریاضت میں چست ہو

جز زلف سوختا نیلے مرغ دل تجھے
دولت کی رکھ نہ مار سب گنج سے امید
عقائدناں چپا کے ہے بیٹھا برے نام

خفاش تو نہیں ہے کہ غلط پرست ہے
موزی وہ دیگا کیا کہ جو دولت پرست ہے
گم گشتہ کون کتنا ہے شہرت پرست ہے

یہ ذوق سے پرست ہے یا ہے ضم پرست
اکھ ہے بلا سے۔ یک محبت پرست ہے

ز غم دل پر میرے کیوں مریم کا استعمال ہے
قبریں عاشق جو تیرا مضطرب حال ہے
عشق کو گراستھاں پر میرے قصد فال ہے
اب تو جان ناتواں کا مضبوط خیال ہے
ہم نے جانا تھا کھٹ پائیں سے فال ہے
ابر برسوں رو چکا پر ہوز غم سے اب تلک
میرے دو دو آہ سے یا تنکنا نہ ہے سیاہ
میں مجنوں ہوں کہ میرا کاغذ تصویر بھی
جبکے ہے دل میں کسی کی فکر شکار کا خیال
جوش گریہ کا مرے غم کچھ نہ پوچھو اجرا
دل پہ ہوں گراؤں سوڑیں شیں کو کہن
کساؤں میں بڑا خوش بن کیونکہ دل محنت سے
میں جہاں فن تمنا کے کشنگان زلف کے
شوخی قافل کرے آلودہ کیوں نہ پان سے
خند توں سے کہنی ل خوں غما کہ میری خاک پر
اس کی شکر کا کہوں ہوا کہ جسکے پاؤں میں
آئے وہ شاید عیادت کو کہ با مضبوط حال

خساک اگر منگے تو کیا ہوں کا بھی حال ہے
لوح بالیں پر بھی کسا سورہ زلال ہے
جوش داغ دل ہجوم نظر رتناں ہے
لب تلک بھی اس کو آجانا ہر سال ہے
لیکن اب کیا سویرے دل پامال ہے
خاک میرے چمکی اٹھیں ہیں جیسے آل ہے
آفتاب آسمان ڈھکی کے منہ کا خال ہے
شل عیدی باعث خوشنودی افعال ہے
نشتہ زنجور ہے تن پر مرے جواب ہے
چادر آب رواں منہ پر مرے رومال ہے
پیر تو خسرو کا بھی گنج سوختہ کیا مال ہے
جو رنگ پاں ہے مجھ کو شیر کا سا بال ہے
نخل کی جا بید مجنوں ہے اُن کا بال ہے
خون اجماز میسا سے لباس کا لال ہے
نوکر برگ سبزہ جوں منقار طوطی لال ہے
گردش رنگ پری سے طلقہ خفناں ہے
آئی مڑگاں پر نظر بھی بہر استقبال ہے

بخود مڑگان آہوشیر کا چنگال ہے
 دیکھ لوسباب بن آئینہ بے مثال ہے
 دور ساغر ہم کو ساقی گردش یکساں ہے
 نامہ ہے جس برجیں قاسم شکستہ حال ہے
 اب کہے پردا ہے سوچے ہر اک مثال ہے
 ہے نفس فوسین چاک اور دل شک جال ہے
 نامہ بر کا اس قدر اپنے شکستہ حال ہے
 شعلہ تجوالساں طوق گلوتک لال ہے
 کیسہ بنی تصویر مجنوں کی ترے اشکال ہے

وادی وحشت میں بھی جا کر نہ دل پنا کھلا
 دل میں شکل یا رکب آئے نظر بے نظراب
 بسکہ ہے نوروز اپنا آفتاب بادہ سے
 پوچھتے کیا ہو شکستہ دل کو صورت دیکھ لو
 بار عشق اس گل کا سر پر مکہ لیا جو ہوسو ہو
 غم نہیں حیا کو ورنہ مری فریاد سے
 کمل کھیا مضمون شکستہ دل بے خطہ کے کھیلے
 ہے اسیران محبت کی بلا سینہ میں آگ
 ہوتے ہیں احصاے بوسیدہ تصور سے جدا

روز محشر سے کئی دن دیکھنے کو چاہئیں
 گر بھی لے ذوق طول نامہ اعمال ہے

فراتے تھے کہ جوانی کا عالم تھا اور طبیعت میں عجیب ہی دن تھے کہ مدرسہ علامہ علی المبین خاں
 کے وسیع کوشے پر مشاعرے ہوتے تھے۔ نواب امیر خاں سرکار انگریز سے عہد نامہ
 کے لئے دہلی میں آئے۔ شہر کے لوگ دیکھنے کو دوڑے کہ باہر پنڈارے کا
 لشکر پڑا ہے۔ ہم بھی مدرسہ میں گئے۔ تمہارے والد وہیں تھے۔ کونٹے پر جا بیٹھے۔
 دور تک خیے ہی خیے نظر آتے تھے۔ ہم نے صبا ل یہ غزل کہی۔ کئی دن کے
 بعد مشاعرہ ہوا۔ لشکر کے لوگ مسجد مدرسہ میں نماز پڑھنے آیا کرتے تھے۔ انہیں بھی
 مشاعرہ کی خبر ہوئی کہ مات کو جلتا ہے۔ سب آئے۔ دوستوں کی فرمائش سے
 ہم نے یہ غزل بھی پڑھی۔ بیچارے برسوں صحرانوردی میں تھے اور اسلام کے نام
 سے ہر کام کرتے تھے۔ اب خطہ صلیح میں آکر اسے چھوڑنا تھا۔ سب ل شکستہ تھے۔
 اکثر اشعار غزل کے انکی صورت حال دکھاتے تھے۔ بڑی قریبیں ہمیں یاد رہی اور م والے
 شعر پر تو اللہ اللہ خوب غلطی اور ولولے ہوئے بات نہ سنائی دیتی تھی :-

موعے سب ارادین یہ کا ایک سراسر لشکر ہے
 مانگ جو ہے اک مار سفید اس لشکر کا سر لشکر ہے
 آبدائے سینہ جو عجم سے دکھائی دیتے ہیں
 مرزع دل پر میرے پڑا کیا غم کا آکر لشکر ہے
 ہووے دل مظلوم ہمارا کیوں نہ شہید و شہت بلا
 درپے اس کے شامیوں کا وہ زلف مغنہ لشکر ہے
 درویش موذی زحمت کش کو کیونکہ نہ ایذا جمع ضیف
 دشمن بار زخم رسیدہ مور کا اکثر لشکر ہے
 کہہ تو یہ خدا ہی رکھے آج - کر جو شش ابر نہیں
 ایک اصحاب الغیل کا سایہ دوش ہوا پر لشکر ہے
 میں وہ شاہ کشور غم ہوں یار و جس کے ساتھ سدا
 فوجیں لشکر کی موجیں ہیں اور بہتا سمندر لشکر ہے
 ۲ گاہ ہجوم یاس میں ہے دل - گاہ ہجوم حسرت میں
 ہے یہ مرد سپاہی پیشہ پھر تا لشکر لشکر ہے
 خال چشم جاناں کا مڑگاں سے جھل دیکھ تو
 اُترا پشت پہ ماہی کی کیا لے کے مکندر لشکر ہے

ہووے امام برحق پیدا ذوق اگر تو دیکھ ابھی
 ہوتا گردِ اسلامیوں کا جوں سب کو ہر لشکر ہے

اس میں کچھ انگور بھی باقی تھے سور کو کب بنے
 تباہ قربانی صراطِ عشق پر مرکب بنے
 تیرہ روز آکرافت پر سوختہ کو کب بنے
 گردِ بھنوں آنکر لیلے کا ہم کب بنے

میری کستری تھی جس سے سب گرد بنے
 دل کو رکھ دو گنیمت شیر پر گڑھ بنے
 خال لے غور شید رو بخ پر تھاوے کب بنے
 کیونکہ تعلیم نیاز و ناز ہو گیا ہسم

خونِ تصویر بھی کھل کر جو عقدے اڑے ہوں
ہے سیکاری سے نامریاں تنگ اپنا سیاہ
سر نہ چشم کا کب کیوں بنا اسے دود آہ
صحت جیسے بنائیں کیا گدھے کو آدمی
مردیوں کو حق نہ دے تاکہیں کرتا لادیں بلا

اے قسمت وہ ہمارے عقدہ مطلب بنے
روزِ عشر پر پڑے گرسایہ اس کا شب بنے
ایسا کا جل بن کر جس اس کا خال لب بنے
جکے جوہر میں ہر نادانی وہ انسان کب بنے
میں حکمت تھی کہ معدوم البصر مغرب بنے

عشق ہے اے ذوق وہ کافر کہ جبکے اتھ سے
شیخ صنعا سا مسلمان رند بد مشرب بنے

لیتے ہی دل جو عاشق دلسوز کا چلے
تم چشم سر مدگیں کو جو اپنے دکھا چلے
دیوانہ آکے اور بھی دل کو بنا چلے
ہم طعت سیر مرغ جاں خاک اڑا چلے
غیروں کے ساتھ چھوڑ کے تم نقش پا چلے
دکھلا کے جھک کر گس بیار کیا چلے
اے غم! مجھے تمام شب بھر میں نہ کھا
دل بے غم و حسن نہیں پر نہ رکھے پاؤں
کیا لے چلے گلی سے تری ہم کہ جوں نسیم
افسوس ہے کہ سایہ مرغ ہوا کی طسج
قائل جو تیرے دل میں رکاوٹ نہ ہو تو کیوں
ہے گل کا دل تو سنبھل بیچاں کے دم میں
ہو کر سوار تو سن مسرہواں پہ آہ
بر نہ ہو گیا مرا شاید کہ جامِ غم
سلجھا میں نہ لیں کیا لب دریا پہ آپ نے

تم آگ لینے آئے تھے کیا آئے کیا چلے
بیٹھے بجائے خاک میں ہم کو ملا چلے
اک دم تو خیر وادہ کر کیا آئے کیا چلے
شوقِ وصال دل میں لئے یار کا چلے
کیا خوب پھول گور پہ میری چڑھا چلے
آوارہ خل آہوئے صحرا بنا چلے
رہنے دے کچھ کہ صبح کا بھی ناشا چلے
مانند آفتاب وہ بے نقشب پا چلے
آئے تھے سر پہ خاک اڑانے اڑا چلے
ہم جس کے ساتھ ساتھ چلے وہ جدا چلے
رک رک کے میرے حلق پہ خنجر ترا چلے
کیا اڑ کے تجھ سے طائرِ نکبت بھلا چلے
ہم اس سوائے دہر میں کیا آئے کیا چلے
تم دقت نزع مجھ سے جو ہو کر خفا چلے
ہر صبح شل مارسیہ تم بنا چلے

دنیا میں جیسے آئے۔ رہا عشق گل رخاں
قائل سے غل کیا ہے کہ جانبر ہوا پناہ ش
فکر ناعت اُن کو شیتہ ہوئی کہاں
آلودہ سرمہ سے نہ ہوئی چشم میں نگاہ
کیا دیکھتا ہے ہاتھ مرا۔ چھوڑ دے طیب
لے جائیں تیرے کشتہ کو جنت میں بھی اگر
اُس سے آتشیں کے قصور میں یاد زلفت

ہم اس جاں میں شل سبا خاک کُٹا چلے
گر اُنکے شل غائر رنگب خا چلے
دنیا سے لیں لے کے جو حرص ہوا چلے
دیکھا جہاں سے صاف ہی اہل صفا چلے
یاں جان ہی بدن میں نہیں نبض کیا چلے
پھر پھر کے تیرے گھر کی طرف دیکھتا چلے
ہے کیا غضب کر آگ لگے اور ہوا چلے

اے ذوق ہے غضب نگہ یار اسفیظ
وہ کیا بچے کر جب سپر یہ تیر قضا چلے

استاد کا قاعدہ تھا کہ وضو کے بعد ایک سوٹے پانی سے برابر تمکیاں کرتے تھے۔ بچپن
میں دیکھا کرتا تھا۔ تو ہنسی آتی تھی۔ جب بڑا ہوا تو ایک دن میں نے سبب پوچھا۔ فرمایا۔
دیکھتے ہو زبان سے کیا کیا نکل جاتا ہے؟ خیر یہ بھی ایک بات ہے۔ پھر ذرا نکل گیا
اور یہ مطلع پڑھا۔ میں نے لکھ لیا۔ اُس دن تو مطلع ہی طبع ہوا۔ پھر غزل ہو گئی :-

پاک رکھ اپنا دہاں نہ کر خضائے پاک سے
جب جہنمی تیر جواوٹ کی کہاں افلاک سے
جس طرح دیکھتے تھیں سے باغ کو مرغ اسیر
تیرے صید نیم جاں کی جان بکھے کس طرح
میشاد و زخ میں بہا میں غلہ کی کیا کروں
آفتاب حشر ہے یارب کو بھلا گم گم
چشم کو بے پردہ ہو کس طرح نظارہ نصیب
بیت ساقی نامہ کی لکھو کوئی جلے دعا
عیب ذاتی کو چھپائے گا نہ حشر عارضی

کم نہیں ہرگز زباں سنیں ترے سما کے
خاک کا تودہ بنا انسان کی مشت خاک سے
جھاکتا ہے دل تجھے یوں سینہ صد چاک سے
یہ تو وابستہ ہے تیرے امن فتراک سے
داں کی آتش ہو جو دھکے موٹے آتشاک سے
اٹکے غمیں مل جلوں کے دیدہ نناک سے
کرنا وہ پردہ نشیں پردہ تو ہے اور رک سے
سے پرستوں کے گمن پر کلک چوب تک سے
زیب بداندام کو ہو ذوق کیا پر خاک سے

لگتا ہونہ کچھ کچھ کر مرا ہزار دامن
 خبروں جیب کی یامیں ہوں ہزار دامن
 لگی ہے اس تنہا میں مے ہر خار دامن
 لگے اس شعلہ فو کے کون مجھ سا زار دامن
 کہے گردھوتے دھوتے تو جدا ہزار دامن
 کیا تو نے کنارہ کچھ اور انھوں دشت کے
 تہلے جلہ رخ کے جو بسمل خاک پر لوٹیں
 ہوا بے پردہ وہ پردہ نشیں تو یوں کیا پردہ
 دی دنیا ہے اس کے اسطے جو قطع ہے کن
 اب اکھ شعلہ جہت میں بہت دریا لوگتے ہیں
 کھنڈ ہو وہ گل کیا کیا جو نادانے لگ جانے
 مجھ اگر سر ہوتن سے اور جدا ہوں تہ شانوں کے
 اترا جہنم زار اتنا گراں جاں ہے نہ آٹھنے دے
 پھر نہ کہنے چھوٹے کوئوں اپنے نذر دشت میں
 جلیگئے آتش رنگ خالص پاتے گھر کتنے
 دکھانے صدہ زنجیر نے یہ پاؤں جنوں کے
 عزیز اسلاف نہیں سرا یہ بہت کو کہ دریا نے
 مرقی بھی غلط کو نہیں دیتے ہیں آرائش
 سربت کو کہن کا خون گر کر جلے پتھر میں
 فرشتے تیرے امن کو بنائیں جاننا ز اپنی
 مے پاؤں کھالے ہوتے ہی کیا کیا شکستہ دل
 مرا آنسو ہے دھڑلہ بیلہ ہو بدن مارا

نہ دامن خار سے چھٹے نہ چھوٹے خار دامن
 جنوں لگے میں ناخن جیسے اور خار دامن
 کروں دستار میں گر ہر عطا کثرت دامن
 کیوں آجھا ہے اب تک ق کے بھی خار دامن
 نہ چھوٹے خون پر تیرے سے غمخوار دامن
 گریاں بکنار اگر ہوائے یار دامن
 تو پریاں آگے تو نہیں پری خار دامن
 بنایا دریاں اک پردہ دیوار دامن
 نکل سکتا ہے کوئی آستیں کا کار دامن
 گرے تھانک کے قطرے سے دوچار دامن
 ذرا اگر نسیم دامن گلزار دامن سے
 جدا ہو پر نہ اتنا اپنا ترے سے یار دامن
 پٹ جائے اگر صبر کے شل خار دامن سے
 ذرا تم باندھ کیڑا من کسار دامن سے
 دکھائینگے ادا جب گرمی رفتار دامن سے
 کہ صد دل پہ ہوتا ہے دم رفتار دامن سے
 گرہ دیکر نہ باندھا گوہر شہر دامن سے
 گلستان پر نہ چھتا ہے کب سناں دامن سے
 بکالے رمل ہی پتھر کی جا کسار دامن سے
 اگر دھو ڈالے تو داغ سے پندار دامن سے
 جو کوئی ٹوٹ جاتا ہے ابھج خار دامن سے
 خدا ناکرہ لگ جائے گر لے غمخوار دامن سے

ترے مجنوں کو سنا جاوے عیاں تنی زیا
یہ تجھ بن اکلاری ہے کہ آنسو پھینتا ہوں
کائنات کو ہم طفلی کر جب امن سواروں میں
مرا وہ گر یہ غم خندہ عشرت سے بہتر ہو
میں آلودہ امن ہوں بنائیں تارِ سجود کا
یہ صیدِ ناقصاں محل پر افتادہ آڑ جاسے
ہوا چٹکے کی خرابی ہے بڑا ایک کیش میں
نگاہِ بوالہوس آنسو ہی ہے تیرے ناک اڑانے کو

کہ جبکہ آتیش سے ننگ ہے اور عارِ دامن سے
کبھی تو آتیش سے اور کبھی لے یا دامن سے
تھے ہم تیار کرتے تو سن ہوارِ دامن سے
اگر آنسو مرے پونچھے گلِ خیاں دامن سے
فرشتے پاکِ دامن لے کے تیرے تارِ دامن سے
لگلے گر نسیمِ دامن کسارِ دامن سے
کریں سو فتنہ خوابیدہ کو بیدارِ دامن سے
چھالے لے پریر و شعلہ زخارِ دامن سے

زمین کی دل جلانے کی ذوقِ مہایوں سے لاداری
کہ کب قانونِ پونچھے شمع کا رخسارِ دامن سے

ہوں لیزِ غمِ جہان کے قات ایک شمع کے بوجھ سے
تقاؤ رہنا کبھی پر اب ہوس کے بوجھ سے
بد نصیبی سے مری اس بام پر ٹوٹی کند
شائع گل کیا مال ہے گرم گراں مانی پائیں
مت لگائے عشقِ دل کے آبلہ پر نقشِ غم
سر جھکاتے ہیں آناد اپنا کب مانند مرد
یہ ایسیری میں گراں خاطر میں جاتا ہے ٹوٹ
زندہ تو ڈو ڈو ہے اور تیرے ہے مردہ آبیں
بانہ دھونے ناک کی گردن میں لال لالین تیس
نکلے دنیائے کہاں حق اٹھا کر بارِ حوس
اپنے دامن میں نہ لے میری گلِ نعتِ جگر
کیا ہوا دل نے لیا اگر ایک کوہِ منہمک

ہے کبادہ جڑ پک جائے گس کے بوجھ سے
جھللا تا سا ہے شعلہ اک نفس کے بوجھ سے
ورنہ میں کیا وہ نہ ٹوٹے مجھ سے کس کے بوجھ سے
ٹوڑے لو ہے کے حلقے کو نفس کے بوجھ سے
ٹوٹ جائیگا یہ گنبد اس کلس کے بوجھ سے
ہے بکساری جنہیں بارِ ہوس کے بوجھ سے
آہنی قلاب بھی میرے نفس کے بوجھ سے
بوجھ شاید جسم کا کم ہے نفس کے بوجھ سے
یہی اس کا بوجھ ہلکا ہے جس کے بوجھ سے
یہ گدھا تو رہ گیا دلدل میں ہمیں کس کے بوجھ سے
جی دھر کتا ہے کہیں جی نہ سکے بوجھ سے
یہ نہیں لے ذوق دبتا ایسے کس کے بوجھ سے

سر وقت بیچ اپنا اس کے زیر پائے ہے
 رخصت کے زنداں! جنوں بغیر کھڑکائے ہے
 واہ و اشور محبت خوب ہی چھڑکا تک
 دم کی ہے سینہ میں اگر صنعت یہ گفتگو
 بس کرم سوز دروں میں جان بچنے کی اور جگر
 بل بے اعتنا کہ وہ دیاں آتے آتے رہ گئے

یہ نصیب! اللہ اکبر۔ لوٹنے کی جائے ہے
 مرثوہ خادوشت پھر تلوار اکھلائے ہے
 استخوان سیر ہا کس کس مرثیہ سے نکلائے ہے
 دیکھئے لب تک اس طرح سے بچائے ہے
 رحم جوش گر یہ چھاتی پھل بھی جگر نے ہے
 آنکھ بیتابی کہیاں تو مہی نکلا جائے ہے

نزع میں بھی ذوق کو تیرا ہی بس ہے انتظار
 جانب در دیکھ لے ہے جبکہ ہوش آجائے ہے

زخمی ہوں ترے ناوک و زویدہ نظر سے
 ہم خوب میں اوقت ترے انداز کر سے
 گراپ کے پھر ہے جیتے وہ کبر کے سفر سے
 لبریز مئے صاف سے ہو جام بلوریں
 سرمایہ امید ہے کیا پاس ہمارے
 وہ حلق سے پیش آتے ہیں فیض سانیا
 حاضر ہیں مرے تو میں حشت کے جلو میں
 فریاد دستکش ہے وہ شمشیر کشیدہ
 آنکھوں پر جہین کے چلے ہم پر سوسے دست
 اللہ سے وحشت کہری شو کروں ہی میں
 کچھ رحمت باری سے نہیں دود کہ ساقی
 کشتہ ہوں میں کس چشم پیست کا یارب
 کشتہ نہیں دل بند ہی رہتا ہے جیش
 نالوں کا اثر ہے مرے پھر ڈاسا ہے کٹنا

جانے کا نہیں چور مرے زخم جگر سے
 یہ تار نکلتا ہے کوئی دل کے گھر سے
 تو جانو پھر ہے شیخ ہی اللہ کے گھر سے
 زمرم سے ہے مطلب بے صفائے جگر سے
 ایک آہ ہے سینہ میں سو فوید اثر ہے
 میں شاخ ثمر دار میں گل پہلے ثمر سے
 باندھے ہوئے کسا رہی امن کو کمر سے
 جس کا نہ رکے وار فلک کی بھی سپر سے
 مقصود رہ کعبہ ہے دریا کے سفر سے
 پتھر ہیں پہاڑوں کے اڑے جلتے شمر سے
 ردویں جو زراست تیرے بارے برے
 مستی ہے ٹپکتی مری تربت کے شجر سے
 کیا جانے کہ آجاتا ہے تو اس میں کدھر سے
 کیوں دیم سدا بھلے نہ آہن کے جگر سے

اے ذوقِ روشنی میں ہے خضر و مسحا
ہجومِ جوئل آئے کوئی گردِ سفر سے

کھینچے اے کششِ الفت کیا دیر لگائی ہے
یاں آنے میں یا نیت کیا دیر لگائی ہے
دکھلا دے کیس صورت کیا دیر لگائی ہے
اے دلبرِ خوشِ قیامت کیا دیر لگائی ہے
ہے تجھیں اگر خجرات کیا دیر لگائی ہے
تھوڑی ہے یہاں نصرت کیا دیر لگائی ہے
باز جو کمر ہست کیا دیر لگائی ہے
لاحول ولا قوت کیا دیر لگائی ہے
اللہ بے تری غفلت کیا دیر لگائی ہے
ساقی نے دمِ عشرت کیا دیر لگائی ہے
اے سوزِ غمِ فرقت کیا دیر لگائی ہے
لواٹھو کہیں حضرت کیا دیر لگائی ہے
تو اے دل پر حسرت کیا دیر لگائی ہے

آیا نہ وہ رطلت کیا دیر لگائی ہے
قاصدِ توبِ آتہ ہے پر پکیا بل نے بھی
آنکھوں میں چمکے دم تیرے - بیارِ محبت کا
آنا بھی کہیں تیرا - آنا ہے قیامت کا
پر واز سے کتنی ہے شمع کہیں جل چک
کن فکر میں ہے ساقی - اے بادہ جو ہے باقی
ہے تیغِ بخت قاتل - تم مرنے پر جاننا زور!
گر قتل ہی کرنا ہے - قاتل کہیں کر جلدی
یاں وعدہ بھی آپہنچا - توبہ تک آتا ہے
بے بادہ گلستاں ہیں - پیتے ہیں لہو یکیش
اے پھونک کہیں دل کو بدمست ٹٹکتا ہے
بالیں پہ کما میری - ہنگامہِ محشر نے
اُسکے لبِ خنجر کا لینا ہے اگر بوسہ

اے ذوقِ شہیدانہ کو کرتے ہیں کئی عاشق
کرتے ہو اگر سبقت کیا دیر لگائی ہے

تو نے مارا عنایتوں سے مجھے
غیر تیری حمایتوں سے مجھے
خط وہ کن کن کنایتوں سے مجھے
آیتوں سے - روایتوں سے مجھے
نبی شوقِ ان حکایتوں سے مجھے

خوب رو کا شکایتوں سے مجھے
کیا کہوں کہ ہے جس کی کیا کچھ
بات قسمت کی ہے کہ کہتے ہیں
واجب القتل اس نے ٹھیرا
حالِ مہر و وفا کہوں تو کہیں

دشمنوں کی رعایتوں سے مجھے	مجھے ہے واجب رعایت دوست
شوق کم ہے کفایتوں سے مجھے	گدہ و اشکوں کیوں ہو کرتے کسی
ہوا نقصان کفایتوں سے مجھے	کئی گریہ نے جہلا دیا دل

لے گئی عشق کی ہدایت ذوق

اُس سرے سب نہایتوں سے مجھے

اپنی کس بے گز کو مارا سمجھ کے تھائی نے گشتی ہے
 کہ آج کو چہ میں اُس کے شورِ پائی دُنبِ قتلّتی ہے
 غمِ جدائی میں تیری ظالم۔ کہوں میں کیا۔ مجھ پہ کیا بنی ہے
 جگر گدازی ہے۔ سینہ کا دی ہے۔ دلخراشی ہے۔ جاکنی ہے
 زمیں پہ نورِ قمر کے گرنے میں صاف اظہارِ روشنی ہے
 کہ ہیں جو روشنیِ نیران کا فروغ اُن کی فرد تنی ہے
 بشر جو اس تیرہ خاکداں میں پڑا یہ اُس کی فرد تنی ہے
 وگردِ قذیلِ عرش میں بھی اُسی کے جلوہ کی روشنی ہے
 ہوئے ہیں تر گریہِ ندامت سے اس قدر آستینِ دامن
 کہ میری سرد اسی کے آگے حقِ حق پاک دانی ہے
 ہوئے ہیں اس نانیِ سادگی سے۔ ہم آشا جگتِ آشتی ہے
 اگر نہ ہو یہ تو پھر کسی سے۔ نہ دوستی ہے نہ دشمنی ہے
 لگا نہ اس جگہ میں تو دل۔ یہ ہے ظلمِ شکستِ فاضل
 کہ کیسا ہی کوئی خوش خیالِ صدم ہے آخر شکستی ہے

رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۶۶ء) شہنشاہِ ہندوستان۔ قاری ہیں ایک حمد و شہسوی ہے۔ پٹنہ، بنگالہ۔
 سکندر نامہ کی طبع تعلیم میں داخل تھی۔ اب اس کا رواج نہیں رہا۔ یہ اسی کی طبع اشارہ ہے۔ کون
 سمجھتا ہے اب ان اشاروں کو۔ خواجہ حافظ نے بھی کہا ہے۔
 بافتہ سکندر و دانا نہ خواندہ ایم از نا بجز نکایست ہندوستان پیرس

نہیں ہے قلن کو خواہش زر۔ وہ مناسی ہیں بھی ہے تو نگر
 جہاں میں مانند کیا گر۔ ہیٹے محتاج و دل فنی ہے
 کوئی ہے کافر۔ کوئی سلاں۔ چہا ہرک کی ہے راہ ایماں
 جو اس کے نزدیک بہری ہے۔ وہ اُسکے نزدیک ہزنی ہے
 تکلف منزلِ محبت نہ کر۔ چلا چل تو بے تکلف
 کہ جا بجا خار زارِ وحشت سے بھر دافرش سوزنی ہے

خندنگ مرگاں سے ذوق اسکے دل اپنا سینہ پر ہے جب سے
 شال آئینہ سخت جانی سے سینہ دیوار آہنی ہے

جان کشنی قنصلے لڑتی ہے شمع تجھ بن ہوا سے لڑتی ہے دیکھو! احمق خدا سے لڑتی ہے اک بلا۔ اک بلا سے لڑتی ہے کیا کسی آشنائے لڑتی ہے چھوٹ کس کس! اسے لڑتی ہے موت کیا کیا شفا سے لڑتی ہے عشق میں ابتداء سے لڑتی ہے یہ لڑاکا سدا سے لڑتی ہے چھیننے آبِ بقا سے لڑتی ہے جب کسی پار سے لڑتی ہے	آگہاں پر جنا سے لڑتی ہے شعلہ بھڑکے گا کیا بھلا سرِ نرم قسمت اُس بُت سے ہالڑی اپنی صفِ مرگاں قری خدا کی پناہ شورِ قلقل یہ کیوں ہے دخترِ زر نگہ ناز اُس کی عاشق سے ترے بیمار کے سبب بالیں آج کتے ہو کیا طبیعت کو زالِ دنیا نے صلح کی کس دن تیری شمشیر خوں کی چھینٹوں سے دیکھو اس چم سے کی خوشی
---	--

ذوقِ دنیا ہے کمر کا بیداں

نگہ اس کی دغا سے لڑتی ہے

دُور تا ہوں ل سے میں یہ بڑا ہم معاش ہے

دل کی معاش غم۔ اسے غم کی تلاش ہے

اس تگدہ میں کون ہے کافر تر سے سوا
 ہوتی دیال دوش نہیں عاشقوں کی خاک
 بر خیز صد نشاط ہے شل ہلال عید
 کرتے یہ اشک و آہ ہیں حکیم کی عیبت
 دنیا لہر پر جو سر رکے دانہ ہے خال کا
 کیا شاد کو خفیت ہے کرتی زبان خلق
 دنیا سے بھی آٹھے تو دبستر سے کٹ سکے
 ہے کس مزہ سے عشق میں اپنی ہوئی بسر
 برزش میں اب تو خضر خدار سے بھی تیز
 مسکن پذیر آج سے دل میں نہیں ہے غم

توبت پرست بت بھی ہے ادرت تراش ہے
 اڑ جاتی شکر وہ میں تھی ان کی لاش ہے
 سینہ میں جو ناخن خنسم کی خراش ہے
 ہو جاتا رازِ دل تو نگاہوں میں لاش ہے
 دیکھو! وہ دست چشم منوگر میں لاش ہے
 شاہ لاش جس کو کہتے ہیں شاد باش ہے
 تیرا مرض عشق جو صاحب فراش ہے
 افسوس لب پہ نہ کہی دل میں کاش ہے
 اس شوخ کج ادا نے نکالی تراش ہے
 روز ازل سے اسکی ہمیں بود و باش ہے

اے ذوق جانتا ہے وہ ہمدرد ہمدرد
 دل جس کا پارہ پارہ جگر پاش پاش ہے

ہے تیرے کان زلفِ معبر لگی ہوئی
 ترگاں سے تیری لاگ پٹل پر لگی ہوئی
 چائے بغیر خون کوئی رہتی ہے تیری تنگی
 بیٹھے بھرے ہوئے ہیں خم سے کی طبع ہم
 بیت کو غسل دیجو نہ اس خاکسار کی
 جیسے بھی پاس ہے نہیں مکن مگر شفا
 میرا گل امید شگفتہ ہو کس طرح
 گل میدی کیوں باغ میں ہو پائمال شگ
 کرتی ہے زیرِ برقع فانوس تاک جہانک
 یہ چاہتا ہے شوق کو قاصد بجائے مر

رکھے گی یہ نہ بال برابر لگی ہوئی
 اک پھانس ہے کلچے کے اندر لگی ہوئی
 بے ڈھب ہے اس کو چاٹ شکر لگی ہوئی
 پر کیا کریں کہ مہر ہے منہ پر لگی ہوئی
 ہے تن کو خاک کو پٹے دلبر لگی ہوئی
 خورشید کو وہ تپے خاک پر لگی ہوئی
 دل کی گرہ ہے اس کی گرہ پر لگی ہوئی
 پاؤں میں تیرے دیکھے خار لگی ہوئی
 پروانہ سے ہے شمع منقہ ر لگی ہوئی
 آنکھ اپنی ہو لفظ اند خط پر لگی ہوئی

منہ سے لگا ہوا ہے اگر جامِ مے نوش کیا ہے دل سے یاد سانی کو ٹر گئی ہوئی

اسے ذوق اتنا دخترِ رز کو نہ ملے گا
بجستی نہیں ہے منہ سے یہ کافر گلی ہوئی

بجھ سے کچھ پھر نہ غنا پڑ مست کھرنے
تھمک کچھ یاد بھی ہیں پہلی وہ لغت کے مرنے
بے محبت نہیں لے ذوق شکایت کھرنے
کھائے کوچ میں ترے آگے جو رنگِ طفلان
گنتی مرچیں ہی کیا ہوں کو ہیں سن کر کیا کیا
صرف ہرزخمِ بگڑتا نہ ہو صد کان نہ کہ
لختِ عشق میں ہو۔ کاشِ تناسخ ہی سہی
دیکھ کر اس کو گویا عالمِ حیرت میں تو میں
سجدہ ہیں بے غم سے پہنیں کس لعلِ مست
پھولِ گلشن میں ہنسے کر کے زہ اپنا برباد
جان شیریں بھی گئی اور نہ ملی شیریں بھی
اہر و باراں کھرنے کیونکہ نہ نوشِ میخوار
ہے نکٹشِ جہنم نہیں کئے ہل نکیس
تھمے جتاؤں جو محبت تو ہے کتنا کتنے
ذائقہ چاشنیِ عشق کا کامل ہو تو دیں
نہیں جڑ بے زرگی کوئی مزا دنیا میں
خبر ناز کے کیا جاٹ لگائی دل کو
بے مزاجی کو کرں لاکھ ترے ظلم و ستم
ہمیں بیٹا زخم کا انگور مبارک لے ذوق

زہر کے گونٹ ہیں پر کھنکھیں شریکِ منہ
بے مزہ ہو نیکی لطف اور شکایت کے منہ
بے شکایت نہیں لے ذوقِ محبت کھرنے
آنے مجنوں کو ترے سیوہ جنت کھرنے
دل بریاں سے مرے سوزِ محبت کے منہ
لوٹے کیا عشق میں اس کانِ ملات کے منہ
کہا نہیں ترے سر بازِ شادیت کے منہ
پر بیاں کیا کروں اُن عالمِ حیرت کے منہ
یوں عبادت ہو تو زناہ میں عبادت کے منہ
کہاڑنے ہی میں لخت کے ہیں لخت کے منہ
پوچھو فرادے سے اس تلخیِ حسرت کے منہ
کہاڑتے ہیں گنگا رہی رحمت کے منہ
لے رہا ہے دل بھرجِ جرات کے منہ
دیکھ تو کیسے چکھانا ہوں محبت کے منہ
شادی و صل کی لذتِ غمِ فرقت کے منہ
پر مزیدار بنا دیتے ہیں غلٹ کے منہ
چائنا ہونٹ ہے لے لے کچھ جرات کے منہ
پر نہیں بھولتے وہ پہلی عنایت کے منہ
دل زخمی کو ترے بادِ حسرت کے منہ

کب وہ گذرتے ہیں سرلاٹ و گزافے
 اول ہی سے بشر کو ہے رغبت خلافے
 چل میکدہ میں شیخ بسر کر حبیب ام
 نالوں نے وی چڑھا جو پلرزہ مہر کو
 پھینکے ہے ایک جنبش فرگاں میں وہ پری
 ہو جو ہر کمال پہ ننگا جو خاکسار
 گندی ہے شوق سینہ شگافی میں لے قلم
 گوش ہے اسکی چشم کی کیوں مجھے دل کے گرد
 لڑتے ہیں گرنیے کے گاہے ناک کے ہم
 طوف سیاح غیبی لیلے ہوا نصیب

جن کی کراشا ہے زباں لام و کافے
 ایسا تھا کام نہ کا حکم میں یہ نافے
 مسجد میں تنگ بیٹھا ہے کیوں خاکسار
 کہوں نہ آنکھ ابھریہ کے کافے
 اس اپنے ناتواں کو پری کوہ قافے
 اک تیغ ہے کہ ننگے اسکو غلافے
 عاشق کی عسکرانہ گردوں شگافے
 کافر کو کام کب کے ہے کیا طوافے
 فرقت کی رات کم نہیں از مصافے
 بھنوں - بھیجو کب کے بہتر طوافے

جوں تیغ خوش خلاف نگہ تیری لے پری
 لکھتا ہے تیغ مسئلہ وحدت وجود

ہے دہم غل کے چمکتی خلافے
 لیکن دولی جیاں ہے کلم کے شگافے

گھمے رنگ رنگ سے ہے رونق جن
 لے ذوق اس جہاں کے ہے یہ اختلافے

شاعر میں مرزا خداجن شاہزادہ نے قلم میں مشاعرہ کیا - اور دو مصرع طرح کئے -

کیا کیا مصیبتیں ہیں دل پر محن کے ساتھ

(۱۸ ع)

دوسرا - ع

کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے

استاد نے دو نطرحوں میں غزلیں لکھی تھیں - اور شاعر میں بھی گئے تھے غزل مرقوم لفظ
 کہہ رہے تھے کہ ایک دوست آئے - اور کہا کہ اس میں تو ساری غزل بے محاورہ ہو گئی -
 اس طرح میں نہ کہنے میں نے کہا بے محاورہ ہماری غزل نہ ہوگی - کہو نے والے
 بے محاورہ ہو گئے ایسی طرح کیا سمجھ کر کسی - استاد مرحوم نے تامل کر کے فرمایا

نہ کیس؟ میں نے کہا حضرت ضرور کہنی چاہئے۔ لوگ ہیں کہیں گے کہ انہیں مجھ کا وارڈ
کہنا نہیں آتا۔ استاد کا ارادہ پھر مستقل ہو گیا۔ اور غزل تمام کی :-

اُن کا بندہ ہوں جو بندہ ہیں محبت والے
ہیں الماس و نمک سنگ جرات والے
تو یہ جانو رہے ورنہ ہی میں جنت والے
صبح محشر کو بھی انھیں نہ ترے متوالے
کبھی مل بھی گئے وہاں جہکدورت والے
جاں طلب ہیں تو سے ازار محبت والے
تنگ ہی رہتے ہیں نیا میں محبت والے
کتنے میں حاسے دو چشمی سے کتابت والے
نہیں جز کثرت پر واز زیارت والے
دیکھ تو ہم بھی ہیں کیا صبر قناعت والے
خود غامی کو ہیں چمکار ہے شہرت والے
دونوں اک حال میں ہیں درد و مصیبت والے
ان کی قسمت میں ہے جو لوگ ہیں قسمت والے
میرے ہمدرد ہوں بیدار و نصیحت والے
لکھ کے میری پیش دل کو کتابت والے
دل بیمار کے ہیں دو ہی عیادت والے
تیرے اندازِ تغافل نہیں غفلت والے

کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے
چاہوں گر چارہ جرات کا محبت والے
گئے جنت میں اگر سوز محبت والے
ساقیا ہوں جو صبح کی نہ عادت والے
رہے جو شیشہ ساعت وہ کدھر دو نو
کس مرض کی ہیں دوا یلب جان بخش تھے
حرص کے پھلتے ہیں پاؤں تقدیر و محبت
ہائے سے حسرت دیدار مری ٹپے کو بھی
نہیں مجز جمع مجاور مرے بالین مزار
نہ شکر کی ہے شکایت نہ کرم کی خواہش
کیا ناشائے ہے کربل جو نو دیکھے غریب
دل سے کچھ کہتا ہوں میں مجھے ہے کچھ دل کستا
بے نصیبوں کی نصیب میں کس لایکا وصل
تو جو آجائے تو اسے درد محبت کی دوا
چھوڑ دیتے ہیں قلم جو قلم آتش باز
کبھی اندوس ہے آنا کبھی رونا آتا
تو مرے حال سے غافل ہے میرا غفلت کیش

ناز ہے گل کو نازکست چمن میں لے ذوق
اُس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نازک والے

نہیں دیکھے کوئی

مرزا نور الدین اور مرزا جید رشکوہ دو میویری شاہزادے گھنوں میں عمدہ احترام و عزت

کے ساتھ رہتے تھے۔ مرزا سیلیماں شکوہ خلف شاہ عالم بادشاہ کے پوتے تھے۔
 شاعر میں دلی میں آئے۔ ہر طرح صاحب لیاقت تھے۔ اور شعر بھی کہتے تھے
 آتش کے شاگرد تھے۔ بادشاہ اُن کی خوبیوں کے جبکے خوب ہی متوجہ ہوئے
 اور اپنا سمجھ کر اُن پر اعتبار ظاہر کئے۔ چاندنی چوک میں نواب رکن الدولہ کے
 مکان میں اُترے تھے۔ تنبیخ کے استاد تھے۔ استاد سے بھی محبت اور تپاک سے
 اخلاص قائم کیا۔ بادشاہ کے حکم سے مشاعرہ شروع کیا۔ استاد سے مدد لے لیا۔
 کہ بادشاہ کی غزل لے کر اور آپ غزل لکھ کر مشاعرہ میں لائیں۔ پہلے جلسے میں یہی طرح
 تھی۔ اور غزل مرقوم الذیل استاد نے پڑھی تھی۔ بڑی دھوم دھام کا جلسہ تھا۔

جلا وطنی کے بھی یہ جلا وطن ہے
 سرتاپ قدم وہ بت بیداد غضب ہے
 شاگرد بھی ہے قمر جو استاد غضب ہے
 کرباں بھی آہستہ کر میا غضب ہے
 اس باغ میں آنا بدل شاہ غضب ہے
 کیا سوز و گداز دل فرما غضب ہے
 ہو خاک جگر سوختہ میرا غضب ہے
 ہم سمجھے کہ اس چاہ کی فنا غضب ہے
 یہ سمجھ پہ خدا کا دل نا شاہ غضب ہے
 کیا سوختہ جانوں کی بھی فرما غضب ہے
 دنیا میں گرانب ریشی اولاد غضب ہے
 ہم چاہیں قضا سے اگر ادا غضب ہے
 پھر آج وہ مسرت سے بیداد غضب ہے
 اللہ سے مرزا حافظ کیا یاد غضب ہے

کیا غمزدہ تر ابر سر بیداد غضب ہے
 ہر ناز میں کرنا ستم ایما غضب ہے
 ناز آفت و چشم ستم ایما غضب ہے
 اسے بلبل نالاں تری فرما غضب ہے
 گلشن میں ابھی نہیں کے پریشاں کچھ لے گل
 نکلے ہے سدا کوہ سے ہم آتش دہم آب
 خاکستر پروانہ پہ رونی ہے بجا شمع
 دل جن کے یوسف جو ہونے لگا روشن
 اُس بت کا سمجھ صن خدا وادنا اس کو
 ہوتا ہے پسند ایک ہی آواز میں آخر
 توڑا کر سٹخ کو کثرت نے ٹر کی
 لے شوخ تری چشم غضبناک کے بختے
 اللہ کرے غیر مرے شیشہ دل کی
 بھولانہ مجھے قلعہ عام میں قاتل

شیطان بھی اماں مانگتا ہے اُنکے حل سے
 پیڑوں پر تری طبع سے مرتے نہیں ہدم
 "مارے یہ فلک پر یہ کڑوتے ہیں شلوارے
 ہے سرو تو پابند غنیم بے ٹری میں
 غصہ ہے ترا قمر - ترا قمر قیامت
 ہے غم سے ہنوز آئینہ باویداء پُر آب
 وہ کوئی غم ہے کہ جو دنیا میں نہیں ہے
 قیامت تو ترا سرو کے سر پر تھا قیامت
 سوختے ہیں پتیاں نظر لطف میں کس کی
 دیں ہوش بھلا مردم ہشیار کے چل میں

کیا حضرت آدم کی بھی اولاد غضب ہے
 ہم جس پر عاشق وہ پر زیاد غضب ہے
 عاشق کی ترے گرمی فریاد غضب ہے
 کہتے ہیں گرفتار کو آزاد غضب ہے
 رنجش تری بیداو ہے بیداو غضب ہے
 اسکند بر روی کی بھی روداد غضب ہے
 اولاد سپہ بھی دکش یغنم آباد غضب ہے
 پر طرہ سر طرہ ہر شمشاد غضب ہے
 یہ لطف نہیں اے دل ناسااد غضب ہے
 آنکھوں کو تمہاری وہ نسوں باغ غضب ہے

یہ خاٹہ ہستی ہے عجب خانہ رنگیں
 اے ذوق مگر سستی بنیاد غضب ہے

ہوتے وہ کب تاریکی قیامت - جو تیرا قیامت نہ دیکھ لینگے
 رہیں گے رویت کے بلکہ منکر - جو تیری سورت نہ دیکھ لینگے
 ہیں غرض کیا کہ جائیں گے ہم - حرم کو لے شیخ جنگد اے
 یہیں جوں میں خدا کا اپنے - ظہور قدرت نہ دیکھ لینگے
 نہ دیکھ لی کیسی کیسی آفت - جہاں میں ہم نے تمہارے باعث
 اور آگے کیا کیا غم و الم ہم - تمہاری دولت نہ دیکھ لینگے
 دکھانا احوال اُن کو اپنا - یہ اُن کی آگست کا امتحاں ہے
 کہ ہوگی الفت تو دیکھ لینگے - نہ ہوگی الفت نہ دیکھ لینگے
 کہوں یہ کیوں ہیں کہ حضرت دل - شکر لبوں پر نہ زہر کھاؤ
 کہ آپ ہی تمہنی محبت کی وہ حلاوت نہ دیکھ لینگے؟

بلا سے گردِ انیال کا سا۔ نہیں ہے پاس اپنے خال نامہ
 ہم اپنے نقطوں سے داغ دل ہی کے خال دولتِ دیکھینگے
 اگرچہ دردِ محبت اپنا۔ کہا نہ میں نے زباں سے اپنی
 وہ میری صورت نہ دیکھینگے۔ وہ میری حالت نہ دیکھینگے !
 بلال کو دیکھیں کیوں تنگ پر۔ اگر ہے منظور عیدِ ہم کو
 تو اُمس کے تیغِ ستم کا دل میں۔ لبِ جراحت نہ دیکھینگے
 ہمارے بارہاں کو کون دیکھے۔ بنیرِ یاں ہے تیرا بارہاں
 ہم اس کے ہلے سرِ شکِ ٹرگاں کی اپنے شدت نہ دیکھینگے
 گذر بھی جاؤں گراپنے جی سے کہیں گے جیتا ہے جی چڑایا
 وہ جب تنگ اپنے آستانے پر میری تربت نہ دیکھینگے
 مجھے یقین ہے نہیں دکھائیگے اپنے رخسارِ لالہ گوں کو
 رواں مری چشمِ تر سے جینک۔ وہ خونِ حسرت نہ دیکھینگے
 تپِ محبت کا میرے دل کی یقین نہ آئے گا ہرگز ان کو
 چاہاں وہ رگ رگ میں میری جینک کہ برقِ رحمت نہ دیکھینگے

خطاؤں کو دے بھی دیا جو قاصد نے ذوقِ دے کر کسی کا دھوکا
 وہ خط نہ پہچان لینگے میرا۔ مری جبارت نہ دیکھینگے

گر گشت سے نہیں کہتے اشاروں کے تو کہئے
 گر کہئے نہ لاکھوں سے ہزاروں کے تو کہئے
 کچھ فتنے اٹھانے ہوں ہزاروں کے تو کہئے
 کہئے کہ یہ رقمِ عشق کے ماروں کے تو کہئے
 فرصت ہو تو پغم کے حرا روں کے تو کہئے
 تو پہلے کچھ اُن میرے شکاروں کے تو کہئے

کیا تیرے نظرِ تم کو ہے یاروں سے تو کہئے
 حالِ دلِ بیتاب کہا جائے جو ہم سے
 کیا کہئے گا اب اور سرِ خاکِ شہیداں
 پھر تم دیکھیں حضرتِ پیے اگر اُن سے
 کچھ سوزِ دل اپنا کسی دلوں کے آگے
 سو قوت ہے گردِ دل کا شکار اُن رادار پر

اُس گوہر و نماں پہ اگر سوچے کوئی بات
جس راہ سے شانہ ہے گیارہن رسا میں

موتی تو ہیں کیا مال - شاد روگ تو کہئے
اُس سستہ کو ان سینہ نگار روگ تو کہئے

کہئے نہ تنگ ظرف لے ذوق کبھی راز
کھرا اُسے سننا ہو ہزار روگ تو کہئے

یہ اقامت میں بنیام سفر دیتی ہے
زال و دنیا ہے عجب طبع کی علامت دہر
تیر و بختی مری کرتی ہے پریشاں بھو کو
رات بھاری تھی سر شمع پہ سو ہو گزری
ناز و انداز تو ہیں کر چکے ب شمع ستم
دیتی شربت ہے کسے زہر بھری انگہ تری
کیا کرے حسرت دیدار کہ دم لینے کی
شمع گھبرا نہ تپ نم سے کراگ دم میں ابھی
فائدہ دے ترے بیار کو کیا خاک دوا
غلو بہت تھے آگے ہے جو گستاخی سے
شمع بھی کم نہیں کچھ شمع میں پروانہ سے
نخل خرگاہ سے ہے کیا بانٹے کیا چشم
کہتے تھے نہیں کچھ ہم تو شب بھر میں پر

زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے
مرد و میسندار کو بھی دہریہ کر دیتی ہے
تہمت اُس لعل سیہ غام فوج دیتی ہے
کیا طباشیر سفید بی سحر دیتی ہے
کچھ بہت مری اسلحہ گرد دیتی ہے
عین احساں ہے مجھے زہر بھی گرد دیتی ہے
دل کو فرصت نہیں دیتی نظر دیتی ہے
آکے کا نور سفید بی سحر دیتی ہے
اب تو اکیس بھی دیجے تو ضرور دیتی ہے
چٹخاٹنہ پہ وہیں باد سحر دیتی ہے
جان دیتا ہے اگر وہ تو یہ سر دیتی ہے
چشم - پانی کی جگہ خون جس گرد دیتی ہے
نالا دل کا جواب آہ جس گرد دیتی ہے

کوئی نماز نہیں میری طرف سے لے ذوق
کان اس کے مری فریاد ہی بھرتی ہے

مزا تھا ہم کو جو بھل سے دوہرو کرتے
مزے جو موت کے عاشق بیاں کھو کرتے
غرض فنی کیا ترے تیروں کو آپ چپکاس

کہ کل تمہاری بہاروں میں آرزو کرتے
سیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے
مگر زیارت دل کیونکہ بے مضو کرتے

تو گل کبھی نہ تناسے رنگت ہو کرتے
اُٹھنے خواب سے ساقی ہو سو کرتے
کہ چاک پر وہ حقیقت کا ہیں رفو کرتے
مقابلہ میں جو ہم تھک سکو رو برو کرتے
تمہاری باد بہاری میں آندو کرتے
تیمم آئے۔ اور خاک کے چٹو کرتے

اگر یہ جانتے چُن چُن کے ہم کو توڑینگے
یقین ہے صبح قیامت کو بھی صبحی کش
بھیو دار و سن تار و سوزن اُٹھے حضور
نہ رہتی یہ سب کٹناں کی خوبی بازار
چمن بھی دیکھتے گلزار آندو کی بہار
جب نہ تھا کہ زمانہ کے انقلاب سے ہم

سراغ عمر گزشتہ کا بجئے گرزوق
تمام عمر گزر جائے جستجو کرتے

وہ اپنی جاناز ہے اور یہ نماز ہے
کیا خوب ل ہے وہاں چہ نماز ہے
نظام خدا سے ڈر کہ در تو بہ نماز ہے
ہے وہ دوا خراب کہ جو خانہ نماز ہے
سیرے گلے میں نالا آہن گماز ہے
دیکھو حسد افزادہ کی دہی دماز ہے
ہر چند جانتا ہوں کہ وہ پاک بانہ ہے
بخشے تو کیا عجب کہ وہ نکتہ نماز ہے
گلشن میں کس کی خاک شہیدان نماز ہے

اُس سنگ ستاں چہ چین نیاز ہے
ناما ساز ہم سے جو ہے کسی سے یہ ساز ہے
در وازہ بیکدہ کا نہ کر بند محتسب
خانہ خرابیاں بل بیا رِغم کی داسے
خبر کہیں نہ یار کا بہ جائے ہو کے آب
پہنچا ہے شب کند گنا کر کہاں قیاب
اُس بت پہ گر خدا بھی ہو عاشق تو اُٹے شک
نقطہ خال رو سے بتاں کے مجھے خدا
ہر برگ گل کے لیے نکلتا ہے غول پڑا

اے ذوق کیوں نہ بپ کھلے نظر ادا عشق
جو ناز ہے کلید در گنج راز ہے

کہ پیاسے ہیں تھے آشام مہینہ بھر کے
تو ڈو دو انہیں دریا میں غنیمت بھر کے
لاٹے ہیں اُس بُخ روشن کا پسینہ بھر کے

ساقیا عید ہے لا بادہ سے مینا بھر کے
آشناؤں سے اگر ایسے ہی بیزار ہو تم
عقد پردیں نہیں عقد پردیں میں مکہ

روز اس گلشن رخسار سے لجاتے ہیں
دل ہے آئینہ صفا چاہئے رکھنا اس کا
خیم پرچش کی مانند چمکتا ہے پڑا

اپنے دامن نظر مردم بنیا بھر کے
زنگے بھڑا ہے کیوں میں زنگہ بھر کے
خون حسرت سے ہوں نکلے مر اینہ بھر کے

جام خالی بھی لگتا نہ سے کم ظرف کے ساتھ
ذوقی کے ساتھ قبیح ذوق سے پناہ بھر کے

جو تھے مرگان پر غول بنت خار پوش تھے
میں نیش رنگ گھر سے کب مر میں نکلے؟
چھٹے کیا کچھ شوق من گندم گول کہ گندم پر
تھے انداز سے خوش طبع کے ناز ہوں پیدا
پیسے جا کر نئی دنیا سے بھی گرد کیوں دنیا میں
خداوے دور رہی اور اس چشم قصور کو
زلزلے گرفتہ اس لب شیریں کا آنکھوں کو
قلم کی دیکھ گھلا ری دم تحریر حال دل
زیادہ جان کے جانے سے غم ہے تیرے جانے کا
نہ ہو غربت میں گر قدر صفا پاکیزہ گوہر کی
تباہی میں ہے ہنوی کی حلاوت اہل عالم کی
ہوئے تم نہیں براہ روہ کے تھے قتل کے درپے
سرا پار دوسیا ہی گر بھٹان ننداروں کو
فلک بھی غافل زبور ہے کثرت سے انجم کی
دل زخمی کی حالت پر دامن غم کیا پس
جو حسرت کی زل جین کا لوں میں کیا اس کو
سنا کرتے تھے شہرہ ذوق جنگی پارسائی کا

جنوں کیسے فشر تھے کہیں ڈوبے کہیں نکلے
اپنی بچ عطر سے قمر جلدی کہیں نکلے
ہمارے جدا عہد چھوڑ کر خلد بریں نکلے
تو سے ہزار پر سو سو کا دم لے ناز میں نکلے
تو خالی خاک آدم سے نہ چاہا بجز میں نکلے
کہ لاکھوں کام اس سے دور کے بے دور میں نکلے
فوت آنسو ہو کے شربت خون ہو کر انگلیں نکلے
کہ جائے حرف لگھائے اندر آتشیں نکلے
اپنی جانے سے پہلے ہی جان حزیں نکلے
تو کیوں دیکھا کینا ہو کے پھر ڈوشیں نکلے
کہ دیر اس غافل زبور ہو جب انگلیں نکلے
چمکنے سے تمہارے ہر شمشیر کس نکلے
ہوں دل سے دامن کلام کی شان نکلے
مگر کیا مثل جزو ہر لب پسین انگلیں نکلے
زبان تیغ سے نکلے تو شاید انریں نکلے
نہ وہ زیر فلک نکلے نہ وہ زیر زمیں نکلے
وہ سب پار خرابات اپنے نکلے۔ ہنیش نکلے

غصے تری غصہ دہنی کو نہیں پاتے
ہم تم سا عدد اپنا کسی کو نہیں پاتے
کیا وقت تھا وہ تجھ کو دیا دل تھا جو ہم نے
وہ کونسی شے ہے جسے پاتے نہیں دل میں
لیتے ہیں شبِ جل میں اُس لکے یہ بوسے
میں ایسا ہوا گم کر عزیزانِ عدم بھی
رکھتے ہیں دم شعلہ نشاں اژدرِ دوزخ
وہ دن ہیں کہاں بہتے تھے چشم سے چشمے

ہشتے تو ہیں پر تیری ہنسی کو نہیں پاتے
تم ہم کو جو پاؤ تو چھری کو نہیں پاتے
اے شگل لائیں سخت گھڑی کو نہیں پاتے
لیکن نہیں پاتے تو خوشی کو نہیں پاتے
ہم لب پہ سحر رنگِ مسمیٰ کو نہیں پاتے
گم ہو کے مری گم شدگی کو نہیں پاتے
لیکن مری آتشِ نفسی کو نہیں پاتے
اب نام کو بھی ان میں نبی کو نہیں پاتے

معلوم نہیں اس کی دہن ہے کو نہیں ہے
اے ذوق ہم اس سے بڑھتی کو نہیں پاتے

ابتداءے شباب کی غزل ہے - نظر ثانی نہیں ہوتی :-

نہض نلی ہے کہاں میری نلاطوں چلتی
پہنچے کیونکر جس ناتواں میلے کی صدا
کھولہ داکھوں کی پتی نہیں دیکھو لگا تھیں
جب میں دنیا سے چلا سر پہ یہ بولی حسرت
دور کر باہوں کو سر سے یہ ہے کتنی لینے
میں تو ان آنکھوں کی گردش بلا گرداں ہوں
عمر ہے کر ہی ہر دم سفرِ بحرِ فنا
جھجھے ہے راکبِ کشتی کہ ہے ساحلِ چلتا

ہے چھٹا اب تو کہ چوٹی بھی نہیں چلتی
آج آمد ہی تری نمسکت ہے مجنوں چلتی
پر چھری اپنی تو گردن پہ میں دیکھوں چلتی
تو اکیلا نہیں میں ساتھ ترے ہوں چلتی
پر نہیں کان پہ مجنوں کے دوا جوں چلتی
کہ نہیں تیری جاں گردشِ گردوں چلتی
جس کو تو سانس کہے ہے دلِ محزون چلتی
پر حقیقت میں ہے کشتی سرجیوں چلتی

ذوقِ گل اور کوئی تازہ کھلا چاہتا ہے
کہ ہوا باغِ جہاں میں ہے دگر گروں چلتی

۱۳۳۵ء میں نواب صفر علی خاں کے ہاں راپور کے بعض خوانین آئے۔ بڑی مہمِ دعائے

مشاعر کیا تھا۔ وہاں یہ غزل پڑھی گئی تھی۔ نواب موصوف۔ نواب عبداللہ خاں صدر الصدور میرٹھ کے بیٹے تھے۔ (دیکھو صفحہ ۹۸)۔ حضرت بلخان محسن خاں سے اصلاح لیتے تھے۔ انہیں ساتھ لیکر استاد مرحوم کے پاس آئے۔ اور بڑے اصراروں سے مشاعرہ میں آنے کا اقرار لیا۔ اللہ اکبر۔ یاد آئیام! استاد میرے والد مرحوم کے بغیر مشاعرہ میں نہ جاتے تھے۔ اُن کے پاس آئے۔ والد نے کہا دل افروز ہو گیا۔ میں ادھر نہیں جاتا۔ تم جاؤ۔ مگر جاؤ گے تو سنو گے کسے؟ اور سناؤ گے کسے؟ استاد نے کہا۔ جی تو میرا بھی نہیں چاہتا۔ مگر کیا کروں۔ وہ وہ تو آئے تھے۔ میں نے بھی اُن کے اصرار سے وعدہ کر لیا ہے۔ تم نہ جاؤ گے تو میں بھی نہ جاؤں گا۔ بندہ آزاد اُس وقت تک ایسے مجلسوں میں نہ جاسکتا تھا جب تک کوئی ایسا ہی بزرگ ساتھ نہ ہو۔ اور مشاعرہ کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس لئے ہمیشہ اگلے مشاعروں کی باتیں سن کر آرزو مند رہتا تھا۔ میں نے بھی والد مرحوم سے کہا۔ غرض کہ مشاعرہ میں گئے۔ ملاقات مذکورہ بالا کی باتوں میں استاد نے یہی بیان کیا کہ مومن خاں نے مجھ سے کہا۔ کچھ ان دنوں کا کہا ہوا سنائیے۔ بتائیں گزرتی ہیں آپ کے منہ سے کچھ نہیں سنا۔ میں نے کہا۔ حضور کی غزلیں فرست کماں دیتی ہیں؟ پھر کہا۔ پھر کہا۔ خیر میں نے دو شعر سنا دئے۔ انہیں وہاں میں ہوئے تھے۔

حسن کی سرکار میں جتنے بڑے ہندو بڑے
اب مناسب بھی کچھ نہیں ہوں کچھ تو بڑے

خط بڑھا۔ کمال بڑی زلفیں میں گھس گھس
بند بخش کے گلے ملتے ہوئے رکتا ہے دل

والد نے کہا۔ انہوں نے بھی کچھ سنایا؟ فرمایا۔ نہیں۔ یہی کہتے ہے۔ نجوم کا مرصع ایسا لکھ ہے کہ ایک دم مفارقت نہیں کرتا۔ دل نہیں لگتا۔ چرچ جاتا رہا غیر عزیز۔ اس بیان سے بندہ آزاد کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ایسا کہہ نہ سکتے تھے۔ بے شک ان کے دیوان میں کئی ایسے مطلع موجود ہو چکے۔ مگر سخن سنج نکتہ شناس تھے۔

ساتھ اس کے عاشق مشوق مزاج تھے۔ ایک ایسا شعر کہ مطلع ہو۔ اور اس میں اثبات مضمون ہو گا ہوں سے قائم ہو۔ اس پر غزلیت کے اوصاف بھی شصت ہو وغیرہ وغیرہ۔ اسے سن کر جو پڑھتے تو اسی رتبہ کا مطلع پڑھتے۔ وہ زبان پر نہ دھرتھا۔ اور وہ ان لوگوں میں نہ تھے۔ کہ شعر سنا اور شعر خوانی شروع کر دی۔ بات کو سمجھتے تھے۔ اور محل و مقام پہچانتے تھے۔

کہ ساتھ اوج کے بہتی ہے آسماں کیلئے
پر ہم نے دل میں مزے سوزش غماں کیلئے
ستم شریک ہو اکون آسماں کیلئے
کہ یہ چراغ ہے اس تیر چراگداں کیلئے
قفس میں لوٹ رہا ہے لآشیاں کیلئے
کنہ آہ تو ہے بام آسماں کیلئے
ہمیشہ غم پر ہے غم جان ناتواں کیلئے
تو بوسہ ہم نے بھی اس شاگستاں کیلئے
عصا ہے پیر کو اور سعیت جو اں کئے
وگر نہ لیتے ہم ایک اپنے مہرباں کئے
یہ جان اس ترے مجنون ناتواں کئے
کہ لایا عشق ہے سیاب استخوان کئے
ہوں کب سے بیضا ہوا مرگ ناگماں کئے
کہ جان دی تو نے مجھے عرق فشاں کئے
کہ ہاتھ رکھتے ہیں کانوں پر سناں کئے
اشاء کچھ تو رہے حسنا کماں کئے

ثبات کب ہے زمانہ کے عروشاں کئے
مزے تو دل کو ملے تھے ہوئے زبان کیلئے
ہزار طعنے ہیں جو ہر قسم میں جاں کیلئے
فروغ عشق سے ہے روشنی جہاں کیلئے
صبا ہے آئی خرم غار گلستاں کیلئے
دم عروج ہے کیا فکر نردباں کئے
سدا تپش پتپش ہے دل تپاں کیلئے
جو سنگ کبہ کے بوسہ میں سج کبہ ہے شیخ
نہ دنیا امانہ سے تم راستی۔ کہ عالم میں
وکان جن میں رکھتے نہیں متاع و فاع
خلش سے عشق کے ہے غار ہیر چن یار
ہلنی سوز محبت سے اڑتا ہے تن زار
نگار و ناز نے کی ویر ورنہ میں تیار
مری غزاں کس وجہ سے نہ برسے نور
دلنی کان ہیں ہے کیا منہ نے بھونک دیا
قد خمیدہ پر اپنے میں بال زیب و بال

لہ کانوں پر ہاتھ رکھنا۔ انگار کرنا۔ بھر جانا۔ کان ہیں کچھ بھونکنا۔ کسی کو اندر ہی اندر بھونکنا۔

نہ دل رہا نہ جگر و نہ وہل کے خاک چوٹے
مری تو گور پر جام و سہو کی ہو قصویر
آئید ہو گئی ہنسنا یہ ورنہ خائیاں
نگاہ تاز نے دیکھے تھے جو ہر آج اپنے
تمہاری نرگس بیار نے جو کی تھی نگاہ
مزاج اُن کا نہ بجلی ہے اور نہ ہے سیاب
نہیں ہوں تے گمراہ مجھے بھی ہے علوم
آڑا کے آہ کا شعلہ کبھی بنا ٹینگے ہم
چلیں ہیں دیر کو مدتیں فنا و سہو
و بال دوش ہے اس نواں کو سر لیکن
بیان درد و محبت جو ہو تو کیونکر ہو
اشارہ چشم کا تیری بیکہا کیسے قاتل

رہا ہے سینہ میں کیا چشمِ خوش نشان کیلئے
کہ یادگار زمانہ رہے نشان کیلئے
بہشت تھا ہمیں آرامِ باد و آں کیلئے
دل اپنا ہم کو بھی یاد آیا استخاں کیلئے
وہی جواب ہوا عطاقت و تواں کیلئے
خطر جو ہے تو یہی ہے مزا جہاں کیلئے
نخاں ہے میرے لئے اوہیں نخاں کیلئے
شبِ فراق میں غورِ شہید آسماں کیلئے
شکستِ توبہ لئے ارضیاں بیخاں کیلئے
لگا رکھا ہے ترے خنجر و سناں کیلئے
زباں نہ دل کے لئے ہے نہ دلِ نیاں کیلئے
ہوا بہانہ مری مرگب ناگہاں کیلئے

بنایا ذوق جو انساں کو اپنے جزو ضعیف
تو اس ضعیف سے کل کام و دہان کئے

بادشاہی خواجہ سراؤں میں محبوب ایک خوب تھا۔ بیگم کی اس پر بڑی مہربانی
تھی۔ وہ بڑھتے بڑھتے بیاں محبوب۔ اور بیاں صاحب ہو گئے جب بیگم ترقی
کرتے کرتے وزارت کی مالک ہوئیں تو محل کے ساتھ مقدمات دربار کے اختیار
بھی کل محبوب کو مل گئے۔ اور محبوب علی خاں قلاب ہو گئے۔ سلید سیاہ۔
موقوف بھالی سب ایک خوب کی زبان پر تھی۔ بے علم۔ بے لیاقت۔ بیسودہ۔
اس پر یہ اقتدار ضرورتیں تھیں کہ علما۔ شرفا۔ امرا کو اس کے پاس ملنے کے
لے جانی تھیں۔ اس کجست عفت کو جوئے کا مرض تھا۔ شہر کے نامی نامی جواری
بروقت جمع رہتے تھے۔ ایسے امن کی جگہ انہیں کہاں؟ حضور کبھی کبھی اس سے

ناراض بھی ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ ناراضی بڑھ گئی۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ میں حج کو جاتا ہوں۔ بندہ آزاد استاد کی خدمت میں حاضر تھا۔ استاد کے کسی دوست نے کہا کہ کیا صاحب حج کو چلے۔ ایک اور صاحب بولے۔ جاتا ہے نہ آتا ہے باتیں سنا کھجئے۔ استاد نے سن سن کر فرمایا :-

جو دل تار خانے میں بست لگا چکے وہ کہتیں چھوڑ کے کعبہ کو جا چکے

کئی سینے کے بعد غزل پوری کی :-

جو دل تار خانے میں بست سے لگا چکے
کیا خط بکھوں انہیں کہ جو کھنے کی باجگے،
آنا بلا سے اُن کا قیامت سے کم نہیں
زہر آب یا شراب یاں جسے بڑھ سداں
اچھا کیا دغا کے عوض تم نے کی جفا
یاد آیا یاں کے آنے کا وعدہ بھی خوب انہیں
لے دل زمین بوجھ ہے یا آسماں کا بار
میرے موت زیت پٹے ہیں گلے کا نار
اب و جیر گر خرابہ دُنیا میں ہیں تو کیا
باز آیا دیکھنے شے آتشِ روض کے دل
عاجت نہیں تیرے شہیدوں کو فسل کی
سب ہم سے قیمتِ دل جاں بچتے ہیں آج
ہو مگر کے میں عشق کے تھنی نہ کو نہ موت
اپنا ہی دل نہ پھر کے تیغ سے یار کے
تم بھول کر بھی یاد نہیں کرتے ہو کبھی !!
دیکھو خدا کے نام نے روشن کیا نشان

وہ کہتیں چھوڑ کے کعبہ کو جا چکے
پہلے ہی غیرواں میں انہیں سب پڑھا چکے
ہیں ہم تو مر چکے اُسے آنا ہو آ چکے
ساقی پیار نہ سے ہم اب تو لگا چکے
جانے دو تم بھی اب کر کیا اپنا پا چکے
جب رات کو وہ پاؤں میں سیدھی لگا چکے
ہیں اب تو سر بہ بار محبت آٹھا چکے
تیغ نگہ تری کیوں قصہ چکا چکے
چلے تو ہم بھی خاک بہت سی اڑا چکے
سو پار آبلے اسے آنکھیں دکھا چکے
ہیں تیغ آہار سے خوں میں نہا چکے
سار اُن کے اک نگاہ میں ہیں سب چکا چکے
جھگڑا یہ وہ نہیں ہے کہ جو بے قصا چکے
سراپنا خوب حضرت تاصح پھرا چکے
ہم تو تھاری یاد میں سب کچھ بھلا چکے
دشمن ہمارے نام کو کیا کیا مٹا چکے

سجد میں بیٹھے کیا ہر چلو سیکہ کو ذوق
اُٹھو کہیں ۔ وظیفہ بست بڑ بڑا چمکے

چمکے چمکے غم کا کھانا کوئی ہم سے سیکہ جائے
اُبر کیا۔ آنسو بہانا کوئی ہم سے سیکہ جائے
ذکر حسن شمع لانا کوئی ہم سے سیکہ جائے
بھوٹ ٹوٹ اینوں کا کھانا کوئی چمکے جائے
لطف اُٹھاتا ہے اگر منظر اس کے ناز کا
کدو قاصد سے کہ جائے کچھ باز سے ایں
زخم تیسے ہیں سب پر سوزن الماس سے
پوچھے ٹٹا سے جسے کرنا ہو جہد و سہو کا
تیر و پکیاں جتنے دل میں دئے اُنکو نکال
دیکھ کر قاتل کو بھر لائے خراشیں لہریں
خط میں گھوڑا نہیں بھیجا تو مطلع درد کا
تیغ تو اچھی چڑی تھی گر پڑے ہم آپ سے
جب کہا مڑنا ہوں ۔ وہ بولے مرا کڑ کر
داں پہلے ابرو۔ یہاں پھیری گلے پر سچ تیغ
سُن کے آمد اُن کی مدد و رفت ہو جاتی ہیں ہم
ہم نے پہلے ہی کہا تھا تو کر گیا ہم کو قتل
جو سکھایا اپنی قسمت نے ۔ وگرنہ اس کو غیر

جی ہی میں ٹھکانا کوئی ہم سے سیکہ جائے
برق کیا ہے بھلا نا کوئی ہم سے سیکہ جائے
اُن کو درد پر وہ بھلاتا کوئی ہم سے سیکہ جائے
اُنکو کھٹ لاکر ڈرانا کوئی ہم سے سیکہ جائے
پہلے اُس کا ناز اُٹھانا کوئی ہم سے سیکہ جائے
گر نہیں آنا بہانہ کوئی ہم سے سیکہ جائے
چاک سینہ کا ریلنا کوئی ہم سے سیکہ جائے
سیکے گرا پنا بھلاتا کوئی ہم سے سیکہ جائے
اپنے دانتوں گھر ٹٹانا کوئی ہم سے سیکہ جائے
سچ قویوں سے سکھانا کوئی ہم سے سیکہ جائے
درد دل اپنا جتنا کوئی ہم سے سیکہ جائے
دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکہ جائے
بھوٹ کو سچ کر دکھانا کوئی ہم سے سیکہ جائے
بات کا ایا بھی پانا کوئی ہم سے سیکہ جائے
پیشوا لینے کو جانا کوئی ہم سے سیکہ جائے
تیوروں کا تاز جانا کوئی ہم سے سیکہ جائے
کیا سکھایا ۔ سکھانا کوئی ہم سے سیکہ جائے

کیا ہو اسے ذوقِ دین میں نہ ہو مکہ ہم رو سیاہ
لیکن آنکھ میں بہانا کوئی ہم سے سیکہ جائے

آراستہ یہ گھر اسی مہاں کے لئے ہے

جو گھر کہ چاہنا میں وہ انساں کے لئے ہے

نہ جہاد ہستی میں ہے انساں کے لئے ہے

زلفیں نمی کا فرضیں دل سے کئے کیا کام
 بیٹھا ہے سنور جو گرفتارِ تفکر
 ستوں کے لئے زمبت باری کے ہیں آثار
 اپنوں سے دل پہ اپنے ہیں سببوں کے دشمن
 یس کس کی نگاہوں کا ہوں حشی کبریٰ خاک
 کچھ میرے نصیبوں سے زیادہ جو سیاہی
 عاشق کا جنوں طرقتا شاہ ہے کہ ہر بات
 توہ زلف سے پھینکتی کیوں ام ہے دل پر
 دل ہی ہے ہر اہجان تو سے عشق شتم کی

دل کب ہے اور کب سسلاں کے لئے ہے
 زیبا یہ نفس مرغ خوش الحان کے لئے ہے
 ناہ جو دما بگنٹ باروں کے لئے ہے
 ہرے میں بھری آگ نیتاں کے لئے ہے
 اک کل بھر چشم غزالاں کے لئے ہے
 باقی ہے تو سیری شب جہاں کے لئے ہے
 محو یا سبق اطغالِ دبستاں کے لئے ہے
 یہ صید کسی پنجہ مڑگاں کے لئے ہے
 جو تیر ہے اس توڑہ طوفاں کے لئے ہے

دل قیدِ تعلق سے نکل سکتا نہیں ذوق

کیا در نہیں اس خاڑ زنداں کے لئے ہے

پگنی قرنے افشاں جوئے مرجیں ہے
 نہ پوچھو کہ دل شاد ہے یا حزیں ہے
 یہی گرتی چشم سحر آفریں ہے
 صنم میرے دل کو خندانے کا تیری
 ہر اک چاند دیکھے ہے آنتیوس کا
 رُسکے اشک اور آہ پچھی نلک پر
 قحافل سے فرصت نہیں واں نظر کو
 پڑے تفرقے یہ جدائی سے تیری
 شب غم میں دساز و دلسوز اپنا
 ہنسی ہے جو کچھ رنجشِ آنیراں کی
 نہ ہوے اگر خمبہ کو دم کا بھر دسا

ستاروں میں کیا کیا چٹاں چٹیں ہے
 خبر بھی نہیں یاں کہ ہے یا نہیں ہے
 تو دل ہے نہ جان بے ایمان دیں ہے
 یقیں ہے یقیں بلکہ عین الیقین ہے
 جہاں ناتواں بین و باریک بین ہے
 مرا عشق کم خرچ و بالانشیں ہے
 یہاں منتظر لب پہ جانِ حزیں ہے
 کہیں ہوں کہیں نہ کہیں جاں کہیں ہے
 دمِ سرور ہے نالہ آتشیں ہے
 تو سوچ تبسم بھی چہیں برجیں ہے
 تو جو دم ہے غافل دم واپس ہے

لئے پھرتی بھکو کہیں کا کہیں ہے
کوئی ماہ کنکناں کو کتنا حسین ہے
لگائے ہوئے میرا دل دور میں ہے
زمانہ کو تو کچھ تفتیش نہیں ہے
وہی آساں اور وہ ہی زمیں ہے

وہ پہلوں بیٹھے ہیں اور بدگمانی
ہنسی آتی ہے بھکو جب تیرے آگے
جو تم عرش سے دور بیٹھے تو بیشو
نہیں وہ رہے ہم سے۔ تم تھے جو پہلے
وہی ہے زمانہ وہی رات دن ہے

ذکی آہ سو زخم دل پر اٹھائے
تجھے آفوس ذوقی صدا فوس ہے

مرقوم الذیل شاعر کی طرعی غزل ہے۔ مرزا خدا بخش شاہزادہ کے ماں پڑھی تھی
حکیم آغا جان پیش استاد کے پاس ہی بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنی غزل میں پڑھا۔

لے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے
تھوڑی سی رو گئی ہے اسے بھی گدا دے

شعر ۴ کو دیکھو استاد کے ماں بھی یہی مضمون تھا۔ والد مرحوم استاد کے پہلو میں
بیٹھے تھے۔ اُن سے استاد نے کہا کہ مضمون لڑ گیا۔ اب میں وہ شعر نہ پڑھوں؟
انہوں نے کہا ضرور پڑھنا چاہئے۔ طبیعتوں کا اندازہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک
نقطہ پر دو فکر پہنچے۔ اور کس کس انداز سے پہنچے۔ حکیم صاحب کے بعد ہی انکے
آگے شمع آئی۔ حکیم صاحب کو خدا منفرت کرے کیا نیک نیت اور نصف مزین
تھے۔ شعر مذکور میں کرخوش ہوئے۔ رسائی طبع کی تعریف کی اور کہا کہ آپ فی الواقع
استاد ہیں۔ (دیکھو صفحہ ۱۷۴) +

پر کچھ نشانی اپنی مجھے یادگار دے
مفتون چشم کو یوں ہی اک تیرا دے
جو اپنے ماتھے کا مجھے پشت خار دے
تو جب تلک دگیسوے مشکیں کا تار دے
یاں وہ نشے نہیں جنہیں ترشی آتا دے

چلا نہیں تو پچھلے کا گل لئے نگار دے
تو چشم میں نہ سرش و نہ بالہ دار دے
اتھ اپنا میرے ہاتھ میں کب نگار دے
ٹانگے نہ زخم دل میں ترا دنگار دے
دشنام ہو کے وہ ترش ابو ہزار دے

گلشن کو آب گر مرثۂ اشکبار دے
 کیا خاک تجھ جاں کوئی جاں نثار دے
 وہ زلف مشکبار اگر ایک تار دے
 جولاں سمنڈناز کو اسے شمسوار دے
 وہ ناتواں ہوں میں کہ نہ جنبش کروں کبھی
 عشق اس پری کا ہے وہ بلا جلے لیکے جاں
 ایسا نہ ہو کہ آتے ہی آتے جواب خط
 غم یار کا رہ گیا مرے ساتھ تا بہ حشر
 کرتا ہے یوں فناں لال سید دار وصل
 میں نہ گل کہ پہنچوں نگین سے خاک تک
 لے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات
 میں ہوں وہ زندہ دل کمری جان بقرار
 لے دام دافع دل سے مے سوزش کتاب
 نے رحم ہے نہ پاس مرقت نہ منصفی
 ہو گئی وفا سے شگفتہ دگل کا دل
 بنے فیض حشر آب مصفا کا ہے تو کیا
 جا نہ باز عشق جان تک اپنی کھیل جائے
 جو شمع مردہ کشتہ زلف سیاہ کو
 چھوڑے کمان چرخ نہ تیرا پنا چھوڑنا
 عاشق نہ بے لے انجم گردن اپنے اشک
 پیشہ سے یکے شیوہ مردانگی کوئی
 اس جبر پر تو ذوق بشر کا چال ہے

بیل بجائے بیضہ دُر آبدار دے
 مٹی بھی جس کو تیرے نہ دل کا بخار دے
 چھوٹے نہ لوں اگر کوئی شک تار دے
 تو سر سر چشم ماہ میں میرا غبار دے
 لپٹے اگر نہ جھکو دل بجیتہ ار دے
 یہ جن نہیں ہے جس کو سیانا اتار دے
 قاصد جواب زندہ گئی مستعار دے
 بچ ہے کہ ساتھ یار کا کیونکر نہ یار دے
 جیسے اذال بلند کوئی روزہ دار دے
 جنبش اگر نہ جھکو نسیم بہار دے
 ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے
 برق جہاں کو آتش مردہ قرار دے
 وعدہ پہ روزِ حشر کے پر کون اُدھار دے
 پھر جان کس امید پہ یہ جاں نثار دے
 جاں اپنی اس پہ بیل شیدا ہزار دے
 مانگوں تو ایک قطرہ نہ آئینہ دار دے
 لیکن تار عشق میں جہت نہ بار دے
 گر دے کفن تو وہ امن شہانے نار دے
 یہ آتیز ناک یہ اس کی ہزار دے
 کیوں کوڑیوں کے مول دُشہا ہوار دے
 جب قصہ نوح کو آئے تو پہلے پکار دے
 کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

کیا پختہ مزاجوں کو مسخر تو نے کونیا میں
جب شرج گردوں کے گرس میں اپنے گلوں کو
کہو صیاد سے گرنج کرنا ہے تو جلدی کر
ارادہ کر کرے تاقس ملو ہا و کامل کا

یہ تیزا غیب ہادو سے خیال خام چلتا ہے
تے سسٹوہ سے ذرا بقی اکیام چلتا ہے
ابھی کچھ دم مرے سینہ میں نہ دم چلتا ہے
تو یہ جانو کہ دنیا کس راہ نام چلتا ہے

خرو نے راز عالم کچھ چاہا فوق اگر پایا
کر بے آغہ از آبا اور بے جہام چلتا ہے

پھولا نہیں سحرنا جو گل پیچہن میں ہے
میں کہاں جو تاب نچ بیم تن میں ہے
دم کو نہیں ہے سینہ میں آرام ایک دم
حرف آئے جھپٹے کس کس کے دم سے
وہ ل کہ لاندہ سکتا تھا چیرج ہیں کی تاب
یاد آتا ہے جو آب دم تلخ کا مزا
ہیں روزین دہن میں جو کثر دم بے جھٹے
دکھلا دے پشیماب چم اپنی ڈر بلاق

انجام یہ کس بھروسے پہنستا چین میں ہے
پر وہ ساعلیکوت کا مستفہ کہن میں ہے
یہ وہ غریب کے کو سا فرطن میں ہے
اس سے عشق کا بیل غولین میں ہے
زیر کھنجر زلف شکن ہوشن میں ہے
بھر انکامیرے زخم کے پانی دہن میں ہے
یہاں کام انکانش زنی ہرزن میں ہے
دیکھیں سبیل کہو نگر چکتا چین میں ہے

ہوش و خرد کو دیکھ لیا دوسریں فوق
آرام کو بھی دیکھ کہ دیوانہ پن میں ہے

غزل مذکور ذیل ابتدائی مشق ہے۔ اس وقت استاد کی ۱۶-۱۷ برس کی عمر تھی۔ مجھے یاد ہے۔ ایک دن والد مرحوم کو استاد نے کچھ پڑانے سو دے دیئے میں ان دنوں لڑکا تھا۔ وہ دیکھتے جاتے تھے۔ اور ہر کاغذ پر حسب حال کچھ کہتے ہی جاتے تھے۔ جس پر چہرہ غزل مرقوم ذیل کے شعر لکھتے تھے۔ اُسے دیکھ کر والد نے افسوس کیا۔ اور کہا۔ اوہو۔ دیکھو جی! یہ وہ غزل ہے۔ یہی کیا دن تھے وہ۔ اس مرحوم کا بھی افسوس ہی ہے۔ استاد نے کہا۔ افسوس!

میں لکھیں ہے آج کل کے گل نو بہار سے اٹکا جو برگ زندہ کوئی اس چین میں ہے

پھر ایک دن میں نے والد سے پوچھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ شاہ فقیر مرحوم کے بیٹے وجیہ الدین منیر تھے۔ اُن کی بھی اُس زمانہ میں ۱۶-۱۷ برس کی عمر تھی۔ اور طبیعت بھی تیز تھی۔ استاد کے ساتھ اکثر شعروں اور غزلوں کے سر کے بہتے تھے۔ ایک دن انہوں نے استاد سے کہا۔ مصرع طرح کہنے ہیں۔ او غزل نکھو۔ لڑکین کا عالم تھا۔ استاد نے کہا۔ کہو۔ کھیلے۔ مگر غزل کہی۔ استاد سے (شاہ صاحب) کہو ابی۔ پھر کہا کیا؟ منیر نے کہا۔ اچھا پھر تم بتاؤ۔ استاد نے کہا۔ ہم تم ہیں بیٹے کر کہیں۔ دو نو بیٹے گئے۔ اور طبع آزمائی ہونے لگی۔ استاد نے ڈیڑھ دو گھنٹہ میں غزل کہی۔ اور کہا۔ کیوں صاحب! انہوں نے بھی غزل کہی تھی۔ دو غزلیں پڑھی گئیں۔ استاد نے اپنی غزل انہیں دی۔ اور پلے آئے۔ دوسرے دن استاد گئے۔ تو انہوں نے کچھ اور شعر بھی منامے۔ بعض میں ترمیم تھی بعض اشعار پر استاد نے کہا۔ یہ شعر قہار سے ہیں؟ انہوں نے کہا۔ بیشک۔ استاد نے کہا۔ اب یہ شعر استاد (شاہ صاحب) کے ہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا۔ واہ ہمارے ہیں۔ اس پر خوب گھنگوڑیاں رچیں۔ طرفین کے یاروں میں صلاح مشورے۔ اور مقابلے ہوتے رہے۔ خدا کی شان ہے شاہ وجیہ الدین فرحان دنیا سے گئے۔ استاد بڑے ہوتے تو کیا۔ آخر پلے ہی گئے۔ افسوس افسوس۔ وقت گذرتا ہے۔ باتیں یاد رہ جاتی ہیں۔ ابھی ہم سے نیکی اور راستی یادگار باقی رکھیو۔ غزل مذکور میں جو کچھ باقی ہے وہی لکھ دیتا ہوں۔

جو تو مانگے گا وہی دوٹکا خداؤں کے
مجھے سعد و محسن کا معلوم تا دوٹون کرے
عبدِ قرباں سے شرف پیدا سو ادب کے
اگلے کہو یوں ہی مشرک بنائون کہے

مہیاں کے آج کا مقرر تھا سو ادب کے
کون سی شب آج کا وہ میرِ بہم سے کہو
تو کہے قربان ہیں جہنم جہان سے
جب کہا قاصد نے دنِ عدہ کا آیا تو کہا

تیجے قاتل سے بہتے تھل تھل کھن جھنب
دن قیامت کا تو ہے پر میرا طوار عمل
نیکے بد سب دن خلعے میں لکھی جن ن کی
لاش فنا کر میری بیٹا ہے قاتل صبح میں

عید کن کو نہ کیوں عاشور کا وہ دن کسے
لئے اتنا ہے کاماں کیا و فا وہ دن کسے
کچھ کرو لیکن فرار کیا قضا وہ دن کسے
مینی مری فاتحہ کا کون سا وہ دن کسے

ذوق کتنا تھا کرونگا جمعہ کو شب کا عمل
کوئی اسکو جا کے بتلا دے ہوا وہ دن کسے

یہ غزل بھی امی عہد کی ہے۔ مسودات مذکور سے نقل کی ہے۔

کوئی کمر کو تری ہو اگر کمر تو کسے
میری حقیقت پر درد کو کوئی اُس سے
یہ آندو ہے جنم کو بھی کما حقہ عشق
بقدر مایہ نہیں گر ہر ایک کا رتہ و نام
جو چپ لگا کے نہ بیٹے تو کیا کرے تاسع
بل آٹے شمع کے مانند شمعوں کی باں
شبید عشق کا ہر قطرہ خون انا سق ہے
جہاں کیا کہ تیرے آگے فتنہ دم ماسے
بھرے گا بار محبت کی کیا فلک نامی
بلا سے ہو دے مرا رخ نامہ بر بھونکا

کہ آدمی جو کے بات سوچ کر تو کسے
ہر آہ و نالہ نہ کہوے پر چشم تر تو کسے
جسے نہ شعلہ گر اپنا کسے شمع تو کسے
بجلا حجاب کو دیکھیں کوئی گھر تو کسے
کہ جانتا ہے کسے کا ہو کچھ اثر تو کسے
ہمارا قصہ پر سوز لفظ بھر تو کسے
کسے جو حق کوئی منصورا مستور تو کسے
کہیگا اور تو کیا۔ پہلے اٹھ کر تو کسے
یہ حوصلہ کوئی رکھے بجز بشر تو کسے
کہ اُس کو دیکھ کے وہ سترہ خوشتر تو کسے

سر شک چشم مرے ہیں کہ ہو گئے سوزوں
میری طرح سے کوئی ذوق شعر تر تو کسے

اب تو گھبرائے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیگے
سائے چشم گہر مار کے کہہ دو دیا

مر گئے پر نہ لگائی تو کہ مر جائیگے
چراغ کے گر آئے تو نظر دے اُتر جائیگے

سکھ مل میں دم حق کو جب بھولنا اڑتا ہوا اس آقا تھا۔ تو اسے شگون تک سمجھتے تھے۔ اور کہتے تھے نہ خیر
نہ خیر خاندان آباد ہو گئے۔ وہ تو اب نہ رہے۔ کون ہے۔ اور کون سمجھتے؟

تم نے ٹھہرائی اگر غیر کے گھر جانے کی
خالی اسے چارہ گرد بھیجے پہننے بھلاں
لائے ہوست ہیں شربت چنگا بنی آہیں
پہنچنے رو گنڈر پلاز تک کیونکر ہسم
اگ و نرغ کی بھی ہو جائے گی پانی پانی
ہم نہیں وہ جو کریں غم کا دمنے تجھ سے
تجھ روشن سے نقاب اپنے اسٹیکھو تم
شعلہ آہ کو بجلی کی طسج چمکاؤں
ہم بھی دیکھیں گے کوئی اہل نظر سے کہیں

تو ارا سے یہاں پھر اور ٹھہر جائیگے
پر مرے زخم نہیں ایسے کہ بھر جائیگے
اور اگر کچھ نہیں دو پھول تو دہر جائیگے
پہلے جب تک نہ دو عالم سے گذر جائیگے
جب یہ ماحی عرق شرم سے تر جائیگے
بلکہ پوچھے گا حسد ماحی تو کر جائیگے
مہر و مہر نظروں یاروں کی آتر جائیگے
پر یہی ڈر ہے کہ وہ دیکھ کے ڈر جائیگے
یہاں سے جب ہم دوش تیر نظر جائیگے

ذوق جو درد کے گڑھے ہوئے ہیں مائے
ان کو میخانہ میں لے آؤ سنور جائیں گے

دل بچے کیونکر تئوں کی چشم شمع و شمع
اے تنافل کیش جلدی اگر تو دقت نہیں
بل بے باریجی کو گویا ہر تیر اما بسن
ایک بھی شمع نہ میری ہی جلتے و فراش
پچکے بیٹھکا کہاں تو ہے اے نگینا
جوش گریدے ہی برسات ہر سوں پر بھی
پہلے چیت و شوقی ہے نما و عشق ہیں
میرے رونے کا اثر ہے تجھے پھر بھی آب

اپنا گھر تو سو جتا ہے سیکڑوں فرنگ
اس دل بیتاب مہا بنِ صخر کے ڈنگ
جنتری میں کچی کے گلے بے بان تنگ
خون اگر لپکے نوابے مرغ خوش آہنگ
ہو گا تو جس رنگ میں لہا لگیے اس رنگ
اسکی تیغ تیز اکوہ نہ دیکھی رنگ
دل سے کہہ دیجئے کہ ہونے باوجود رنگ
بھڑکتے ہیں جلتے شمع پانی کے گلے رنگ

ذوق نریا ہے جو بوریں سفید شمع پر
دسمد آب رنگ سے میدی ہے مگر رنگ

اور یہ تنگ کریں مٹے تو شکایت کرے

کوئی ان تنگ ہاتھوں سے کھت کرے

ہے جراثیم کا مری سوتا الماس علاج
عشق کے دھوکے کو دل بھرے تو کس سبب
بہرہم ہر مری انگوں سے اس میں یا
آج تک خون سے مری نصیب زبانِ غیر
مکتبِ صبح ازل کا ہے غلیظ انساں
بن جلتے شمع کے پردہ انہیں جل سکتا

غالبہ اس کو کبھی سنگِ جراثیم سے
ڈرے کا فر کہیں مریے موت سے
کیا کرے جاوے اگر ترکِ نفایت سے
پرکے کیا جو طلبِ کوئی شہادت سے
پھر کرے کون اگر یہ ہی خلافت سے
کیا کرے عشق اگر عشق ہی حقیقت سے

پھر چلا نکل عشاق کو قاتل لے فوق

سر پہ برپا کہیں کشتوں کے قیامت سے

کتے ہیں جھوٹ سب کہ نہیں دلوں جھوٹے
چلتا ہو ذوقِ قہید سے مستی کے چھوٹے
ڈھالا جو تھکے کو حسن کے سانچے میں لے نہم
بید رو سینہ کو ثنا خالی نہیں مرا
کیونکر حجاب ہو سکے دیا کے سیکراں

جھوٹے تو بیٹھے بھی نہیں دلوں ٹوٹے
پر قہید مار ڈالے گی دم گھوٹ گھوٹے
آنکھوں کی ہائے بھرے موتی سے گھٹے
دل میں بھرا ہے درد مریے کوٹ کوٹے
دیر سے جہنگ نکلے ٹوٹ چھوٹے

اس شمعِ روستے راگو نصرت جتنے فوق

روئے ہیں دل کے آبلے کیا پھوٹ چھوٹے

بہرہم دلِ خونِ غشت میں ایک حبشِ فروغ
دنیا کی ہے رخت کا سببِ بستی بہت
پھر جاتی ہے سینہ کو مری او بھی آٹلی
میں درد سے ہوں عشق کے میٹھا بولہ
ایک غمزدہ تیری چشمِ فسون کا کافر
دل کرتا ہے اس کو کچھ کاجب قصد توین
تاقیم ہے بھلا دیکھ فریاد سے میری

جو آہ ہے سینہ میں سو فوارہ غل ہے
گروں گھنے امج اس زمانہ میں کروں
جس سے جو پریشان ہوئی بنتِ نگوں
پر دل یہی کہتا ہے کہ ہرگز نہ کوں
سو چشمِ پری کو سبق آموز فسون
طائر کے عرضِ ننگِ پید سے شگون
جو نالہ ہے ایوانِ محبت کا ستون ہے

بس من سے ہوا عشق مرے دیکھے تعلیم
مرہاؤں گر رازِ محبت نہ جنتوں
بیٹائی دلِ لفظوں میں کیا گئے کہ ہر
بیٹائی دل کا کوئی شخصوں جو ہوا ظلم
تکلف پر مسرت کو ہیوں کیوں شخص سے
ہے وصل میں غم جگر کا اور ہجر بلا ہے
آلودہ اقبسار نہ ہو رازِ محبت
کو آپ کو گرفت ہو نہ ہے عشق کی منزل
باروٹکے داناں لاکھوں جس شاکر کو صبا

ہر خار بیابانِ قلم عشق جنوں ہے
کیسا ہی گرد و ہول میں نہ کہوں ہے
دکھلا رہا گا ہے حرکت کا ہر کون
ہر حرف پر میرے حرکت جائے سخن
میری ہی تیرے تپ سوز و روت
آرامِ محبت میں ہیں یوں ہی ذوق
دم ہونٹوں پاتھائے مگر میں نہ کہوں
غم کشنگی اس سو میں تیری رہ نمون
وہ چشمِ فسون گر سبق آموز فسون

کیوں حالِ زہوں اپنایاں کرتے آں

اے ذوق تیرے واسطے یہ سخت زہوں ہے

کسے ہے کلمِ تنج یا کس کس آجاری سے
زباں کو دیکھ بھر پر ہزاراں کیا ہر شادی
گذرتی ہے مزوں نہ کی سخت شادی
نہو تا کہ وہ شوقِ خود نما سرگرم آرائش
روانِ شمع کے اشکوں میں جوئی کی مکمل عمل کر
خبر کو پوچھتے ہو اپنے بجا محبت کی
جو پوچھنے ابہر خشک لپٹی اور کہہ سونی ہے
تقص کے لئے گزریں صبا داسیرِ مضطرب تیسے
کبھی گر سر اٹھا اپنا تو ہوں اشکِ سوز گاہوں
اٹھائے ہوں بکھلائے کش اچھے عوض تجو
نہی بھی گزریں کوڑھٹھے تفتہ جانوں کی

مکملتی اپنی نگاری ہے کیا کیا ظلم کا رتی
کرمیں نے خاکِ بھری آئینے نہیں خاک کا رتی
میرے نزدیک ہوشی ہے بہتر ہوشیاری
اٹھا تا ہاتھ غورِ شبید فلک آئینہ دار رتی
بیابا آئے دلِ غن ہونکے اپنا انگھار رتی
کو تو بستم شادی کی تھی شبِ اختر شادی
اگر پر ہیز کو پوچھے کہو پر ہیز گار رتی
خبر گل کی اگر آٹلی نہیں باور ہار رتی
زمیں کو جا لگا سر چنگ کے اپنا شرمسار رتی
میری چھاتی چہ چتر سنگدل دیار ہار رتی
تو مثل برق اٹھ بھاگے دیں ہر ہر رتی

نہیں آتا نہ آتے رحم اے قوی اس شکر کو
بل سے خوش تو ہو جا قہ میری آواز اسی

یہ غزل بھی اکرامِ شباب کی ہے۔ شاء نصیر کے عہد میں لکھی تھی۔

کاش کے ایسے ہی یاربؑ کو پاروں کے
تیز جوں ہمیشہ شربتِ جب کو خاروں کے
جتنے ہیں دیے میں کو ہستاروں کے
پھوٹنے ہتا ب نہ پر ماو پاروں کے
جوں ہٹکارا فتنِ پھر میں پیچھے ہٹا فتنوں کے
مٹکلِ قامت جب تجھے سینہ فتنوں کے
خبروں کے پرل محے پہل کٹاروں کے
اگل دم میں آتشیا نو کو ہزاروں کے
تینے طعنوں کے گئے خبرا شماروں کے
مرہم آکر زخم پر سینہ نگاروں کے

یار ہنسنے حال بہمؑ انگاروں کے
اور بھی چمکا سمندرِ حشمت اپنا دشت میں
کرسکی کفنش پا چکھے ہیں شامے اے فلک
بزم میں گرہ آٹھ فٹے روچھ گلاب
اس طرح در پہنے دلوں میں تیسے چشمِ نگاہ
سرزمینِ باغِ الفت میں تیرے اے فتنہ گر
طنبیاں تیر دلی تھلیں مچنے سو فاروں کے
ہو اگر گرم فتنوں میں تیرا جین میری طرح
آتے ہم اس بزم میں ایک دم سودا سپرنگڑوں
اے خدنگ پیر۔ مرہم بائیں خبر چکا وکیل

ذوقِ صحرائے جنوں میں ہو گیا ہے گزراؤ
تو سن دشت کو ہیں ہمیشہ خاروں کے بیٹے

دل چڑھوں کا داں ہاتھ پٹا لگتا ہے
جب اٹھتا ہے ترے سینے سے جا لگتا ہے
دل کے نگ جانے سے مینا بھی بڑا لگتا ہے
مٹکلِ آمدی کا کہیں اٹھڑا ہوا لگتا ہے
سب کہا بوں سے ٹھک تجھ کو سو لگتا ہے
اور نہ پہلو مرا بستر سے ذرا لگتا ہے
زخمِ دل ! زہر مجھے جھنسا تر لگتا ہے

باغِ عالم میں جہاں مٹکلِ حنا لگتا ہے
کیا تر پٹا دل بسمل کا بھلا لگتا ہے
دل کہاں سیر تھا شے پر میرا لگتا ہے
جو حوادث سے نہانے کے گرا۔ کب اٹھا
دل مٹی کا ہے مزایہ کہ گزرتک میں ایہ دل
نہ شبِ جگر میں لگتی ہے باں تالو سے
لگتے محتاج ہوا مرا سیم زحکا رکاتو

آبِ خضر کے جو زہر ابِ قناداروں
قویٰ جنوں سے بچو لو مٹی چھڑی ہے سلی

فلک سرحد ہے قافانی فرما لگتا ہے
جب ذرا جھکتا ہے سرانے جا لگتا ہے

خرد زہر ہے تو کیا کھوٹا ہی ہے ملیں
ذوق اس زہر کو کسوٹی پر کسا لگتا ہے

اٹائی طرز نامہ کی مخفی اکیم ترے محرموں
نہ شبِ کھمبھیں غم اب آیا جبالِ خالی
یہ نیا ہے وہ مخمور کہ جس میں درگزر نہ
اشربو نالہ تیرے درد کا اتنا تو اسے شہیل
شہیدِ چشم میگوں میں کہو نہرت پر سب کیش
تجسّس جنوں کے تن پھر غری کاٹنے ہے بار
خدا جانے مجھے جھٹکے پادشاهوں اسکی زلفوں

سوا بیکٹ یکے نہ لٹا بطلی رخ ہے عرس
ہے بیدار ساری بات ہم ایک سب ایوں
گلِ حکمت کہنے کہنے ہی غم خاکِ فدا ملوں
کہ چکے جائے شہنم۔ اشکِ خیمِ چشمِ گردوں
کریں اگر چہاں ساغرِ میاں لے لگھوڑوں
بنانا پیر جن سے پاک نگ بید مجنوں سے
وہ زلفیں میں سخی اڑوں مجھ بختِ مٹوں

اسی بارغِ سخن میں موقوفی جی اپنا بیٹا ہے
جہاں بولشع کی آتی ہے کچھ گھبراہٹیں مضمون

نگہ کا وارِ عقابِ دل پر پھڑکنے جان لگی
تیرا زباں سے ملانا زباں جو یاد آیا
کسی کے ڈیل کا سنو حال بیل لگا کر تم
تو وہ ہلالِ جہیں ہے کہتا ہے بن بن کر
خدا کرے کہے تجھ سے یہ کچھ خدا لگتی
اڑائی حرص نے اگر جہاں میں سب کی لگ
تمہارے اُمتوں جہاں سے لگنا ہیں آہ

ہٹی تھی بہت سی کسی پر کسی کے آن لگی
نہ ہائے ہائے میں تالو سے بھر زباں لگی
جو ہو دے دل کو تمہارے ہی جہاں لگی
سے ہے تیری طرف چشمِ یک جہاں لگی
کہ زلفِ بے بہت برکش تیرے کان لگی
نہیں ہے کہو ہوا زیرِ آسمان لگی
سنانِ خضر و بیکان کی ہے دکان لگی

سلفہ جہاں میں جہاں اور جہاں کا دانی خاص خاص طبیعت کے ہمشام کو اب اس کا سنا ہے کہ وہ لگی
میک میں کہ قمار ہو کر مر جائے جس۔ عمارت میں کھٹے ہیں۔ کہ فلاں مقام کا دانی لگتا ہے۔ فلاں شخص
فلاں سفر میں مر گیا۔ دانی لگتا تھا۔

اڑتیں چون جاو وگر۔ جا سے ہم نہیں لگتے ہے اپنا دم ہوا ہر گاہ۔ تری چشمِ ہر افسوں سے

نہیں پکے پکے پیری ایک آن مٹی
سو ٹوٹ پھوٹ کے بے کنارہ آن مٹی

کسی کی کاوش شرکاں سے آج ساریات
تباہ بکھر جہاں میں بھئی اپنی کشتی حشر

اندنگ یاد کو کس طرح پہنچے توں دل سے
کواسکے ساتھ ہے لے فوق میر کیاں مٹی

حذر و زخ کرے جسکے شرارتنگ تر ہے
بنا واحد کے کیوں توڑیگا طاقت۔ جمع کثر ہے
روان ہیں انقلاب بخت شمع خورشید قیامت
تھما ز عشق کی ہم نے ادا کیا حسن نیست
تو میں کہوں محبت سے محبت سے جنت سے جنت
بھیڑ شوکتہ اعتراف کو بہتر ایسی شوکت
جراحت کرے کیا کام ہے سنگ جراثیم
تو یاں اٹھارہ اشارہ کرے انگشت ہے
جو کھینچے ہاتھ کو ٹو پاؤں پھیلائے فرخ
مرغ صحرایہ سستی پر معنائی کے غامض
بے زنجی کیا ہے کئے آبرو کی ادا
کہ ہو یگانہ عاشق تاب کی اور آنسو پیر
نہیں سنگ نساں کہہ کہم بے سنگ
بھلا باطن میں تر کیا ہے اسکو نیک
حدوس ہے مگر جنت یا دہشت ہے جنت

وہ بچوں میں مچھاسی سوختہ سوزند اسکے
وہی ہے ایک سب میں دیکھ تو چشم خستہ
نسو کے مہین تر فز میرا اور جوں اختر
دم جھیر اٹھا لئے وجہا نے ہاتھ بکری
اگر تھپے کوئی مجھے کہ کیوں نزلت ناگ
برائے شوکت منیا نہ لہو عاروں نہاد
نمک ہو مشک ہو یاس و وہ الماس تم چھو
پتھر گر فاقہ تم آکے مرقد پر شہیدوں کے
حریم کو نہیں جا۔ دست باز و قاعدتیں
الف کو تیری قاسم کیا استا و قدر
سب ہر زخم میل ہے ہاں عید سے خوشتر
سیت چھا کیا مجھ کو کیا اگر قتل قافی نے
علاج زخم حسرت مرا تیرے تیغ اس کا
اگر آتش ظاہر ہو باطن کو کیا حاصل
ہوئی حرفوں میں گوئی نقد جو شکستہ

زبان ریختہ کر دی نساں اہل تاثیرت کی
محبت ذوق کو از بسکے ہے شاہ و ادیب

غزل مرقومہ الذیل ابتدائی مشق کی ہے سوانح کو دیکھو بعد مذکور کا محاورہ سنائی ہے

حاجہ ران کا توبہ جانے جانے ہے
جو اُس کی میں شعل صبا آئے جانے ہے
کتے ہیں لوگ موت تو سب جانے جانے ہے
ٹوٹے کس چنگ کا بازو کس شمع بزم
لکھو اکے بیچ دیتا ہے ایک پرچہ گواہ گواہ
ابریشم ہر س کے اگر کھل گیا تو کیا
قوارہ سے بجا ہے تو افق کا سیکنٹ
کیا حال صبح ناز کہوں۔ سوز عشق سے
مضمون اضطراب کا ہے یہ بھی ایک اثر
تاہوت تھے کشمکش کو نہیں سے کم نہیں
سو کس کیا ادا جائے جنوں تو وہ قدم

البتہ آدمی سو کبھی آئے جانے ہے
فردوس میں کب اسکو چلنے جانے ہے
پسے پاس اے بھی کوئی بھائیے جانے ہے
یوں جن اشک گرم سے پکائے جانے ہے
ویل کو ذرا اندام میرے پر چلے جانے ہے
نار نہ وہ بھی آگ سی برساتے جانے ہے
اس سرکشی پر سر کو وہ فہمائے جانے ہے
ایکسٹل ہے۔ کراگ چل کھائے جانے ہے
وہ میٹھ مارے بر کو جو پھر کائے جانے ہے
کیا پاؤں اپنے چین سے پھلے جانے ہے
پر شوق مدد ہے کڑوا سے جانے ہے

جنگ کہ جان جن سے کل جائیگی مرقومہ

و داسے

دل میں جو درد ہے سو کوئی لٹے جانے ہے

کہ جس چاہیے مخیر کیا سب بے
آئے مارا تیغ روشن کی کھانا بے
کل جہاں سے کراٹا لے تھے جناب بے
چمن نہریں جوں سبز و شمشیر نہوں میں
میں و جنوں میں کہ جنوں میں ہمیشہ خل میں
سفر عمر ہے یارب کہ ہے طوفان بلا

عشق نے کشمکش کیا صورت سیماب بے
وہا بیتے جانے کنن چادر خناب بے
لے چلا آج وہیں پھر مل قیاب بے
آب کی جانے دیا کرتے ہیں شہر اب بے
قند و کمر نکاح کرتا ہے القاب بے
مرقدیم سہیل حوادث کا ہے گز اب بے

ملکہ ۳۰-۳۱-۳۲-۳۳-۳۴-۳۵-۳۶-۳۷-۳۸-۳۹-۴۰-۴۱-۴۲-۴۳-۴۴-۴۵-۴۶-۴۷-۴۸-۴۹-۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۵۴-۵۵-۵۶-۵۷-۵۸-۵۹-۶۰-۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱

جو مرے اقصیٰ جو ہر دم دے سکتے ہیں عزیز
کچھ تنہائی میں دیتا ہوں وہاں سے کیا کیا
میں نہ تو پا جو دم فوج تو یہ باعث عدا
ور نہ وہ شروع کہ جو گل سے بھی نازک ہوتا
ہو گیا بلوہ انجم میری آنکھوں میں ملک

تیرا بختی میں بھی جوں پہنچ سیراب ہے
دل قناب کو میں ادول قناب ہے
کہ رہا غفلت عشق کا آداب ہے
یہ سے اس طرح سے نہ انوکھے آداب ہے
کیونکہ آنے شب جہاں میں کہو آداب ہے

اگر دشمن چرخ ہے اسے فوق ہندس کہے
آسمان اس کو نظر آتا ہے دولا ب ہے

تیرا اس گلہ کا گر دل مضطرب میں گھر کرے
کیڑا فدا سا اور قہ پتھر میں گھر کرے
چشم سیرتباری نظر ہر کے دیکھے جب
یوں میرے میں جیتی ہے نہ انی اسکے تاب
فلکشت میں نہیں کرتے صبح شام آتے
و کھلائے جوش گریہ اگر میری چشم تر
تغمد میں گر دیا وہ کے مہنوں نے گھر کیا
یوں زلمی فتح ہے آکے جہاں مرا خیال
غن شہید ناز کو دھونا تھا کیا بھلا

ہاں سو عشق زخم کے پھر گھر میں گھر کرے
انسان وہ کیا نہ جو دل لبریں گھر کرے
لا رہیں دفع دے گل جہر میں گھر کرے
ہیرے کی جوں کئی دل گھر میں گھر کرے
دل ہو کس کی کتب خیر میں گھر کرے
مزمع کے غرق جہنم میں گھر کرے
حیرتہ ایسا کون کہ چکر میں گھر کرے
جس طرح زنگ برنگ گل تر میں گھر کرے
یہ زنگ وہ نہیں ہے کہ خیر میں گھر کرے

کوزہ نگہ تو آنکھوں میں گھر کرے
دل جسا گم ہوا آنکھوں میں گھر کرے

لائی حیات آئے قصائے پٹی چنے
بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے رُل سکے
کہ ہوں گے اس بساط پر ہم جیسے بوقت
ہو عمر خضر بھی تو کہیں گے بوقت مرگ

اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
چہ کیا کریں جو کام نہ بے دل مٹی چلے
جو چال ہم چلے سونا بیت بڑی چلے
ہم کیا ہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے

<p>یہی کا ناقہ دشت میں کھلاتا نذوقِ شوق تازاں نہ ہو خود چہ جو نہ ہو نہ ہی ہو وندی نے کس کا راوی میں یا ہے ساتھ</p>	<p>من کرفغان جس بوائے مدی پہلے وانش تری نہ کہ مری اُشتوی پہلے تم بھی پہلے چلو نہیں جسک پہلے پہلے</p>
<p>جانتے ہوئے شوق میں مہا ایں جن سے فوق اپنی جاسے باو صبا اب کبھی پہلے</p>	
<p>لیا ایمان دین تو نے اگر چاہیے لئے مغلو تو نے سو کا سب کو میسے پاس آنے سے ڈھیلے شمع کے سانچے میں گھسنے سرچہ جو گھسنے پٹھے صحیح زاہد پر چھا دست اگر تیری مبتاری زلف کے کو توجہ نہیں پھر تاجہ ذہان کساں جاؤ گھاؤ اگر طائر بے بل پر ہو نہیں</p>	<p>نہیں با سپہی لئے ظالم ترا ایمان گھلنے سے اہل بھی اب یہاں آنے تو آنے کچھ مہانے سے سیکے آئو وہ نہیں آگے آگے اس مہانے سے تو چٹکے بادہ انگور اسکے دانے دانے سے چٹا لینا ہو گر دل کا تو لینا اپنے نشانے سے تفسر مہیا د کا ہاتھ ہے جہد کو آتشیانے سے</p>
<p>ذکرِ خزانِ دل بہت ہے ہاتھ لئے فوق اکوڑ کہ یہ کھانا مرے لگے ہے بہتر زہر کھانے سے</p>	
<p>جاں عش لب ہاں بخش پر دل عش خط مشکیں ہے ہے</p>	
<p>عیسائی اپنے دیں ہے ہے۔ موسائی اپنے دیں ہے ہے</p>	
<p>مے سین کی صورت دکھا۔ تو ہنس کے دانت اپنے ذرا</p>	
<p>باسین۔ کیا پڑھو رہا۔ قافل مرے بائیں ہے ہے</p>	
<p>بیل کا دل ہے غل فشاں۔ ہیں عشق کی فیر چھاں</p>	
<p>سُرمی رنگ گل کہاں۔ یہ دامن چھپیں ہے ہے</p>	
<p>حرفِ زبانی ہو کہ خط۔ قول اُن کا سچ ہو یا غلط</p>	
<p>میری تو اب شکیں غلط۔ اسے دل تری شکیں ہے ہے</p>	
<p>ہے غشتہ انگور پا۔ کرتا ہے دل ہے آہ</p>	

صد غنڈہ دندان نما - شب خوشہ پردیں ہے

دو جام سے بھر کر چڑھا - پھر دیکھ کیفیت ہے کیا

یہ خوب عینک حق نما - چشم حقیقت ہیں ہے

ہو کوہ کے چشموں سے واں - پانی زکیں شیریں واں

دلی جان شیریں کسو جہاں - فرماوئے شیریں ہے

میں کیا کروں اظہار غم - ہے بار غم بچہ بار غم

دن رات ایک انہار غم - میرے دل غمیں ہے

صیقل نہ ہو گر تیغ پر - جوہر ہو جس کو نظر

اسے ذوق بیاں قدر ہنر - آرائش و تزئین ہے

اگر ہوتے تو تم بہم ابھی سے
لگے کیوں تم پر مرنے ہم ابھی سے
ولا ربط اس سے رکنا کم ابھی سے
ترسے بیمار غم کے ہیں جو غم خوار
غضب آیا بلیں گر اس کی کھگاں
نہیں ہے ڈیرا اگر جانے میں ان کے
بچے آنسو تو دامن کیا کہیں گے
میرے لاشہ پہ بھی اس جنگاں نے
تمہارا مجھ کو پاس آبر و مست
لگے سیسہ پالے مجھ کو آنسو
وہ شاید منہ کھلے پہ جاؤں گے آج
نکلے ہی دم اٹھواتے ہیں مجھ کو
ابھی دل پر جراحت سو نہ دوسو

تو پھر ہوتے ہیں رخصت ہم ابھی سے
لگایا جی کو اپنے غم ابھی سے
جنا دیتے ہیں تم کو ہم ابھی سے
پرستاؤں ہے ماتم ابھی سے
صنیں یاروں کی ہیں کہ ہم ابھی سے
نہیں اپنے جی میں دم ابھی سے
ہوتی ہے استیں پر غم ابھی سے
کھا کیوں جی! چڑایا دم ابھی سے
وگر نہ اٹک جاتے غم ابھی سے
کہ ہو بنیاؤں غم حکم ابھی سے
کہ چھایا بول پہ ابھر غم ابھی سے
ہوئے بیزار کیوں ہدم ابھی سے
لے آئے دوستو تم ہم ابھی سے

کیا ہے وعدہ دیدار کس نے | کرے مشتاق ایک عالم ابھی سے

نوا جانا بگے غیروں نے اے ذوق
کر پھرتے ہیں غمش مغزوم ابھی سے

حالت نشہ میں لیکن اس بے جا ہلکا
کوچہ میں آپ سے تھے قصے خاک ہو گئے ہم
قاصد جواب بان مری ویکلی مجھے
مچلے ہو سیکرہ سے ابھی منہ چپکے تم
ہر تازے ٹپکتی ہے سستی شراب کی
یہاں تو صبا نے اور بھی مٹی شراب کی
پر منتظر ہیں آنکھوں میں خط کے جواب کی
داہے ہوئے منہ میں حراعی شراب کی

اے ذوق بس نہ آپ کو صوفی بنائیے
سلوم ہے حقیقت جو حق جناب کی

یہ دو غزل بھی آغازِ شباب کا ہے۔

نعل صد خانہ دل آیا جو تو ٹوٹ گئے
خار غم دل سے کسی طرح نہ نکالے عشق
چارہ گر سوزن تقدیر میں کچھ اور ہیں تار
سیکڑوں کا نہ ستر بریں متیہ جناب
تو جو کتاب ہے کوئے غیر کو بھی ساغرے
دختر زر گوہ انما زد کھاتے سیر بزم
کیونکر بن کشتی سے کیجیے سیر دریا
دیکھ کر ستر مر کی تحریر تری آنکھوں میں
تیرے ہاتھوں میں برنگ گل بازی آخر
چشم منور کے ایک جام میں سب یہ کج
تیرے کھینچے بھی اگر چارہ گروں نے بڑے
کیا بیاں تھے کوئی نہ دیکھ سکتا تھا کا
جو طلسمات نہ ٹوٹے تھے کبھو ٹوٹ گئے
ہو کے ناخن کئی سینہ میں فرو ٹوٹ گئے
جیب کے تار جو ہو ہو کے نو ٹوٹ گئے
کبھو اسے چنچ بنے تجھ سے کبھو ٹوٹ گئے
ناخن کیا انکسے ہیں اے عہدہ جو ٹوٹ گئے
رات یاد رکھئے یہاں غسل و وضو ٹوٹ گئے
میکڑو زریں بل آب نو کدہ ٹوٹ گئے
ہیں منہم خانوں میں تار لگو ٹوٹ گئے
بند بند اپنے ہیں اے عہدہ جو ٹوٹ گئے
رات سر پرستہ اعمالی نکو ٹوٹ گئے
تو کبھو چھوٹ گئے اور کبھو ٹوٹ گئے
کو مری خاک سے بن چکے کبھو ٹوٹ گئے

شدتِ گریہ سے مہرِ سرِ موٹوٹ گئے
بچنے بھی دل سے جو سفاکِ کجہوٹوٹ گئے
یہ ٹکڑے کہ سرِ لب جو ٹوٹ گئے

مژدہ تر پہ اُمید نہ کر جو شب گئے آسو
ہندِ عشق لپیٹے کب چھوٹتا تیرو محو ترے
گلشنِ عشق ہے کیا بارور اللہ اللہ

کہ بہ تھیلِ قوالی غزلِ ایکارہی فوق
دیکھیں کس طرح سے بھٹاتا ہے تو ٹوٹ گئے

تیرہ بختوں کے جیاں تارِ نفس ٹوٹ گئے
ہائے نہ گنبدِ مینا کے کس ٹوٹ گئے
پانویں چھبکے سے غزلِ نس ٹوٹ گئے
عمد و چیاں سے سب ابھریں ٹوٹ گئے
مضطرب ہوئے یہ تڑپے کہ قفس ٹوٹ گئے
شہدِ برہنہ کے ہیں پانچے کس ٹوٹ گئے
کوئی دم میں یہ بھنکا کہ قفس ٹوٹ گئے

کس کے دھڑکنے سے سنا ہے جس نے
رات جو شیشہ سے تھکے سے ٹوٹ گئے
دیرِ آبلہ پا ہے شرکاں پیدا
ساقیا پاؤں کشی میں کٹی ساری رات
یاد آیا جو اسیرانِ قفس کو گلزار
رونگٹے بار کے پشتِ لبِ شہرِ چ نہیں
تو گرفتارِ قفس گر بوجی تڑپے سیاد

فوق ہم جھگٹے گم ساریں ہوئی گم آواز
آج کیا قافلہ کے سائے جس ٹوٹ گئے

کہ بانگِ ولادت کو مولود بکے
کہے عشقِ سوائے بے نواد بکے
وہ بے زخم۔ دل کو ٹھک بکے
وہ کافر کسی کو نہ موجود بکے
نہ فرعون بکے نہ فرود بکے
ہم آفت کو اہلِ زاد و بکے

ہم اول ہی سے خود کو نابود بکے
ہو انا کہ جب دو دو آلود بکے
تیری مانگ کی تیغ کا ہر جڑھی
تھا کی خدا کی اگر آئے آئے
جو کچھ آپ کو دل میں سمجھا دکانفر
بھارا جو دل ہو گیا موم آن بکے

کیا دل کا بازارِ آفت میں سودا
نہاں کو ہم اسے فوق یہاں سودا بکے

خط پڑھا بالکل بٹھے زلفیں بڑھیں گی جو بچے
 تیرے جلو سے من میں افق لے کر وہ بٹھے
 بعد بخش کے گلے بٹھے تھے سن ہے جی
 ہاتھ بٹھے کو جو جنوں سے بٹھائے دشت میں
 کہہ نا ہے سن کے ہواں میں خط پوشنباب
 بٹھے بٹھتے بڑھ گئی دشت گرد پہنچے آہ
 تجھ کو دشمن ہاں شہزادے جو بھڑکتے ہیں تو
 واپاتی کیا ہی می ہے لڑوئے فرحت فرا
 یوں ہم گریہ ہوا دل سے مرنے لڑکھنڈ
 حسن کیفیت سے ہو مورا گر مینا نے دل
 یاں بٹھے وہی پیش اور قہر ہے غیور بھلا
 چرخ پر نور قہر انوں بٹھے اتوں گھٹے
 کچھ تہنم کو گھٹا کیا فائدہ اس سے حبیب
 چاہتا ہے دل بٹھے آفت کی آئے ٹھما

حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے جندو بچے
 شہنشاہین میں بٹھے گل میں رنگ و بو بچے
 اب نہ سب سے ہی کچھ میں بڑھوں کچھ تو بچے
 فصاحت و فصاحت میں جو شہنشاہی سر آہو بچے
 ایک مطلع اور زیر مطلع آہو بچے
 ہاتھ کے ناخن بٹھے سر کے ہوائے موہو بچے
 چاہتے ہیں دھڑکنے شہنشاہی آتش رو بچے
 جس کے ایک قطرے سے سیریں ہم میں لوہو بچے
 جن و شہنشاہی کے باعث سرو آب و بچے
 پھر تو جام ہم سے قدر کا سہ زانو بچے
 گرمی صحبت تری لے شہنشاہی آتش نو بچے
 سخن تیز اور زبرد زلے ہلال آہو بچے
 روز سنو تیں اگر خرف گھٹے کا ہو بچے
 پڑاں قابو نہیں کس طرح بے قابو بچے

یہ شوانی کو غم جانا کی چشم دلوں سے فوق
 جب بٹھے نامے تو ان سے پیشتر آنسو بٹھے

آتے ہی تو نے گھر کے پھر جانے کی سنائی
 جنوں کو کہین کے سنتے تھے بار تھتے
 جس بات پر غباری سب غش میں سے چھٹے
 شہوہ کیا جو میں نے گالی کا آج اس سے
 کیا جانے کیا کہیگا۔ کہہ کہنے کو ہے ناصح
 کہنے نہ پائے اس سے ساری حقیقت ایک دن

رہ جاتوں سن نہ کیونکر یہ تو بڑی سنائی
 جب تک کہانی اپنی ہم نے نہ مٹی سنائی
 ہم کہیں آنکھوں بھی نہ سب سنائی سنائی
 گالی کے ساتھ آئے ایک اور ہی سنائی
 مریا نہیں مجھے تو اسے بخودی سنائی
 آدمی کہی سنائی۔ آدمی کہی سنائی

صورت دکھائے اپنی یہ بکھیں ہر طرح سے | آواز بھی جس نے ہم کو کبھی سنائی

میت میں جس کی مانگا جو ذوق ہوس | کیا کیا پھر اُسے ہم کو کھوٹی کھری سنائی

ہنگام ہوس گرم جو وہ ایک ذری ہوئے | ثبت اس بیاہن چشم میں ہیں خطا سر سے
دکھلائے ہم نے یکے جو دامن پر و زانگ | ایک خال زیر زلف کا ہر سر سے لینے
بیلچائے خاک و جشی چشم بیاں چکھاس | کہہ رکھتے آدیت اگر ہوتے آدمی
ہم جیتے ہی جہاں سے معلوم ہو گئے | رسوا نہ ہوتے کہتے نہ گریب سینہ پاک
مطلب نہ کفر سے ہے والسلام سے چکام | طالع بھگت نہ اپنے سعادت سے ہمقریں

اے ذوق آج سامنے اُس چشم مست کے | باطل سب اپنے دھمکے دانش مری ہوئے

غزل مرقوم الذیل پر نظر ثانی کی شائع نہیں پڑی ۔

ایک صد سہ رو سے مر جیاں پہ تو ہے | ایک بلا سے یار کے انو پہ سرفہ ہے
آنا ہے اُن کا اگر چہ قیامت پہ منحصر | ہم خوش ہیں یہ کہ آئینگی آگے خبر تو ہے
ہے مرشید عشق کا زہیب سندان بار | صد شکر ہے غم و غا بار تو ہے
لحش و دل ہے رونے میں جتا تو کیا ہوا | ہو جاتی رات اس میں بلا سے سرفہ ہے

سلطہ ہون کمری ایک گھاس ہے ۔ اچھے بے کی شکل ہون کے غم سے مٹی ہے ۔ اپنے نام : اپنے شعر کا مطلب
میر سے ۔ کہ ماضی چشم کے وہیں آگ نہ رہی ہے ۔ غم پر جو سزا آگے کا جہانے گا ۔ اُن ہون کمری غم
آگے کی ۔ کہ ہون کی آگھیں خوب ہوتی ہیں ۔ اور یہ آگھوں کے ماضی ہیں ۔

چہ نہیں روا اگر نہیں ہمد و میرے پاس
لے دل بزم مریح و الم سے نہ تنگ ہو
اُس بُت نے غایب نہ کیا یا نہیں کہا
ترتیب پہلی پہنچی نہیں گر چہ لعل و گل
کشتی بکھر غم میرے حق میں ہے تیغ یار

دوسرا اگر کوئی نہیں سوزِ جگر تو ہے
خاند خراب خوش ہو کہ آباد مگر تو ہے
چپ ہو گیا وہ بائے بے میکر تو ہے
سینہ میں سوزِ شعلہ داغ بگر تو ہے
کڑھتی ہے ایک مہر ایسے کڑھ تو ہے

وہ دل کہ جہیں سوزِ محبت نہ ہوئے ذوق
بہتر ہے اُس سے سنگ کہ جہیں شربت ہے

یہ غزل عشقانِ مشاب کی ہے - نظر ثانی نہیں ہوتی -

خدا نے میرے دیا سینہ لالہ زار بے
وہ خط جو نکلتے نہیں جزِ خطِ غبار بے
نگہ نے اُس کی بے سختِ غیبِ ر کیا
بہاں یار نے حُرک بھی دیکھنے نہ دیا
تمہارے عشق میں ماہی سے تار و فلک
نظرِ حریف کی ہے روزِ چل پڑ قوف
عیاں ہے آئینہ رخ پہ جب خطِ غبار
بجائے دادِ محبت بے موافقِ محلی

تو نہ رہے غمِ آؤ غمِ بہار بے
بکتے بائے کہ جس اپنا خاکسار بے
بلائے مار دے اگر کوئی مکنار بے
چھارتے ہے ویر و حرمِ ہزار بے
دکھائی میتے ہیں رہائے اغدار بے
تو کرنا کیا تھا نظرِ سداشمار بے
وہ خط ہیں نکلتے مگر در خطِ غبار بے
دکھا ہے ہیں عین کی یہ کیا بہار بے

نہ دیا عشق اگر چشمِ غبار لے ذوق
جلال کی مٹی میری آؤ شعلہ بار بے

لڑکپن کی غزل ہے - نظر ثانی نہیں ہوتی -

مرضِ عشق ہے ہو اُسے کیا یاد رہے
تم ہے یاد کرو پھر اُسے کیا یاد رہے
لوٹتے سینکڑوں نظیر ہیں کیا یاد رہے

نہ دوا یاد رہے اور نہ دوا یاد رہے
نہ خدائی کی ہو پہ وہ حشرِ یاد رہے
چہرہ و سینہ میں دل کو کہ پتا یاد رہے

رات کا وعدہ سہ بندہ سے اگر بندہ ناز
 قاصد عاشق سودا زود کہا لیتے جواب
 دیکھ بھی لینا ہمیں ادھیں اور کیوں صاحب
 تیسے دہوش سے کیا ہوش خود کی ہوشید
 کشہ ناز کی گرد نہ پھیری پھیر و جب
 خاک برباد نہ کرنا میری اس کو تہ میں
 گریک آئے تو جھاتی چہ قدم بھی تھکدو
 تیرا عاشق دہو آسودہ بندہ طلبے
 باز آ جائیں جنا سے جو بھی آپ تو پھر
 مارغ دل پر میرے پھانڈیں بھانڈا
 زخم دل بولے تھے دیکھ لنگڑوں سے
 حضرت عاشق کے کتب میں ہے تعلیم کیا
 گر حقیقت میں ہے ہناتو نہ رکھ خود بینی

بند میں دے لو گہ تاکہ ذرا یاد رہے
 جب نہ معلوم ہو گھر اور نہ پتا یاد ہے
 ہم سے منہ پھیکے جانا بی بھلا یاد ہے
 رات کا بھی نہ بے کھایا ہوا یاد ہے
 کاش اسوقت تھیں نام تھا یاد ہے
 تجھ سے کہہ دیتا ہوں میں باوصیا یاد ہے
 کوئی بہیل ادھر آئے تو پتا یاد ہے
 غم میں بھی ترسے کو چہ کی ہوا یاد ہے
 یاد عاشق کو نہ کیے گا بھلا یاد ہے
 چارہ گر بھو نہ چسکی سے آٹھا یاد ہے
 لو بھلا کہ تو محبت کا مزا یاد ہے
 بیاں نکھایا ہے اور نہ پڑھایا یاد ہے
 بھولے بندہ جو خودی کو تو خدا یاد ہے

عالم حسن خدائی ہے تہوں کی لئے فوق
 چلکے بہتے خاند میں بیٹو کہ خدا یاد رہے

چشم قاتل ہمیں کیونکر نہ بھلا یاد رہے
 میرا غم ہے جسے کو چہ میں بہا یاد ہے
 کشہ کُلف کے مرقد چہ تو لے لی ہوش
 خاکساری سبک بصف کہ جہ میں ہوسا
 ہو یہ بیک جسم یا بہ افغان سجد
 یاد آس عہد فراموش لے غیر سے بدی
 خطا بھی لکھتے ہیں تو لیتے ہیں خطائی کا عہد

موت انسان کو لازم ہے سدا یاد ہے
 یہ بہا وہ نہیں جس کا نہ بہا یاد ہے
 بید مجنوں ہی لگتا کہ پتا یاد ہے
 ہو صفا اور دل اہل صفا یاد ہے
 میکشو قتل مینا کی صدا یاد ہے
 یاد کچھ کم تو نہ متی اور سدا یاد ہے
 دیکھئے کیونک انہیں میری خطا یاد ہے

دو ورق میں کتب سرسکے دھالم کا ہے ظلم
قتل عاشق پہ کر باندھی چٹیل آئے
طائر قبلہ غامین کے کہا دل نے تجھے
جب تے پیدا میں دنیا کی نمازیں پڑھتے
ہم چہ سو بار بجا ہو تو رکھو ایک نہ یاد

سہتی عشق اگر تجھ کو دلا یاد ہے
چند ہے کہ آئے نام مراد ہے
کہ خط پ کر یونی مر جائیگا یاد ہے
کاش اسوقت انہیں نام خدا یاد ہے
بھول کر بھی کہیں ہووے تو خدا یاد ہے

محو اتنے بھی نہو عشق جہاں میں آذوق
چاہیے بندہ کو ہر وقت خدا یاد رہے

تیرے نہ کرف و نہ تیرے ہیں کیا ہے
اے اہل ظلم عالم تصویر کو دیکھو
ہے شانہ کہ میرا دل دیا نہ ہے ابھرا
پارہ کی جگہ گشتہ اگر ہو دل بقیاب
اے صبیحین کرتے کیوں اتنی چھری تیز
یکہ سلسلہ جہان جہوں ہے ترا جہوں
میشا ہے دیکھو چہ حیراں ترا مشیا
صیا و عیش گروہے تو اسکے شب مروڑ
ہے صیبر نگہ اتن قضا سے یہ تڑپ کہ
یہ غنچہ تصویر کھلا ہے نہ کھلے گا
خبر ہے تے اندھ میں اور ہم تو خبر
استاقتا ہے سے کہ جسد ہو گیا مشنڈ
زاہد کی طرف بھٹو نہ تم میرے م فوج

کچھ یہ بھی خبر ہے تیری تقدیر میں کیا ہے
تصویر کا کیا دیکھنا تصویر میں کیا ہے
مسلم نہیں مرنے کی گہر میں کیا ہے
پھر آپ ہی اکیسے اکیس میں کیا ہے
اب باقی بھلا اس قیسے کچھ میں کیا ہے
قتل دیکھو پانچا نہ نہ زنجیر میں کیا ہے
لوٹک میں کیا ہوتا ہے تجھ میں کیا ہے
تو دیکھ تو کچھ اس شکو کچھ میں کیا ہے
اس میں کیا صفت اس میں کیا ہے
کیا جانے دل عاشق نگہ میں کیا ہے
تاخیر ہو کیوں غایتہ تاخیر میں کیا ہے
کیا جانے اس آپ ہم غمخیز میں کیا ہے
نوام تم اشد کا نگہ میں کیا ہے

سلسلہ اس وقت خضائی کا دوسری جلد کا نسخہ میں تھا۔ جلد ہے۔ اب کٹھری تو ابھی ہے۔۔۔۔۔
بکس کی عمر میں دنیا کی حالت ایسی چل گئی ہے +

ذوق اس لب شیریں کا جو تو دھست کھتا
کیا کیسے عادت تری تھر پر میں کیا ہے

پرہیز کیا سنگدیشی تریسے نہ ہوتے تھے
وہ جبے ان بے تکلفات میرے دھتے تھے
کیسی خدقیں یاد آئیں میں منہ حکاں پر
جو دریں گایاں آئیں ہاں کو آج کیا کیسے
خدا گنہ عشق کا کہ زخم دل فدا کے باہم
سفر ہے ایک تان لکھنؤ میں چھ جہاں میں
کتابوں شرارتیں سے جل آئیں شاید
ہمارے آہو نہیں آئیں یا آبادی ہے
مستم دنیا کے جو جوتے سنگدوش تھے گنتے
نماز میں ہیں سنتے شورو صحت قیامت کا

وہ لیکن جیسے تم ہو فتنہ گر ایسے نہ جتے تھے
صبا کے جسکے بیاں وقت میرے دھتے تھے
نمایاں قطرو غن بگر ایسے نہ جتے تھے
کبھی دم ہم اسکو چھیر کر ایسے نہ جتے تھے
لگے کئے کر شیریں فیکر ایسے نہ جتے تھے
پریشاں مرزدوں گر سفر ایسے نہ جتے تھے
کہ مضمون سوز دیکھ دیشی ایسے نہ جتے تھے
کہ پہلے خار صراغ تیرے دھتے تھے
مگر صدمے ہماری جان پر ایسے نہ جتے تھے
پر اس قاصد جوں شور و شرابے دھتے تھے

ہمارے شمرن کرفوق جیسے ہر دم نام میں
بھٹے قاتل ہیں اب اہل نظر ایسے دھتے تھے

دیکھو عاشق تشنہ جگر کے تیر پہلو سے
نہ لے لے ناک لہن دیکھو میرے چہر پہلو سے
دل سپردہ کوئے ملک تو نہ دھنیں پہلو کے
وہ جس بے مست پارساں ساقی جب آسانی
میر لعل ہے انہیں دیکھ لے پہاں شکو
مستور لیلی و خدیجی کا کامی ہر حیراں میں
پُرل لب تشنہ تیغ یار کا ہے رات میر کرتا
عجب صرست کا حال تھا کہ جنوں کتا پیچا

ٹکالے پر ہے خٹل ماہی تصویر پہلو سے
کہ وہ تو با چکا ساتھ ہو کے بول تیر پہلو سے
دیکھو کہ محافل اے بست بے پہلو سے
کیا تپا لے قاتل از شمشیر پہلو سے
دبا کر بیٹھ آن کے پاؤں کی زنجیر پہلو سے
کبھی بیٹھا نہ فکر پہلو تصویر پہلو سے
صدائے اعطش جوں لاشبگیر پہلو سے
چمے پہلو کے محل کا یا تشنہ پہلو سے

کہ ہے کھلار ہا میرا دل لگیں پہلو سے
سہا ہی ہے جہاں کہیں شیش پہلو سے

ذکنا آتھن اٹھو یہ عالم لاغری کہے
خیال آپہنٹے جانا نہیں مل جھوٹا اکدم

تمام اہل سخن خیم سخن میں فوق حیران ہوا
طاہر قافیہ تو نے کیا تحریر پہلو سے

کچھ جو خاکستریا آدمی آٹا کر سیگئی
لے دھپلے دیے اور پھوٹا کر سیگئی
چروٹی سے چروٹی دا نہ چھڑا کر سیگئی
ایہل شامت نہ شامت لگا کر سیگئی
کیوں نہ مورچ شہر ہوتا چھڑا کر سیگئی
لیکن آواز جس ہم کو چکا کر سیگئی
پارہ ٹٹے دل سے گلہ نہ بنا کر سیگئی
سے جنوں آخر شستہ بھلا کر سیگئی
برگانی انکے گھر سو گھر پھر کر سیگئی
رات ہم کو لہر مشعل دکھا کر سیگئی

برق میرا آتشیاں کب کا جلا کر سیگئی
اسکے قدموں تک نہ تباہی چڑھا کر سیگئی
تاوانی ہم کو ہاتھوں ہاتھ اٹھا کر سیگئی
صحیح فحش سے کون شہم زلف میں جاتا تھا آہ
غون سے فریاد کے دھنیں ہوا دمان کوہ
تم نے تو چھوڑا ہی تھا اسے ہر زبان قافہ
نوک دھکاں جب تائی سینہ نکالنے دیا
دیجی کہہ دیکھی کشش لیلیٰ کتنا کو تھے
وہ گئے گھر غریب کے اور یہاں میں م بھر کے بعد
واہ اے سوزہ دروں کوچہ میں اس کے برقی آہ

کیا کہوں اتھریا سے کہو اٹھا کر سیگئی
روح جنوں بہر استہال اکر سیگئی
آتش سوزہ محبت سخی جلا کر سیگئی
دل اٹا کر لے گئی یا پھر لگا کر سیگئی

جو شبیر ناز کوچہ میں تھا سے تھا پڑا
دشت شہت میں بگولا تھا کہ وہ اندھا
آگ میں ہے کون گر چکا کہ پڑا کو
لے چری پہلو سے سیسے کیا کہوں تیر چلی

فوق مرتبہ کا تو اپنے کوئی موقع نہ تھا
کوٹے جانا میں اہل حق لگا کر سیگئی

عالم شباب کی غزل ہے۔ شاعر نصیر مرحوم کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا۔
ملہ لیکن کا لاکھ گروہ پہلو جس طرح جھلکے بلاتھ اس کے ہاتھ لگا کر سیگئی جس کو جب پانچے نہیں

وہیں چسپی مٹنی۔ آن کی مٹا گروی کا تھنڈا ایک قطعہ بھی موجود ہے۔

عزیز رقم سے مسخ نہیں ہے منہم پے
رقا روہ کر فتنہ ہے سو قدم پے
کتاب ہے کسکو نانہ سے تو بد دم پے
بسل تے تڑپ کے بھی پنچے نہ پاؤں تک
کیوں گرم اضطراب ہے اسد جلے شراب
پھر کر جائے کعبہ دل میں غزال یار
قافل جو تیرے ماتھے میں بٹنی ہو زہر کی
جے سوچ ریگ بادہ کیا ایک گلم میں
یارب کہ صحر کو جائے یہ جاننا زرد و غم
انتا بھی م نہیں ہے کہ تیرا مٹنی غم
شب گھر اچھے خیر نے تو کیا محتا پر
کہ اپنی شرح سوز دل بھیرا آج
اللہ رکے اضطراب کہ جو آتشیں قلم
یہ کیا شب سال کہ تو نہم تو ہیں
کعبہ ہیں۔ یہ کوٹل ہے مقام دست
تم آؤگر تو آؤ۔ نہیں مجھ کو لو بلا
برگشتہ بخت وہ ہوں کہ پھرتے نانہ سے
میں نے کہا جو انے نکلا ہے میرا دم
دیکھو نہ جاؤ حضرت بل لعل پد میں

برحق ہے شمع سدو سے لعل قلم پے
قامت کے ہے شور قیامت کو تم پے
تو دو قدم کے میں ہوں سو قدم پے
یا دو قدم دسے ہے یا دو قدم پے
ہستی سے کتنی دور ہے ملک عدم پے
کتے ہیں دیکھ رہو غزال حرم پے
مرہم کو زخم دل سے اٹھا کہیں ہم پے
ہونکے سوار کشتی نقش قدم پے
بانہ سے کھڑی ہے طرف فوج غم پے
سر کے نظر سے صورت نقش قدم پے
دیوار بام پہلے پہلے ہم کہ دھم پے
آیا محتاجی میں بیٹھ کے کیسے رقم پے
ہا محتو سے جا چلائے چھٹ کر قلم پے
پہلے سے تو ہیں بیٹھے پے آن سے ہم پے
رہنا فدا یاں سے طواف حرم پے
گھر سے تمنا ہے گھر سے مرا کے قدم پے
شرکاں تک اسکی آگے نکلاؤ کر م پے
بولے خدا کیواسے لکے یہ دم پے
رستہ نہیں ہے آپ کے سر کی قسم پے

کہتا ہے کیا مسافت منزل کا فکر فوق
ہے اب تو یہاں سے ملک عدم و قدم پے

تنگ جو ریت سے ہیں تھمتہ تابوت نہیں | مر کے ایک تخت ہوا دار نظر آتا ہے

دُرخسوں میں ترے ذوقِ زریں بشین ہوا
کم کوئی ان کا حسدِ دیدار نظر آتا ہے

دکھلا زخاں ناف تو لے گلبدن بجے
ہدم! وبالِ دوش نہ کر پیرہن مجھے
پھرتائے چمن میں ہے دیوانہاں بجے
تبہج دور بزم میں دیکھو امام کو
لے میرے یا سنگِ ترے دندانِ آبدار
مر اب کبھو جگے ہے تیرا خم کماں
ہے تن میں بیشائے نئے شک استخوان
لے لب سی کو بھینک - کہ نیل ہے کم بنا
ہوں شمع - یا کہ شعلہ خیر کچھ نہیں - مگر -
اک سرزمینِ لالہ بہار و خزاں میں ہوں
طرے سے تیشہ بولا جو چاٹوں نہ تیرا خون
رخ پر تھامے نام جو ڈالا ہے سبز نے
پیل نہ ہے کہ کرو سے زمیں آساں گناک
کو چہ میں میرے کون نقایات بھلا خیر
دکھلاتا آساں سے ہے رنگِ زمین کی سیر
رکتا ہے چشمِ لطف - کہ کس کس ادا کے ساتھ
ہے جہزِ ہلالِ درست تو چاہِ فراق سے

ہر لالہ یاں ہے نافِ شکِ غن بجے
کانٹا سا ہے کھٹکنا مرا تن بدن بجے
زنجیرِ پا ہے موجِ نسیمِ چمن بجے
بہشتی ہے حق نے زیبِ سراپاں بجے
گلشن میں ہیں ملاتے گلِ یاسمن بجے
صیدِ حرم جگتے ہیں ناوکِ گلن بجے
کیوں کھینچتا ہے کاتوں میں لے طبعِ سن بجے
یا قوتِ مے دیا کوئی غسلِ مین بجے
فانوس ہو رہا ہے مرا چہرہ من بجے
یکساں ہے داغِ ستارہ و داغِ کن بجے
شیریں نوٹے خونِ سر کو بہن بجے
اکا نظر ہے دیدہ عنقا وہن بجے
ایک دم کو برق سے جو چنپا پیرہن بجے
شب چاندنی نے آکے پھنپا کمن بجے
لے رکھ بامِ تیری جیس کا گلن بجے
دیتا ہے جامِ ساقیِ پیاں شکن بجے
کھینچے گی تیری زلفِ گلن در گلن بجے

نٹے - اس شعر کو چھکر ایک دن فرمایا - کہ ایسے موقع پر اب تک زبانِ اردو کے شاعر

لے رکھ یا سن کتے ہیں - مگر غیر یہی ایک اندازِ کلام - ہو گیا - رہا تو رہا -

دکھلاتا ایکسا دایں ہے سو سوطح بناؤ
جیسے کوئیں میں ہو کوئی تارا چمک با
اگر اسے بھی دو کہیں آنکھیں ڈا دکھا
آئے مرے چمن کہ تہا میں تری ہوا
یار بیل ہے یا کہ ہے آئینہ نظر

اس ساوہ پن کے ساتھ تیرا بگہن مجھے
دل سو جتنا ہیروں تو چاہ وطن مجھے
آنکھیں دکھا رہے غزال ختن مجھے
سحرائے دل ہوا تھے چمن بگہن مجھے
دکھلا رہا ہے سیر و سفر در وطن مجھے

آیا ہوں نور لیکے میں بزم سخن میں وق
آنکھوں پر سب ہٹا بیٹھے اہل سخن مجھے

یہ غزل بھی آغاز شباب کی ہے۔ مضمون مطلع بھی گواہی دیتا ہے۔

مار کر تیر جو وہ دلبر جانی مانگے
لے صنم دیکھ کے ہر دم کی تری کم سخن
خاک سے تشنہ نویدار کے سبزہ جو آئے
مار پہچاں تو بلا بیگا مگر تو آئے زلف
دہن یار ہو۔ اذہر مانگے کسی سے دکھا
دل مرا بوسہ پہنچا م نہیں ہے ہدم

کندو ہم سے نہ کوئی دیکھنے لگانی مانگے
موت گہرا کے نہ کیوں بھٹکانی مانگے
تو زبان اپنی نکالے ہوئے پانی مانگے
ہے وہ کافر کہ نہ کاتا تیرا پانی مانگے
وہ جو مانگے تو بانہا ز نہانی مانگے
بار لیتا ہے تو لے۔ اپنی زبانی مانگے

جلوہ اس عالم معنی کا جو دیکھے اسے ذوق
لطیف الفاظ نہ لے حسن معانی مانگے

نہیں گواہی جو داغ کمن نہیں دیتے
جہاں بات وہ کیا حکمت نہیں میتے؟
جو بولوں کچھ تو محال سخن نہیں میتے
حر ہے نوز دکھاتا تھی چمک خورشید
ہیں منع کر رہے رونے کو یہ جو ناداں دست
یہ پڑ گئیں تن لاغریں جہاں ہیں سر

دکھائی گیا مرے تن پر چمن نہیں میتے
کہ درد جاں ہیں اب زخم تن نہیں میتے
ہیوں بھی میں۔ پڑھ بیٹے دہن نہیں میتے
دکھا اُسے مرا داغ کمن نہیں دیتے
بجھائے کیوں مجھے دل کی جلن نہیں میتے
کہ اتنے زلف میں ہیں وہ شکن نہیں میتے

شیدہ تاز کے چلم پہ ہے نظر شاید
اجل ہے پوچھتی پھرتی مرا پتا یا رُو
عدم کی راہ میں بھی کچھ تو ہے غلہ گلد
جو لگا آب دم تلخ اُس سے بس نے
ریاں شیخ جو ہے وصفِ حورِ شلن طور
وہ میر کھینچے ہے۔ پلو سے کدے دیلِ ناز
ہو اُنکی زلف سے کیا زخمِ دل کو شہم ہید
پڑے ہیں وامن کسار و وامن صحرا
زبانِ حلاوتِ اُفت کالے مزہ کو نہ لے
ہلا زہر۔ دکھایا ہے سے کا پتا نہ
سنبھال تا فرجِ حشت کو اب تو دستِ چوہ

کہ سرہ انگوں میں ہم جان میں نہیں دیتے
بتا اُسے میرا بیتِ الحزن نہیں دیتے
کہ ساتھ لینے بجز یک کفن نہیں دیتے
تو بولا۔ زخمی کو لے شے تن نہیں دیتے
ذرا دکھا اُسے اپنی بھین نہیں دیتے
کہ ہے نشانیِ ناوکِ گلن نہیں دیتے
لگا بھلے کو وہ مشکِ ختن نہیں دیتے
تیرے شیدہ کو دو گز کفن نہیں دیتے
لبِ اپنی مد سے گلد نے سخن نہیں دیتے
پڑھو کے لے بُتِ پیاں گلن نہیں دیتے
کہ بیٹھ یہ مرا پاک کفن نہیں دیتے

گلوں سے بن چکے جب وہ نہ تھکے تھکے
تو بوسے ذوقِ جلا تن بدن نہیں دیتے

اے صنم جہ میں ہم جیتے بھلا پھرتے
وہ بھی دن یا دہیں جگتے صنم میں ایں
دلِ مجروح نے جو کھاتے جنوں میں پھر
پوچھا اُس بُت نے تو کھلی زبانی ایک ہا
جن دلوں نے ہے کیا چورِ مرافیشہ دل
عمر بھر کھاتا را سرد قدوں کے دشنام
کون ہم شبِ غربت میں شایکس کا تے
تھے دلِ سنگ میں جب تک تو بہتے غلہ

سینہ تھا اٹھ تھا سراپا تھا یا پھرتے
بسترِ خاک تھا اور بیکہ کی جا پھرتے
اسکو وہ سنگِ جراحت سے سوا پھرتے
حضرتِ دل میں کیا بارِ خدا پھرتے
اے جو دل تو نہ تھے وہ۔ بھدا پھرتے
اس شجر سے مری قسمت کے سدا پھرتے
یا تو سنا تھا یا دیتے سدا پھرتے
سلج شاہی میں لگے اسل تو کیا پھرتے

لے یہ غلہ بھی شایکس کے کھدک ہے لے تارِ محمد کی آخر میں جان میں اور بارِ غریب کے دادرِ گل گئے تھے

خاک اس زیت پہ جب سنگ اٹکے چٹے
میرے نالوں نے تو پتھر سے بنائے چٹے
مر کے ہم خاک میں جیتے تھے تو کیا پتھر تھے
اسے تو ہم ہی پیسے نہ ذرا پتھر تھے

مکینہ عشق کا اسے ذوق کیا ہم نے طواف
آئینہ خاک حتی اور سنگ صفا پتھر تھے

دل کے مجلس جو تو گر تھے تو کیا پتھر تھے
مر کے گر خاک میں تو پھانسی پہ پتھری دھرا
اب تو لکڑیوں میں جو گر تھے تو کیا پتھر تھے
کھائے گیہوں میں جو پتھر تھے تو کیا پتھر تھے
کنج شاہی میں جگہ پانی تو کیا لہو آیا
اور دھڑے گرتے درخت تو کیا پتھر تھے
کہ نہ بختا میں کس طرح تو کو دل سنگ
وہاں تیرے کب کے اندر تھے تو کیا پتھر تھے
کتا دوا ہوں لیکن نہ پیسے وہ سنگ
سنگدل گردہ سنگر تھے تو کیا پتھر تھے
ساقیا خاک ہے گر شیشہ دل میر تو کیا؟
اور بلوریں تیرے ساغر تھے تو کیا پتھر تھے

سنگدل رہے اسے ذوق صداقت میں رہے
غیر کے حق میں جو گر تھے تو کیا پتھر تھے

بزم میں نہ مرا لب پہ وہ لائے توسی
سنگ ہر سنگ ہر ایک کچے میں کھائے توسی
دہیں معلوم کروں ہونٹ ہائے توسی
پر بلا سے تیرے دیوانے نے کھائے توسی
گر جنازہ نہیں قبر پر آئے وہ مرسی
ہکود کیا کیے غنیمت ہے کہ آئے توسی
کیونکہ دیوار پہ چڑھ جانوں کوئی لکتا ہے
پانوں کا ٹوں گا انگوٹھے کو جھانے توسی
اپارہ مصحف لکھتے تھے تیرے کوچ میں پرچے
آئے پانوں کے تلے ہکود کہ پائے توسی
روزن در سے ذرا آنکھ ڈالئے توسی
آکے غرض میں بیٹھے تو نہ بیٹھے وہ شوخ
پر نپ بجر کو ہم دیکھیں جھانے توسی
گر گمانا ہے گے سر کو بڑھانا چہ فلک
شر و عشر لے سوتے سے جگمگے توسی
کروں ایکٹالہ صبر میں حشر میں ہر سو حشر

تھے تھی تھکے جو اس نام سے اسے ذوق
ور نہ تھی بیچ میں اس زلف کے آئے توسی

یہ غزل بھی اُسی زمانہ کی ہے۔

خیال دل میں پری نہ لاؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہے

تم آئے آؤ نہیں نہ آؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہے

یہ دل ہے آئینہ تم ہو صورت نہیں ہے یہاں ظلم کو کدورت

کسی کو گھر میں بلا بھلاؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہے

غل بنائے مٹا کو چھپے تو ہوگا نقصان کیس کو پہلے۔

مکان کو دل کے نہ تم گراؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہے

فقط ہے قسمت ہے افترا ہے کہ ہم نے دل اور کو دیا ہے

کسی کے کہنے پر تم نہ جاؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہے

گنتی ہے رات اب بہت زیادہ کدھر کا کرتے ہو تم ارادہ

نہ گھر کے جانے کی اب سناؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہے

تم اپنے شمع میں ہو کر رہے دن ہو رات میں شب کے عقد کن کن

ہزار دل سے ہیں بھلاؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہے

مکان دیدہ پسند خاطر اگر نہیں ہے کہ ہو گئے ظاہر

تو خیر تشریف تم نہ لاؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہے

تم اسکو دو داغ مشل لالہ دیا کرو بیشک آج بالہ

بگڑاؤ تم اس کو یا بناؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہے

یہی زباں سے ہے ذوق گستاہا ہے دیباں میں رہتا

جدا مکان اور کیوں بناؤ ہمارے دل میں تمہارا گھر ہے



متفرقات یا

زباں پیدا کروں جو آنیہ سینہ میں کھینے
 اڑنے خوب گچھڑے نکل جنوں خندانے
 فلک کیا تھ سازی میں جو چشم تھکانے
 چکتی ہے سرخونوں پہ بلی گنگ بارانے
 یہاں تکنا توں ہیں ہم گزرجائیں اگر جانے
 اسی باعث سے اطفال کو افیون دیئے

دہن کا ذکر کیا یہاں سرخی غائب گریاں سے
 برتے پھول ہیں سر پر شرار سنگ غلاں سے
 گرا تھا یہ بلی کھک سر آلود اسکی ٹھکانے
 گیلی ابر حجت کی جھڑی اب چشم گریاں سے
 آٹھانے مور لاشہ کو پائے دستِ مرگانے
 کرتا ہو جانے لذت آشتا تمنی دورانے

رہب کو دنیا کی ہوس خوار لئے پھرتی ہے
 پھر تار شستہ زمانہ میں بھلا کیوں رخ رشید
 وہ میرے اختر طالع کی ہے واڑوں گمش
 کر دیا کیا ترے ابرو نے اشارہ قاتل
 جا کے پھر تار تھاکا ابر جاں میں بھک

کون پھر تار ہے یہ مر وار لئے پھرتی ہے
 ہو کس گرمی بازار لئے پھرتی ہے
 کہ فلک کو بھی نگوں سار لئے پھرتی ہے
 کہ قضا اٹھ میں تلوار لئے پھرتی ہے
 بے قراری ہے کہ سو بار لئے پھرتی ہے

کوئی قت لئے ائے گندراہی کو گھبراتے ہوئے
 آتش خورشید سے آشتا نہیں کیا دھواں
 وہ جانے رات اوریاں خند سے بخت غنہ کی
 چاک آتا ہے نظر ہیرا بن صبح ببار

سوت اتنی بے جاں کو یہاں تھکتے ہوئے
 آنکھ سے ہو دام پر تم بال کھلاتے ہوئے
 بیج گیا آؤ گھر زنجیر کھڑکاتے ہوئے
 کس شہید تاز کو دیکھا ہے کھناتے ہوئے

نہ دہر پھر نہ کھناتے ہواں میں تھکتے

پیشوائی کو بڑے گرکشیشن آگے
جاتے اس طرح سے کہ چیں میں ال اور ہم
مگر چہ جے قانونی معاسر ہے سو سو قات
تجہ سانا اقص میں غنیمت ہے اب نہایت فوق

روڑے مجھ کی طرف ناتو سے مل آگے
دل بھیم آگے کبھی بہم سے کبھی دل آگے
یکے گم شدگی کی ابھی سنسزل آگے
کالیت ہے کہاں ہو چکے کامل آگے

ناقص کا صفائیش سے مطلب بر آئے
فردوس میں فراس لب شیر کیا گرائے
بتخانہ میں گراہ کروں عشق صنم سے
مکن نہیں کم ہوئے تپ سوزِ محبت

جو کر رہو میکے اُسے کیا نظر آئے
پانی دہن چشمہ کوثر میں بھرا آئے
ناقص کا دل آبد کی طرح بھرا آئے
جوں شمع مجھے لاکھ پسینا اگرا آئے

نعل چپ شکل بڑھتے تو سن کو گنگے
بورے کے مانگتے ہی پھیرنے چتون کو گنگے
آشیاں ہو چو مرغان ہوا کا برباد

چار چاند اور فلک پر سوروشن کو گنگے
ایسے کیا اصل لب غیرت گلشن کو گنگے
بند کرنے تری دیوار کے رولن کو گنگے

زاد کو اگر صدق و صفا بھی ہے تو کیا ہے
آزارِ محبت کا مزہ کیا کہوں جس کی
سیراب ہو جس سے کوئی تشہِ مقصود

بے درد اگر دل بخدا بھی ہے تو کیا ہے
بے درد دوا دیکھو دوا بھی ہے تو کیا ہے
اے ذوق جو وہ آبِ بقا بھی ہے تجھ کیا ہے

گر رخ کا بورہ دیتے نہیں لگا دیتے
فرادہ ازب تیشہ سے سخت ضربِ نم
تم دو گھڑی کو آؤ تو میں اب چہلن کو

ہے شلہ کہ چول میں چکھڑی سی
کچھ پوچھتے تو چو شہ میں نے کڑی سی
شیرا کہوں کہ اور بھی بیلں دو گھڑی سی

کیا وہ دنیا جیسے کیش ہونے دیں واسطے
خوں کے دریا پہ گئے عالم تہ و بالا ہوئے
ذوقِ عامی ہے پر اسکا غائیب جو بطیر

واسطے والکھے ہی کچھ یا سب میں کے واسطے؟
اے سکندر کھلئے؟ دو گز زمین کے واسطے؟
یا انہی اپنے ختم المرسلین کے واسطے

سوزِ دل سے مجھے غلے جو شرر بار ہوئے
ٹکڑے اڑ جائیں تنس کے تو اڑ چکے نہ کبھی
چمن دل سے ہوئے کم رنگِ نختِ جگر

مدعیِ جل گئے اچھا بڑا لے اتار ہوئے
ہم ہیں ستیا د کی اہت کے گرفتار ہوئے
دو اگر خشک ہوئے اور ہرے پلہ ہوئے

روکین کی غزل حق ۲۔ شعر یاد رہ گئے۔

پچھپکے پھولوں میں منہ صبا سے جو سُکرائے سحر بھی ہے
تبستم اُس گل کا یاد کر کے جب ہوئی دل کو بے کلی ہے
تپش دکھائی جو میں نے دل کی تو لوٹا پروانہ داغ کھا کر
دکھایا تم نے جو روئے روشن تو شمعِ محفل میں کیا جل ہے
بناؤ بند چوبِ صندل سے میرا تابوت اے عسزِ بزو
کہ نخل مجھ کو کیا کسی نے دکھا کے رنگ اپنا صندلی ہے

فرماتے تھے ہمارا روکین تھا سہ شاعرہ میں طرح ہوئی جتنے ہی غزل کہیں تھی۔

ساتھ تیرے ہم بھی جوں سا پندر جانینگے
بیکے جبے پر زمیں ہم دیدہ تر جانینگے
ابرِ رحمت ہے تجھے اسدم لگاٹے تو بھڑی
آگے جائیں بھیجے جائیں جانینگے
خشک میں جتنے کوئیں پانی سے نہ جانینگے
کہتے ہیں جانے کو ڈکھیں نہ کیونکر جانینگے

لڑکپن کی غزل ہے۔ والد مرحوم کبھی کبھی پڑھا کرتے تھے۔ ۴ شعر ہی یاد تھے۔

گر دروہے کمونا دل مضطر سے کسی کے	پانی تو بلا وار کے سر پر سے کسی کے
دل بس میں پڑا اُسکے کہ جس میں نہ آیا	جاوے نہ ٹوٹنے سے نہ ستر سے کسی کے
اگر کوئے یاں ہیں پیوند زبیں کا +	جبے مل ہو بستر ترا بستر سے کسی کے

جو دل کی شکستِ مکررہ دوتا میں پڑے	تو پھر بلا کو غرض ہے کوئی بلا میں پڑے
ہوئے سایہ سلو بٹے نہیں ہے مستو کو	رہینگے تاک کے نیچے کہیں ہوا میں پڑے
تو گئے دردِ نظر سے ہے دل مرا تالاں	یہ چوروہ ہیں کہ جو خانہ خدا میں پڑے

ایک گھاٹِ بس ہے شمعِ غم کے واسطے	کون نیزے واسطی ڈھونڈے قلم کے واسطے
سرقہ ہے تن پر مرے تنجِ ستم کے واسطے	پر نگار رکھتے ہیں وہ جھولی قسم کے واسطے

تم بیٹھے بیل میں جو قریبِ غسل کی	کی گرم بیل بہنے ہی گورِ نبلی کی
مے ذوقِ نکر نور میں آمیزشِ ظلمت	کیا کام تیرا کو محبت میں غسل کی

مقابلِ اُس پنجِ روشن کے شمعِ گرہ بجائے	صبا وہ وصولِ گلخانے کہ بس سحر بجائے
وہاں میں کتا بزمیں آوازِ تیشیلے ذوق	کہ برقِ دیکھے توفی انار و آفتابِ سحر بجائے

اسیری پر تری مڑتا ہوں تیری لڑکپن سے	جہانِ چھوٹی گردشِ اتر طوقِ گردن سے
دیکھے گوارہ بھی خاک کشِ طوفانِ نرودہ آسا	را جو غفلتِ کھک آفتِ رسید میں تو پہن سے

عزیز و نازد و میلی کے دیکھو گے شتر غم سے کماں ہم۔ اور کماں غم یکشہ کو غم سے کیا۔	اگر ہانگی مجنوں کو خدمت سار بانی کی مگر اے حضرت دل پد نے یہ مہربانی کی
---	---

یہ دو شعر سب اخیر کا کلام ہے۔ اس کے بعد کچھ نہیں کہا۔ حافظ ویران کے کئی دن پہلے کہا تھا کہ حضرت اس محاورے کو کیونکر باندھیں۔ پاؤں تے کی زمیں نکل گئی۔ بیاری کا دوسرا یا تیسرا دن تھا۔ فرمایا۔ حافظ تم نے اس دن کیا کیا تھا۔ پھر یہ دو شعر پڑھے اور مجھے کہ کھد لویا و داشت میں

بہے خاطر بے غل محبت کیونکر بند اپنی زمیں کیا ہے؟ خاک پاؤں کے نیچے سے نکلتا ہے	کیونکر قفل دل فریاد ہے مثل سپند اپنی بیاری خاک پر کھلا دو قنار سند اپنی
--	--

جودل سے اپنے دم آتیں بھلائے ستم نے سیم تنوں کے کیا ہے ناک میں دم	ٹھکے پاؤں تے سے زمیں نکل جاتے الٹی تن سے مراد مکیں نکل جاتے
---	--

اٹھا حاشی کی کیوں کے دل دان چمکوں ہے ابھی تو ماں چمکوں ہے پر آگے جان چمکوں ہے	
--	--

پیش اکرام سے ساری کراستے ہیں عادت بد ترک کر تو خرق عادت کے یہی	
---	--

پہرتے ہیں کھمے چمے سوکے میں ماں جاوے مٹل مکتب پتے ہیں گنبد میں سم اند کے	
---	--

لحد کو چاہتے یوں پیر پست غم دیکھے سرا کو جیسے ٹھکا اونٹ دہدم دیکھے	
---	--

ہٹائے آٹکا براہم کو کس کی ساقیا چری خدا کی جب نہیں چری پھر بند کی کیا چری	
--	--

رہی اس طرح بعد از مرگ دنیا کی ہوسا کی | شرابی کر کے تو جس طرح ہرجا تریا کی

راتوں کو نہ بوجھ کر اسے شیخ منا جاتی + | سوتے ہوئے چوکیں گے زندانِ خرابا کی

کیا ہم غنی کرتا ہے اس گل کچھ بن سے | غنیمت یہ سمجھو کہ شیخ جانم من سے

قطرہ قطرہ آنسو جیسے طوفاں طوفاں شدت ہے | ٹکڑے ٹکڑے دل جو پڑا ہے تودہ تودہ حسرت ہے

جسے ہم چاہتے ہیں بہت گمراہ بھی چاہے | ہمارے دل نے تو چاہا مگر اللہ بھی چاہے

کس کے جو میل کے عالم ہیں نظر میں پھرتے | آج تنہا خشتانی سے ہیں مگر میں پھرتے

ہم اور غیر کیا دو نو بہم نہ ہونگے | ہم ہونگے وہ ہونگے وہ ہونگے ہم نہ ہونگے

جنہ کے دست مبارک ہیں پرین کو لگے | رہا بھی تار نہ باقی کہ جو کفن کو لگے

لاش کو دفن کیجے میرے کہ سپینکد جیسے | مردہ بدست زندہ جو چاہے سو کیجے

معلوم ہوا اپنی واپس دے بتاں سے | اک تیرے گویا کہ چڑھا چھو وکساں سے

ڈسا ہو کالے نے جسکو کافر تو وہ فسوں کے اثر سے کھیلے
 دہان و گمبید کا تیرے مارا نہ ٹنڈ سے بولے نہ سوسے کھیلے

بقراری کا سبب ہر کام کی اُنید ہے | | تا اُنیدی سے مگر آرام کی اُنید ہے

اگر اُٹھے تو آرزوہ جو بیٹھے تو خفا بیٹھے | | لگایا جی کو اپنے روگ جبے جی کا بیٹھے

باقی ہے دل میں شیخ کے حشر گناہ کی | | کالا کر لگا ٹنڈ بھی جو داڑھی سیاہ کی

جیسا ہے اٹھک کی گری ہو یا نشو و نما کی | | کہ آنا اپنا اٹھک سوختہ مانند طفل ہے

درو دل سے ڈنٹا ہوں میرا لکھو درو کی | | میں بچاں لفظ درو جس پلو سے دیکھو درو کی

دل گرفتار ہوا یا ر کی عیاری سے | | ہم گرفتار ہوئے دل کی گرفتاری سے

جو کسو گے تم کہیں گے ہم میں لیں یونی سی | | آپ کی یونی خوشی ہے ہر ماں یونی سی

جس در پر یہ غل تھے کہ آتی کان پڑی آواز نہ غنی
 عقل سحر اس در پہ تھی حیران کھڑی آواز نہ غنی

رازِ دردِ نغم سے کہے اس پردہ میں آگاہی ہے
 یوں تو ہر ایک زعم میں اپنے افلاطون الٹی ہے

وہ میل شیریں کسی کے دل کی الٹی کیا ہو گیا دوا ہے؟
 کہ میٹھا میٹھا سا دردِ دل سے مرے کلیجہ میں جو رہا ہے

کتنے غمگین ہو گئے کتنے تو نگر ہو گئے۔ | خاک میں جب گئے دونو برابر ہو گئے

اب ہے بازِ زمینِ لاشِ تہہ دیوانوں کی | مدتوں چھان چکے خاکِ بیا بانوں کی

افس کا نشہ جب کوئی مٹانے تو جائے | یہ دردِ سراپا ہے کہ سر جانے تو جائے

رات جوں شمع کٹی ہم کو جو جوتے روتے | ہر گئے انگلوں میں ہم صبح کے جوتے دھوتے

کوئی جو اُسکو چرچکر عاشق کا خاٹنا لے | اک حرفِ دعا پر سو بے نقطِ منائے

لاش کے ساتھ بھی نہ مری قبر تک پہلے | ہوتے ہی اذنِ عالم کے گھر کو کھسک پہلے

نہیں بکلی پہلے شام سے اک دم ٹھرتی ہے | تو سرِ بناغِ غم کو موت شاید یاد کرتی ہے

تاخیر سے منقار کی میگرداغِ جنوں کو زراغِ کھجائے
 عشقِ یہ تیری فطرت ہے تو سرِ سلائے بھیجا کھائے

چاہتے ذرا بنِ تاجِ سیمِ تن کو واسطے | یاں قلندر میں نہیں کوٹری کفن کو واسطے

پھر بار آئی گنت ہر شاخ پر پیا نہ ہے | ہر روش پر جلوۂ بادِ مہتابِ تازہ ہے

ہوتا نہ اگر دل تو محبت بھی نہ ہوتی	ہوتی نہ محبت تو یہ آفت بھی نہ ہوتی
مسرور چہا دکھیا کیا پارہ گر کو میرے	مرچیں سی ملک رہی ہین خم جگر کو میرے
منشی سے اپنی منشی جو ریت میں مل گئی	جو کچھ کہ حق مراد محبت میں مل گئی
بدنہ بولے زیرِ گردوں گر کوئی میر سننے	ہے یہ گنبد کی صدا بیسی کھے ویسی سننے
لال کتاب اپنی اب بادۂ لال رنگ ہے	میکو اپنے واسطے مدرسۂ فرنگ ہے
کیا تاب لعلوں سے جو برق لاک رکھتے	دونخ بھی ہو تو ان کی چلوں پہ لگ رکھتے
کرے کعبہ میں کیا جو سترِ بخاشے آگ ہے	یہاں تو کوئی صوٹ بھی ناکل اللہ ہی اللہ ہے
بیشے کام پہنوں کی لاسو افروزی سے	بسیا خانہ زنجیر ہم نے پائے مڑی سے
جنوں گیرے جنوں بگاڑے جیسے جگوا ہے	کریم صحت ہوں محنت کی زینتی اکہ سہوہا ہے
خاک اٹا دشت میں جب تیرا سوداں چرے	پھر گولا تو ہے کیا آنندی بھی بولانی چرے
جانِ نیابین کیا سچ کلام پر جھوٹ فانی ہے	کہ پہلے صبح کا ذب ہے تو بھیجے صبح صادق ہے

ذکر کچھ چاک جگر سینے کا تن من اپنے | سر کے میں ضبط ہنسی کھیر من ناخن اپنے

بیار غم جو اس کا کھا کر زمین دیکھے | خوش خوش وہ مقبروں کی جا کر زمین دیکھے

کترے پر رکھنے میں متاویہ اغاض کر ٹائے | ملتی اسپر کف فوس ہے مقرر اس کے ٹائے

وحشت اگر پہنچ کو ہو وگی داغ سے | زنجیر کھڑکے ڈالینگے دو چرائے سے

تری عمرو روزہ غافل ایک پتلی بچے کی | سر اک کل روز آخر کی ہے اک کل روز اول کی

دکھانے کو نہیں ہم مضطربات ہی ایسی ہے | مثل ہے دور ہے ہو کیوں کہا شد ہی ایسی ہے

پہلے توں کے عشق میں ایمان پر بنی | پھر ایسی آہنی کہ مری جان پر بنی

جو تیرے ناخن باتیرا مال دھو کے پی جائے | تو انکے دست و پا پھراؤ کا بل سکر پی جائے

جس طرح ماہی سے تار نہیں ایک ہے | یوں میرا مر جیس بھی ہزاروں میں ایک ہے

۱۔ کتب تصوف میں لکھا ہے کہ جب انسان کو بہت ہنسی آئے تو انہوں کو دیکھنے لگے ہنسی تم ہو گی
سب اس کا یہ لکھا ہے کہ جب حضرت آدم بہشت سے نکلے تھے تو ان کا جسم مبارک ایسا سفید
اور روشن تھا جیسے ناخن۔ دنیا میں اگر بدلتا شروع ہوا اور ادا کا رنگ بدلتے بدلتے ایسا
ہو گیا کہ ظاہر ہے۔ جب انسان انہوں کو دیکھتا ہے تو روحانی آگاہی سے دل قہر ہوتا ہے
اور انہوں میں ہنسی جاتی رہتی ہے۔ ۱۷۔ استلوحۃ اللہ علیہ

آپ آتا ہے عیادت کو نہ تو آتی ہے | تیری خاطر سے اہل تجھ سے فراموش ہوئے

نسبت برگشتہ دیکھو اک نگہ کی تھی ادھر | سو بھی اگر تیرا سر مڑاں خیا سے پھر مئی

اس شعر پر خاتہ آن کا اور اُن کی شاعری کا ہو گیا +
 کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گذر گیا | کیا خوب آدمی تھا خدا منفرت کرے

۱۳۳۷ء میں بادشاہ کا ایک بیٹا مرزا بلاتی نام آ-آ-۲۲ برس کی عمر میں مر گیا۔ حسین بھی تھا۔ اور بادشاہ کو بھی اُس سے بہت محبت تھی۔ رنج ہوا۔ اور ایسا ہوا کہ کئی ہفتے تک شعروں میں ٹپکتا رہا۔ انہی دنوں میں استاد مرحوم ایک دن قلعہ سے پھرتے ہوئے والد مرحوم کے پاس آئے۔ مجھے یاد ہے اول بادشاہ کے ملائی طبع کا حال بیان کیا۔ پھر ایک مطلع سنایا۔ کہ اُسی وقت غزل درست کر کے آئے تھے۔

گل کچھ تو اُس چمن کی ہوا کھل کے جھڑپے | وہ کیا کریں کہ فخر ہی کلا کے جھڑپے
 پھر کہا روایت مناسب مقام نہیں۔ اور خدا سوچ کر آپ مطلع پڑھا۔ اور خود کتاب یادداشت میں لکھ دیا۔

گل بھلا کچھ تو بہاریں لے صبا دکھلا گئے | حسرت اُن غنچوں پر ہے جن کھلے مرچ گئے
 یا اللہ کیا وقت تھے۔ اور کیا کیا موقع پیش آتے تھے۔ پھر فرمایا حضور کا ایک قطعہ بھی ایسی درست کر کے آیا ہوں۔

پڑھتا ہوں ایک مطلع و قطعہ میں حال | دیکھے تھا شے میں نے جو ملک وجود کے
 اک دن تھا کہ ٹوٹتے تھے دانت دودھ کے | پھر یہ ہوا گذر نے لگی کھیل کود کے

اب حال یہ ہے عالم پیری میں لے نافر
 باقی نہیں حواس بھی گفت و شنود کے

کئی دن کے بعد جو پھر آئے۔ فرمایا قلعہ سے آتا ہوں۔ مرزا شاہ رخ آج کہنے لگے
 بھئی اُستاد۔ میں نے مولوی صاحب کو حضور کا وہ قطعہ سنایا تھا۔ انہوں نے
 کہا: شنود۔ نہیں۔ شنید چاہئے۔ اسی وقت مجھے شعر یاد آیا۔ میں نے کہا۔
 مولوی صاحب سے تعجب ہے کہ ایسا کہا ہو

گر عشق نبودے و غم عشق نبودے	چندیں سخن نغز کہ گفتے و شنودے
-----------------------------	-------------------------------

مطلع مرقوم القریل میں خدا جانے باو شاہ کو کیا پسند آگیا تھا۔ اُستاد فرماتے تھے
 کئی دفعہ حضور نے اس کے مضمون کو پیر پیر کر کے لینا چاہا۔ ہم نے ہر دفعہ اپنے مطلع
 کا پہلو بچا دیا۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ اُستاد نے ایسا کیا۔ ورنہ اُن کا یہ طریقہ نہ تھا۔ میں نے
 ایک دفعہ سبب بھی پوچھا۔ فرمایا خدا جانے جب تیرا کچھ ایسا ہی خیال ہو گیا۔

کیا کہوں اُس اہل بیت کئے لہں میں ہے	ایک طعہ مچھلیاں دو کشکش آپس میں ہے
-------------------------------------	------------------------------------

ایک دن فرمایا کہ ہمارا عالم شباب تھا۔ ایک بزرگ کہن سال نے کسی پرانے
 شاعر کا مطلع سنایا +

آبے دکھلائے جب۔ اس لہر رنجور نے	دانتوں میں تنکا لیا۔ خوشہ انگور نے
---------------------------------	------------------------------------

ہمارے چشمہ طبع میں لہر آئی اور اُسی وقت یہ مطلع ہوا۔

اشک کے قطرے جو شرکاء پر اکٹھے ہو گئے	خوشہ انگور کے بھی دانت کھٹے ہو گئے
--------------------------------------	------------------------------------

اُس زمانہ کے لوگ بڑے با انصاف ہوتے تھے۔ سکر بہت تعریف کی۔

قطعہ

کہوں کیا ذوق احوال شبِ ہجر	کہ تھی اک اک گھڑی سو سو مچھینے
نہ تھی شبِ ڈال رکھا تھا اک اندھیر	برے بخت سیہ کی تیرگی نے
تب غم صبح ساں ہوتی نہ تھی کم	اور آتے تھے پسینوں پر پسینے

لفظ مرزا شاہ رخ با شاہ کے ایک بھتیجے و دوست وقت سے چھوٹے تھے۔ وہ مولوی امام بخش مقتول
 کے شاگرد تھے۔ ان سے فارسی پڑھا کرتے تھے۔

یہی کتا تھا گھبرا کر فلک سے
کہاں میں اور کہاں بیٹھ۔ مگر تھے
سواں ظلمت کے پردہ میں کئے غلم
عوض کس بادہ نوشی کے مجھے آج
حراس و ہوش جو مجھ سے تریں تھے
مری سینہ زنی کا شور سُن کر
اُٹھایا نگاہ اور گکا ہے بٹھایا
کہا بٹھل نے تو کچھ کھا کے سورا
نہ تو ٹانا جان کا قالب سے رشتہ
بہت دیکھا نہ دکھلایا ذرا بھی
کہا جی نے مجھے یہ جہر کی رات
لگے پانی چُوانے منہ میں آنسو
مگر دن عمر کے تھوڑے سے باقی
کو قسمت سے قریب خانہ میرے
بشارت مجھ کو صبح وصل کی دی
ہوئی ایسی خوشی اللہ اکبر

کہ او بے مہر بد اختر کیئے
مری جانب کی تیرے دل میں کیئے
اسے ظالم تری کینہ دوری نے
پڑے یہ زہر کے سے گھوٹ پیئے
قرینے سے ہوئے سب بے قرینے
پھٹے جاتے تھے ہمارے کس سینے
مجھے بیتابی و بے طاقتی نے
بہت الماس کے توڑے لیئے
بہت سی جان توڑی جاگنی نے
طلوع صبح سے منہ روشنی نے
یعنی ہے صبح تک دیگی نہ بیچنے
پڑھی پائیں سر ہانے بیکی نے
لگا رکھتے تھے میری زندگی نے
اذان مسجد میں دی بارے کسی نے
اذان کے ساتھ بن و فرخی نے
کہ خوش ہو کر کہا خود یہ خوشی نے

موتوں مرجھا بروقت بولا
تری آواز کتے اور دینے

کہ تو اکھڑ کے اُدھر سے اُدھر ہوا بچت
کہ تھک کواٹ غم نہایت ہے نہ ڈاؤنی بہت
کبھی نہ ہو گا دل آسودہ گو بہت است
کہ با فراغ کرے کج عافیت میں نشست

نکل ایک تار کٹ نیا سے میں نے پوچھا افوق
گذرتی ہوگی بارام زندگی تیری
کہا یہ اُس نے کہ قید حیات میں انساں
اُٹھائے ہاتھ جہاں سے دیکھ کیا ارکلاں

تو بسلسلہ میں فقیری کے وہ ہوا پابست
کہ حق پرست ہو وہ پہلے جو ہو پیر پرست
کہا یہ شوق نے ہو جہت بلند نہ پست
تو یہ ادا وہ ہوا اور بھی ہوں بالادست
کہ نفس دشمن سرکش ہے اسکو دیکھے شکست
پھنسا ہوا ہے وہ کیفیتوں میں گرہ بست
مجال کیا کھل جائے کوئی کر کے جہت
گیا زباں سے نکل اسکی جیسے تیرا دست

پنہا جو کوئی گرفتار یوں سے دنیا کی
راہ وہ خدمت مرشد کی قید میں برسوں
گر ایک عمر میں پہنچا مقام عالی پر
جو دستگاہ شرف میں بھی ہوئی اُس کو
بہیشہ جنگ رہی بعد صلح کل کے بھی
جو ہوشیار ہے تو ہے وہ شرع کا پابند
نہیں ہے جام علاق سے مطلق آزادی
کہا ہے خوب کسی نے یہ شعر چہرہ

کہ کرد قطع تعلق کدام شد آزاد
بریدہ زہر . باندا گرفتار راست

شیل زر گس جب تکا ہے اس گن میں چشم ہوا
جو کہ عالم اپنا اس نشو و نما سے پہلے تھا
پھر کہاں یگلش اور گل اور سبزہ یہ ہوا
اِس تماشا نے جہاں بامفت سے بنیم ما

دیکھتے ہیں جلوۂ گلہائے رنگارنگ ہم
آخرش ہو گا وہی اکدن خزاں کے ہاتھ سے
ہے نیست کوئی دم نگارہ رنگ بہار
در عدم بودیم و دیگر در عدم خواہیم رفت

رباعیات

ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ ہوگا ترے کرم سے ہوگا

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا . ہوا کرم سے تیرے

رکھتے ہیں خبر اُس سے یہاں خاص عام
پوچھے کوئی اُن سے کہ وہ کیا تھا ، ام

اصلی جو علیٰ غی ہے امامت کا مقام
جو لوگ صاف اول میثاق میں تھے

سبطین نبی یعنی مسیح اور حسینؑ | زہرا و علیؑ کے دو فوہ نورالعین
جنگ ہے تماشے دو عالم کے لئے | اسے ذوق لگا آنکھوں ان کے نہیں

دل کو سیر بانا رہاں کر نہ آپاٹ | جس طرح بنے سود و تیاں میں دن کاٹ
اسے ذوق فلک کے جب ہیں بارہ ہفتے | سودا ہونہ کیوں زیر فلک بارہ باٹ

جب تک تھے گرہ میں محفوں کی پینے | سب کہتے تھے اُن کو آپ ایسے ایسے
مخلص جہ ہونے تو پھر کسی نے لے ذوق | پوچھا نہ کہ تھے وہ کون۔ ایسے تیسے

اسے ذوق کبھی تو نہ خوش اوقات ہوا | ایک دم نہ تیرا صرف مناجات ہوا
جب تک تھا جان تھا جان پرست | اب پیر ہوا۔ پیر خرابات ہوا

آنکھ اُس کی نشہ میں جب گلابی ہو جائے | صوفی اسے دیکھے تو شرابی ہو جائے
دکھلانے جو وہ روئے کتابی اسے ذوق | سب مدرسہ کافر کتابی ہو جائے

جن دانتوں سے ہنستے تھے ہمیشہ کھل کھل | اب دودھ سے ہیں وہی ملا تیلِ بل
پیری میں کہاں اب وہ جوانی کے مزے | اسے ذوق بڑھاپے سے ہے داستانِ کل

اسے ذوق فرشتے ہیں یہ کھکر روتے | اسے کاش کہ انساں ہی ہم بھی ہوتے
غفلت میں یہ رہتا ہے یہاں تک ہشید | شیطان کے چلا دیتا ہے سوتے سوتے

اور پھر ان کو ہر اشکِ خون بھی دیکھا
یوں بھی دیکھا جہاں میں وہں بھی دیکھا

ان آنکھوں نے لالہ گوں بھی دیکھا
کیا کیا دیکھے نہ رنگ ہم نے اسے ذوق

ہم کیا کہیں کیا آئے تھے کیا جا بیٹھے
اب جا بیٹھے اوروں کو رُلا جا بیٹھے

دنیا کے المِ ذوق اٹھا جا بیٹھے
جب آئے تھے روتے ہوئے آپ آئے تھے

وہ لطفِ سخن سے نہیں ہوتے آگاہ
بندوق کا طوط نہ کہے حق اللہ

دل جن کا ہے آہن کی طرح سخت و سیاہ
بداصل کو کیا نام خدا کوئی بتائے

دانش نے کیا دل کو نہ دانا کچھ بھی
جانا تو یہ جانا کہ نہ جانا کچھ بھی

اس جہل کا ہے ذوق ٹھکانا کچھ بھی
ہم جانتے تھے علم سے کچھ جا بیٹھے

اس وحشی رم دیدہ کو کیا رُنا
جو عشق کے ذوق کہو سَلَمنا

شکل ہے یہاں پائے غم کا جُنا
ہم پے ہو عشق و عشق اپنا ہادی

ہر شخص جو جذبِ کاہل اپنے منتوں
کل حزبِ بعا الدیہم فرحون

کھلتا نہیں اسے ذوق یہ ہم پر ہنسون
کہتے کہے حق پر اور باطل ہے کہے

غصہ سے کروں کس نے دل کو فوں میں

اے زابد و تم سے کیا جھگڑا کروں میں

میٹھا رو صنم پرست کہتے ہو مجھے ہا

تم ہو تم ہو جو کچھ کہہوں میں ہوں میں

رباعی مرقومہ حاشیہ میں نے ایک دن اُستاد مرحوم کے سامنے پڑھی اور کہا کہ حضرت اس میں وہ گرمی اور تیزی اور صفائی نہیں جو آپ کی زبان کا جوہر ہے۔ فرمایا۔ کاٹ دو۔ میں نے کہا مفصوں تو بہت خوب ہے۔ فرمایا۔ رباعی کی بحر میں تو یہی ہرگا۔ اچھا نقطہ کر دیتے ہیں۔

دنیا سے ذوقِ رشتہ آفت کو توڑ دے	جس سر کا ہے یہ بال اُسی سر میں جڑے
پر فوق تو نہ چوڑ لگا اس پر ہزال کو	یہ پر ہزال گر تجھے چاہے تو چھوڑے

جنگِ اسوقت میں اسلام کا دعوئے بے کمال	خو سے دیکھا تو اسے ذوق ہے آگ کا یہ حال
بیسے محفل میں ہمنائے کو مسلمانوں پر	نقل کرتا ہو مسلمان کی کافر نقال

تو بھلا ہے تو ہرما ہو نہیں سکتا اسے ذوق	ہے بُرا وہ ہی کہ جو تجھ کو بُرا جانتا ہے
اور اگر تو ہی بُرا ہے تو وہ سچ کہتا ہے	کیوں بُرا کہنے سے تو اس کے بُرا مانتا ہے

قدمِ منجھال کے رکھ دیا عشق میں لے ذوق	گلدانا اس رہو دشوار سے نہ آسان ہے
جو کوئی آبلہ پائے مور بھی ہے یہاں	ترے ڈوبنے کو وہ بھی تنور طوقاں ہے

خند ویں نفس کس کو دنیا دار	واہ کیا تیری کار سازی ہے
سچ کہا جسے کسی نے سارے ذوق	بل موزی نصبِ غازی ہے

لے۔ رباعی مرقومہ سوزل و دیان و عشق و طبع میں نو نقلوں کی بے غبری سے درج ہو گئی تھی۔ الحمد للہ کہ جو اس میں اصلاح ہوئی۔ ہندو آزاد کو یاد تھی۔ ایسی اصلاحیں ان کی جیٹھ ہماری تھیں۔

اسے ذوق کہے گا کوئی دنیا کیا ترک	دنیا ہے بری بلا اسے کیا ترک
کیا دخل کہ جو ترک کسی سے دنیا	جب تک نہ کرے آپ اسے دنیا ترک

دل کو۔ جان کو جانیں ہیں اس بات کو کہ
ہے یہ مشورہ شل آل عرب پیش عرب

دل سے ہیں اپنے رسول علی کا ہوں ضام
میں حضوری میں ہوں اسکی نہ کس طرح ملام

ایک دوست کا چند اشخاص سے کچھ تنازع تھا۔ استاد کے مزاج میں سلامت روی
اور صلح جونی بہت تھی۔ دوست کو مجبور کر کے صلح کروادی۔ اور اس قطعہ
سے اس کی بھی دمجوبی فرمائی۔ گویا اس کی زبانی کہتے ہیں۔

کس طرح میں عشق سمیرا رہی
کیا کروں میں ذوق ناچار ہو

ناسا بھکھو ملاست تو نہ کر
بسکہ بھکھو مشتباز کی ہے فوق

فوانچہ بہت محل کو بادشاہ کے مزاج میں بہت دخل تھا۔ مرزا جواں بخت اُن کے
بیٹے تھے۔ اور باوجودیکہ بہت مرشد زادوں سے چھوٹے تھے۔ مگر بیگم کی خاطر سے اُن کی
ولیمہ دی کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ اُن کی شادی کا موقع آیا۔ بڑی محوم
وحام کے سامان ہوئے۔ بیگم کی ایسا سے غالب حوم نے یہ سہرا لکھ کر زنگار کاغذ پر لکھ کر۔
ایک سوئے کی کشتی میں رکھ کر بڑے تکلف کے ساتھ حضور میں گزارا تا۔

بانو شہزادے جواں بخت کے سر پر سہرا
ہے ترے حین مل اسنہر و زکا زبور سہرا
جھ کو ڈر ہے کہ نہ دیکھنے ترا لبیر سہرا
ور نہ کیوں لاشے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا
ہے رگ پر اب رگ بار سہرا
نک گیا آن کے دامن کے برابر سہرا
چاہئے پہلوں کا بھی ایک ستر سہرا

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
کیا ہی اس چاند سے کھڑے پہلا لگتا ہے
سر پر چڑھنا تجھے نہ بتا ہے پر اس طرف کلاہ
ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہونگے موتی
سات دریائے فراہم کئے ہونگے موتی
تج پر دولہ کے جو گرمی سے پسینہ چسکا
یہ بھی اک بچا دہلی تھی کہ قبا سے بھجائے
جی میں اڑائیں موتی کہیں ہیں اک چیز

جیکے لپٹے ہیں تائیں نہ خوشی کے مارے
بُخ روشن کی دنگے ہر غلطی کی چمک
تار شیم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار

گوندے پھولوں کا جھلا پھر کوئی کیونکر سہرا
کیونکہ دکھائے فروغ و اختر سہرا
لاٹنگا تاب گراں سارشی گو ہر سہرا

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کدے کوئی ہتہر سہرا

جب سہرہ کو ملاحظہ فرمایا۔ تو منقطع کو دیکھ کر حضور کو بھی خیال بلکہ طال ہوا۔
استاد مروجہ جو حسب معمول حضور میں گئے تو وہ سہرا دیا کہ آستاد سے تو دیکھو !
انہوں نے پڑھا اور بموجب عادت کے عرض کی۔ پیرو مرشد درست۔ بادشاہ
نے کہا تم بھی ایک سہرا کدو۔ عرض کی بہت خوب۔ پھر فرمایا۔ کہ ابھی لکھو۔
اور کہا۔ منقطع کو بھی دیکھا۔ عرض کی۔ حضور دیکھا۔ عرض بیٹھ گئے اور عرض کیا۔

اے جواں بخت مبارک تجھے سر پر سہرا
آج وہ دن ہے کہ لائے ڈرانجھم سے فلک
تابشِ حن سے مانعہ شعلِ خورشید
وہ کے سن علی۔ یہ کے سبحان اللہ
تا بچنے اور نبی میں ہے اخلاصِ بسم
دھوم ہے گلشنِ آفاق میں اس سہرے کی
بٹنے قرعہ پہ جو ہیں تیرے برستے افوار
ایک کو ایک پہ تڑپیں ہے دم آرائش
ایک گھر بھی نہیں صد کان گھر میں چھوڑا
پھرتی خوشبو سے ہے آرائی ہوئی باد بہار
سر پہ طوق ہے مزین تو مجھے میں بدھی
رونائی میں تجھے ہے رخِ خورشیدِ فلک

آج ہے یمن و سعادت کا ترے سر سہرا
کشتیِ ذریں میں نہ فو کی لگا کر سہرا
نیش پر نور پہ ہے تیرے سوز سہرا
دیکھے کھڑے ہے جو تیرے منہ اختر سہرا
گوندے سورۂ اخلاص کو چڑھ کر سہرا
گائیں مرقانِ ناسخ نہ کیونکر سہرا
تا بارش سے بنا ایک سر اسر سہرا
سر پہ دستار ہے دستار کے اوپر سہرا
تیرا بنوایا ہے لے لے کے جو گھر سہرا
اللہ اللہ رے پھولوں کا منظر سہرا
کنگنا باتہ میں زیبا ہے تو سر پہ سہرا
کھول دے منہ کو جو تو منہ سے اٹھا کر سہرا

دم نظارہ تھے رونے کو پر سہرا
واسطے نیرے ترا ذوقِ تبار سہرا
دیکھو اس طرح سے کتب میں مخمور سہرا

کثرتِ تارِ نظر سے ہے تماشا ہیوں کے
کوڑ خوش آبِ مضامین سے بنا کر لایا
جن کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنا دو آن کو

اربابِ نشاط حضور میں ملازم نہیں۔ اسی وقت امنیں ملے۔ اور شہر کی گلی گلی کوچہ
کوچہ میں پھیل گیا۔ مرزا بڑے ادا شناس تھے۔ سمجھے کہ کیا تھا کچھ اور۔ ہو گیا کچھ
اور۔ یہ قطعہ ٹھکڑھکڑ حضور میں گزرا نا۔ سب طرف تعریفیں ہوئیں۔

اپنا بیان حسنِ طبیعت نہیں بنے
کچھ شاعریِ ذریعہٴ عزت نہیں بنے
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں بنے
اناکہ جاہ و منصب و ثروت نہیں بنے
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں بنے
سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں بنے
جز انبساطِ خاطر حضرت نہیں بنے
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں بنے
مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں بنے
سودا نہیں جنوں نہیں خشت نہیں بنے
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں بنے
کتا ہوں بچ کہ جھوٹ کی طاوت نہیں بنے

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی
سوچت سے ہے نیشہٴ آبا پہلگری
آنا وہ رو ہوں اور مرا سکا ہے صلہ کل
کیا کم ہے یہ شرت کہ ظفر کا غلام ہوں
استادِ شہ سے ہو مجھے پر غاش کا خیال
جامِ جہاں نما ہے شہنشا کا ضعیف
میں کون اور دینتے۔ اس سے سہرا
سہرا کھا گیا زہرِ امتثال
مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
رونے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ
قوتِ بڑی سہی پہ طبیعت نہیں بڑی
صادق ہوں اپنے قول کا غالب لگا

مشنوی

نواب حامد علیخان مرحوم نے عاشقانہ موقع پر ایک شوقیہ خط کی استادِ مرحوم سے
فرمایش کی بادشاہ کی ستوا تر فرمایشیں ایسے کاموں کے لئے کب فرصت دیتی تھیں

مگر اتفاق کہ انہی دنوں میں رمضان آگیا اور بادشاہ نے روزے رکھنے شروع کر دیے۔
 ان کی زبان کب رہ سکتی تھی۔ اس کے علاوہ اس نئے چمن کی برکھانے کو اپنا دل
 بھی چاہتا تھا۔ انہوں نے وہ نامہ لکھنا شروع کر دیا۔ اور کئی دن میں ۲۰۰ شعر
 ہو گئے۔ لیکن ادھر رمضان ہو چکا۔ ادھر بادشاہ نے پھر غزلیں شروع کر دیں شبنوی
 وہیں رہ گئی۔۔۔ سچ میں کبھی کبھی پھر طبیعت میں آئنگ آئنگ مگر ایک دن کبھی
 وہ دن۔ ۲۰۔ ۲۵ شعر ہوئے۔ پھر رہ گئے۔

میں نے جب ہوش سنبھالا اور ہر وقت پاس پہنچنے لگا۔ تو اکثر اس کا ذکر کیا کرتے۔
 اور کہیں کہیں کے شعر بھی پڑھا کرتے میرے بار بار کہنے سے اُسے نکالا تو دیکھا کہ ۲
 تختیاں شق افضال کی تھیں۔ دونوں طرف سے سیاہ تھیں۔ اور کچھ کاغذی ستوشے
 تھے تختیاں اکثر جگر سے پڑھی بھی نہ جاتی تھیں۔ فرصت کے وقتوں میں وہ سچ
 سوچکر بتاتے گئے۔ میں لکھتا گیا۔ ۵۰۰ شعر سے زیادہ ہوئے۔ نامہ ناتمام تھا۔
 مگر ایک ایک مصرعہ ریزہ جو ابھر تھا۔ میرے صاف کئے ہوئے بجز بھی اُفق غزلوں
 میں تھے۔ جو میں خلیفہ صاحب کے اُس جاگساں کیا کرتا تھا۔ سبکے ساتھ وہ
 بھی گئے۔ اس کا نام نامہ جانسوز تھا۔ اول حمد و نعت تھی۔ پھر ساقی نامہ۔
 پھر انقاب معشوق۔ اسی میں اس کا سراپا۔ اس کے بعد یاد ایا بم وصل۔ اس میں
 چاروں موصیوں کی بہار۔ معنوں کی نزاکت۔ لفظوں کی لطافت۔ ترکیبوں
 کی خوبیاں۔ اخلازوں کی شوخیاں۔ کیا کہوں۔ سامری کا جاوہ اس کے
 آگے دھواں ہو کر اڑتا تھا۔ چند متفرق شعر دیوان مطبوعہ میں ہیں چند شعر مجھے
 یاد تھے۔ یکجا لکھ دیتا ہوں کہ جو یادگار رہ جاوے وہی غنیمت ہے۔

مثنوی

زینت نامہ زیریں۔ نامہ۔

چاہئے نام اسی کا اسے خامہ

ہے نیک ایک نمونہ قدرت کا
 بیخ ترطاس کو صفائی دی
 دیا قمری کو مصحح نالا
 کی عطا تو خطہ نیکو کلاب ادا
 نیک افشاں ہے عشق شور انگیز
 عکس ہے سبز لب جو کا
 آنے گمشدہ فیصل گل سوا۔
 ساقیا جلد آنے درگم نہ کر
 طاق سے تو آثار لے شیشہ
 شیشہ مٹے کی یہ دراز زبان
 میں ہوں مانتو ساغ لب سرینہ
 جھوم جھوم ایسے بادل آنے لگے
 کرنے یا نکالے نشہ میں چور
 دل کے سامنے پھولے پھڑوں میں
 شب جہراں بسر نہیں ہوتی
 بستر رنج و کج تنہائی
 شام سے حال ہے یہ صبح نیک
 کیوں نہیں بولتے سحر کے طیور
 گر لکھوں خط میں شیرازی دل
 مضطرب اب جو ہر دہل ہے
 دل کی واشد کی کیا کرزن تدبیر
 جان مٹیاب جیسی بیکل برق

ق

یا قلمداں ہزار صنعت کا
 اور سیاہی کو روشنائی دی
 مصباح شہ سرور پر بالا
 کیا عاشق کو شختہ شوق جفا
 رنجم دل کرتے ہیں ہر نہ برینہ
 دسم توں قنح کے ابرو کا
 بلبلیں ہوں ترانہ سنج ہزار
 عرصہ طلبک دیکھ تنگ نہ کر
 طاق پر رکھ کتاب اندیشہ
 اور پھر پستم کہ نہ وہاں
 جاں لب جاں جب کو کیا پرینہ
 پاؤ تو بہ کے دکھڑانے لگے
 تاکہ مانند خوشہ انگور
 نکلتے باقی کوئی نہ چھوڑوں میں
 نہیں ہوتی سحر نہیں ہوتی۔
 رات کیا آئی اک بلا آئی
 نہیں گنتی مری پاک سے پاک
 کیا شفق نے کھلا دیا سینہ دہ
 نامہ بر جو کہو تر بسمل
 دل ہے یا میخ نیم بسمل ہے
 غنچہ دل ہے غنچہ تصویر
 وہ بھی گرم رہ فنا کا برق

نبضیں چھوٹی ہوتی غشی حاری
 دل سے خست ہے ناٹ طاقت کی
 ہونے کی سیر باغ ہے کس کو
 کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے گھر
 اب ہو یک نخت دل کہ جو مد نخت
 جو چکی دل کی اپنے عشق میں خیسر
 او بے ہر جگہ دشمن محسوس
 برق کا وہ ذرا چمک جانا
 نیتہ مستاد زگر فشاں
 رخ تعالیٰ و زلف منسلک
 زلف جنباں میں رخ کی بڑائی
 کو آنا زنگم نہ منہ سے کسے
 پھل بازو کی لیے دو العین
 کمر نات از چہ دل زار

ایک فرقت ہزار میساری
 بیقراری نے استقامت کی۔
 دل ہے کس کو داغ ہے کس کو
 سب و پوانہ بن گیا ہے گھر
 تن بقدر سنگ آدو نخت
 رہیں دریا میں اور مگر سے بیس
 ہر شتم میں شتم شریک سپہر
 اور بقل میں ترا و بک جانا
 گرد و شگھاں جو چشم گرداں
 قدمہ سبحان ربی الاعلیٰ
 کرے مشائیوں کو کشراتی
 یک جاری زبان ہر شے سے
 غرقہ کش بھر خوش سے مردہ بین
 رشتہ ہمار و عقدہ دشوار

رنگ پیاں نعل روح افزا پر
 خون ثابت کرے سیما پر



فقیدہ نمبر (۱)

نظر ثانی سے نور نہیں پایا۔ اکبر شاہ مرحوم کی مع میں ہے۔

سحر جو گہریں جھلک آئینہ۔ تھامیں میٹھا۔ نزار و حیراں
 تو اک پری چہرہ۔ جو طلعت۔ جھلک بلقیس و ماہ کنعاں
 پری کی صورت۔ چمن کی رنگت۔ گراں کاشیوہ۔ تو اس کا جلوہ
 زبان شیریں۔ بیان رنگیں۔ کلام رنداں۔ خراب مستان
 انیس خلوة۔ مجلس جلوة۔ حریف حکمت۔ ظریف صحبت
 ہر بزم یاراں۔ بدل بہاراں۔ بابل عزالت۔ گلے ہر اماں
 حبس جھلک دہ منور۔ عرق کے قطرے ہیں اس میں اختہ
 ہلال ابرو۔ نگاہ جادو۔ خدنگ مرغان و چشم فستاں
 بروئے رنگیں۔ بھگارتستاں۔ گلوفہ خنداں۔ گرنہ خنداں
 بوئے پچاں۔ ہے عشق پچاں۔ جو ہیں پریشاں تو دل پریشاں
 وہ گوش پر زیب کج کلاہی۔ جو دیکھو بینی تو یا الہی۔
 دہن میں غنچہ۔ لبوں میں گلبرگ و۔ روئے روشن میں مہناباں
 گاہ ساغر کش تماشا۔ بیاض گردن۔ صراحی آسا
 وہ گول بازو۔ وہ گوری ساعدہ۔ وہ پنجہ رنگیں بخون مرجاں
 کمزراکت سے لکی جائے۔ کہ ہے نزاکت کا بار اٹھائے
 اور اسپہ سو نور لہر کھائے۔ پھر اسپہ ہیں دو قمر سوزاں
 وہ ران روشن۔ وہ ساق سیسے۔ وہ پائے نازک خنایں رنگیں
 وہ قد قیامت۔ وہ نقشہ قیامت۔ دلوں پر شامت جو ہو خراماں
 جو نام پوچھا۔ کما خوشی ہوں۔ جو وصف پوچھا۔ تو دلبری ہوں

سبب جو پڑھا تو ہنکے بولا۔ کہ ذوق تو بھی مجب ہے ناداں
وہ شاہ جو ہے۔ محمد اکبر جہاں میں رشک جم و سکندر
جلوئیں جشن اس کا ہے ٹھاک پر۔ اُسی کے پرتو ہیں سب یہ سماں
یہ سنتے ہی میں نے باہدایت۔ کھما وہ مطلع شفق مشباہت
کہ جس کو امن کے سفور۔ پڑھے ہتھیں ہر اک سفند اس

مطلع

شہنشاہ تیرے سر پہ دوراں۔ ہے چتر بن کے ہوتا متہاں
کہ ہفت اختر ہفت کشور ہیں آج یکسر مطلع منہاں +
وہ ہے ترا اختر ہایوں۔ کہ ہو کے روشن چرخ گردوں
دام کا پن ہے شعلہ آسا۔ بزر خانوس چرخ گرداں
سحاب ہمت جو درفشانی۔ کرے ہنگام حسمک رانی +
تو ہو خجالت سے پانی پانی۔ ہوا پہ یکدست ابریاں
تری عدالت میں ہے یہ قدغن۔ کتاں کو دیکھے نہ ماوروشن
وگر نہ مال ہو طوق گردن۔ کہ تا ہو دل میں بہت پشیمان
جو تیغ بڑاں کو اپنی شانا۔ کرے علم تو بروزہ ہجبا
تو زیر دامان ابر اپنا۔ دکھائے جلوہ نہ برق خشاں
یہ تیرا خنجر ہے یا کہ شہپر۔ کہ جس کے لگتے ہی دم میں اڑ کر
قفس سے ہوتا ہے تن کے پڑاں۔ ترے مخالفت کا طائر جہاں
ہے عید قرباں میں تیری میموں۔ رکھا بزرگوں نے شتر گردوں
کہ کھا کے گا و زمین نہ ہیبت۔ کہیں بزرگ زمیں ہورزاں
رکھے گا فغفور چینی خانہ۔ تو حکم دے اے شہر زمانہ
بنا صفایاں پہ آستانہ۔ کہ بیٹے دازا بجائے درباں

تری سخاوت کا سن کیے عالم۔ اُسٹڈ پڑا ہے مستام عالم
 عرب سے آیا ہے چل کے حاتم۔ بلب سوال و بخت و اماں
 جو آئیں جنبش میں عمل شیریں۔ چمک ہو اُن کی کلام رنگیں
 تو حکم دیوے تو ہوویں آئیں۔ تو ہنس کے بوئے نکل ہو خنداں
 ہو ہو سوار سمند تازی۔ کرے تو بیداں میں اسپ تازی
 تو سمجھے دور فلک کو بازی۔ پائے گوئے و بدست چو گھاں
 (یہاں چند شعر اور تھے کہ پڑھے نہ گئے)

وہ تیرا ہے نیل کوہ پیکر۔ کہ جس پہ کہتے ہیں مب نظر کر
 فلک پہ دُمدار ہیں دو اختر۔ وہاں نایاں ہیں اس کے دنداں
 (یہاں چند شعر اور تھے کہ پڑھے نہ گئے)

ترا جو دینِ نجمہ شاہ کئے۔ مسلم کو کہاں ہے یارا
 ثنا و عا پر ہے ختم کرتا۔ جو ذوق تیرا ہے نہایت خواں
 کہ روز تجھ کو خوشی ہو افزوں۔ حسود ہوں سرگون و محزون
 یہ جشن ہو فتح و ہمایوں۔ سدا بصدِ فخر و شوکت و شائ

قصیدہ نمبر ۲

اکبر شاہ مرحوم کی فتح میں ہے۔ افسوس کہ نظر ثانی سے نور نہ پایا۔ ورنہ
 مجب جلوہ دکھاتا۔ اکثر شعر اس کے زبانی سنا کرتے تھے۔ دل روشن ہو جاتے
 تھے۔ کئی شعر مسودہ موجودہ میں نہ تھے۔ جتدہ آزاد کو اُن کی زبانی سُننے
 ہوئے یاد تھے۔ وہ بھی درج کئے ہیں۔

صبح سعادت نورِ ارادت تن بر ریاضت دل بہشتا
 جلوہ قدرت عالم وحدت چشم بصیرت محو تماشا

قصر رفیع و صحن وسیع طرز مسجیح سطح مرج
 بانج ارم یا روحہ رضواں علیہ بریں یا جنت مادے
 مرغ خوش اکھاں بر سر بیتاں ہر گل بتاں خودم و خداں
 گوش شقایق - جو سرو و ویدہ زخمس مست نشت
 لہن قناری شکل مسجیح صوت عنادل و در مسئل
 سرو بقامت غفل و عاؤ نگہبست گل یا دم پسچا
 فصل ربیع و موسم اردی معتدل اک جا گرمی مری
 میں عناصر سوئے طبائع ربطہ قوئے با عالم اشیاء
 چہرہ گلشن آتش رخشاں سرخی گل میں نعل بدخشاں
 سبزہ بہ شبنم رشک جواہر لالہ بہ ژالہ لولوئے لالا +
 قلب کو فرحت روح کو راحت غفل کو قوت طبع کو جودت
 جلوئے ساقی نغمہ مطرب نالہ بہ چنگ و نشہ بہ صہبہ
 خند و گل پر نشاط گل پر سرو چمن پر لطف سخن پر
 نغمہ بیل نالہ ضلصل قفقہ قلقل بر لب مینا
 قلقل اندر محفل ستاں وجد میں خیل بادہ پر ستاں
 نغمہ طرازاں بار بہ آسا چنگ نوازاں شکل نگینا
 جام بلوریں با سئے لعلیں صبح بہار و گلشن رنگیں
 پنبہ مینا بر سر مینا اختر صبح و گنبد خصمرا
 ساقی موش مست شہانہ مطرب و نکش صرغ ترانہ
 مزد و عید اقبال مجسم وقت سعید انوار سہراپا
 ایک بت ترسا - بادل نگیں - لعبت کافر باہر نگیں
 صورت لات و شکل منات و رشک یعوق و غیرت عرقے

کائنات راحت بحر صباحت جوئے فصاحت گلشن راحت
 شور میں میل نور میں سلی لہجہ میں شیریں جلوہ میں عذرا
 وہ لب میگوں عارض گلگوں وہ تہ موزوں چشم پر افوں
 برگ گل تر لالہ احمد سرو صنوبر زرخس شلا
 خال لب ہے۔ نقطہ شکیں۔ یا ہے ہلال وحشیہ شیریں
 مروجہ دیدہ محو بدیدہ لالہ بہ داغ و دل بہ سودا
 فوج نظارہ جوں رہم آہو۔ آہو سے کعبہ زرخس جادو
 چیں بہ چیں محراب بہ کعبہ۔ طاق دو اہو مسجد اقصیٰ
 چاہ زخموں آب زلال۔ اور اپنے محکم چشمہ شیریں
 ناصبہ روشن جوں کعبہ موسیٰ زلفن شکن در خطہ چلیپا
 پان کی سرخی لب سے گلہ تک دست دگر بیاں تو فرخ سے
 دام برائے گردن محققا چشم و چسراغ دیدہ حورا
 بیت زلال لب بہ محکم۔ فرد خیالی رنگ تبسم
 سوئے میاں جوں معنی نازک تنگ دہاں سر بستہ مست
 عارضین گلگوں چشم پر افوں سبز تر سے طرز نظر سے
 مایہ نازد۔ غمزہ طرازد۔ گلشن رازد۔ راز بدست
 فتنہ سراپا۔ قدر سراست۔ دغا میں چست جفا میں
 شرم سے ڈوبا بحر جفا میں۔ ناصبہ رو بر عالم بالا
 رمز سے ہو کر صرہ محکم۔ ناز سے ہو کر لب بہ تبسم
 مجھ سے کہا ہو زمرہ پیرا۔ تو بھی تو بول اے یلیل شیدا
 میں نے پڑھا ایک مطلع روشن مع میں تیرے جس ہو گلشن
 روح معترے اے شر عالم۔ غش ہو جریر اور شاد ہو افشا

اسے شہ عالم درہر عالم - معانی اعلیٰ - والی والا
 لب بہ ستائش - دل بہ نیائش جلوہ طراز عرش مست
 نفس خلافت از رہ رتبت تخت خلافت عرش بہ عظمت
 توجہ بہ حکم وجہ جو صورت وہ ہے بہ نفس رتبہ ہیوئے
 روح جسم عقل کرم نفس مقدس جسم مطہر
 باتن صافی جان سوانی پر وہ بہ دنیا جلوہ بہ عقبے
 حلیم حقیقی حلیم مجازی تیرے حلول ساری و طاری
 اصل مبانی نقل معانی عقل کو تیرے عیش میں
 سامے پڑھے اسماء الہی سب ہیں موثر اے شہ اکبر
 اسم جو اعظم ہے تو وہی ہے جس سے ہے تیرا اسم مست
 ضم میں لے کر صافی طینت رکھ کے نظر میں اوج قرینت
 غرق حیا ہیں زمزم و کوثر سر بہ زیں ہیں سدرہ و طوبے
 خلق کریم و نفس نفیس و ابر مفیض و فائز رحمت
 آب بقاؤ خاک شفاؤ نار غلیظ و باد سیحان
 تو سرد دنیا خلق الہی حکم ترا تا ماہ بہ ماہی
 تخت ترا ہے تا بہ ثرے - اور فوق ہے تیرا تا بہ ثریا
 حکم پہ حاضر نظم پہ ناظر - تیرے جلوس جشن کی خاطر
 فرج کندر لشکر دارا - تخت فریدوں مسند کس نے
 تجھ سے ہی قائم شام و سحر ہے - تجھ سے ہی دائم تازہ تر ہے
 بار مراد و برگ نشاط و - شاخ امید و غنم ثمن
 تو بہ ریاست تو بہ فراست - تو بہ مقاتل تو بہ سیاست
 فطرت بیاں فکر جماعت حین بیاض و غصہ مسرا

رو برضا و لب بہ دعا تو دست بہمت پا بہ اقامت
 لب بحدایت دل بہ درایت صرغ بہ زہد و نحو بہ تقویٰ
 تو بہ حقیقت تو بہ طریقت تو بہ شریعت تو بہ ودیعت
 پاک سرشت و نیک نوشت و حسب مہر قلب مصطفیٰ
 رو بہ تمنیٰ خوب و تحمل کنت بہ تکلف لب بہ تکلم
 روکش یوسف ہمسر صالح ہمرہ موسیٰ ہدم عیسیٰ
 تیری محافظ آید کرسی - تیری معاون آیت مقدس
 زیب غایم سورۃ یاسین جن عزائم سورۃ طہ
 جانب اعدا تو سرسیدیں کھینچ لے جدم صدم ہراں
 نمرہ ہو اس کا آقتل اقتل - ندید اس کا خون قتلنا
 جلوہ سے تیرے ہو نہ منور شام و سحر آفاق تو کیونکر
 مر ہو دوائے دیدہ شہر مریضائے حیرت حشر با
 تو دم فرحت تو دم عشرت تو دم صولت بر سر دولت
 ماہ بسرطاں زہرہ بمیزاں تیرہ قوس و شمس بہ جزا
 فہم ترا وہ عقل ارسطو بالغہ جس سے جو ہر شانی
 عقل ترا و سے درس فلاطون غلطہ جس کی ابجد اونٹے
 حال دو عالم تجھ میں ہے پیدا - اور ہے یہ نور کشف ہویدا
 غیر قیافہ غیر سرود - غیر تفاؤل غیر بہ رویا
 تیری شبیم خلق سے طاری - تیری نسیم طبع سے جاری
 باد بہاری شک ستاری - عود قاری - عنبر سارا
 نگر فرنگ و دانش یوناں آگے ترے ہے طفل دبستان
 تو ہے وہ باہر - تو ہے وہاں - تو ہے وہ بیبا تو ہے وہ وانا

تج سے تیری پیکر دشمن - حلقہ بہ حلقہ جب ہو بہ جو حسن
 پیش یکساں کب رہے ثابت - عقل سے جزو لایعجز مئی
 زینت لوح شوکت و شاں تو زیب سر توفیق جہاں تو
 اپہ مزین جوں گل طفرے - اپہ مستقبل جوں خط امضا
 حاتم دوراں منذر نہماں رستم دستاں شیر نیستاں
 تو بہ سخاوت تو بہ عنایت تو دم جرات تو سر ہمایا
 حسن ادائیں نکتہ موزوں - طرز بجا میں - محو سر گمنوں
 شغل و عمل میں نظم مستح - حرف سخن میں شہر مستح
 تیرا ہے توسن سایہ ذوالنہن - بر سر جہنن دور دم رفتن
 برق جہاں و آب روان و شعلہ آتش موجود دریا
 باد بوقت نیز روانی ابر بوقت قطرہ نشانی
 جب تو اڑا دے کوہ و جبل پر جب تو رواں ہو جانب صحرا
 (یہاں سے دو شعر رہ گئے)

فیل ہے تیرا ابر بہاراں - پر بہ خیال باد و عساراں
 ہو دے درخشاں برق بہ باراں دے جو ہلا نخبیر مطلقا
 بحر وسعت کوہ برافت - پردہ کوہ نور بہ ظلمت
 اُسے طلوع جلوہ طلعت - طور پہ گویا نور تجھے
 پشت پہ اُس کی ہو چرخ زریں تو قریح سے مشک رنگیں
 تیرا طلوع اے خسرو خاور صبح شفق میں کر دے ہویدا
 تھا جو سخن آغازِ ثنا سے ختم سخن جو حسن ادا سے
 ذوق سخنداں تیری دعا سے طرز سخن موزوں ہو سراپا
 دل ہے ترا یا نور کا عالم بلکہ منور غ طور کا عالم

پیش نظر ہے دور کا عالم سن تو بھی افلاک پہ ہے کیا
دور و خاک نام خدا ہے دیکھ زباں پر کس کی شہ ہے
دل کہ سراپا دست دعا ہے - دست دعاؤ دامن شبہا
ناک زباں منظم بہ زمیں ہو - دور میں پتھر چسپج بریں ہو
شاہ کا عالم زیر تنگیں ہو - سطح زمیں ہو مسالم بالہ

قصیدہ نمبر ۳

اکبر شاہ مرحوم کی تعریف میں ہے - افسوس کہ نظر ثانی سے محروم ہوا - آغاز جوانی کا کلام ہے

اور شاہ راہ دلپر - چشم ہنروری ہو
روشن قلم سے میرے تاج سکندری ہو
اور نام میرا روشن جوں مہر و شتری ہو
دیتا جو زور دست دل کو تادری ہو
گردوں بھی سرنگوں پھر دیکھ اپنی فطری ہو
وہ بات کہ جس میں میری بھی لہری ہو
رفت سے دست جس کی شان سکندری ہو
اور دل کا اُس مقصد خود بند پوری ہو
جس پر کہ اُس کی چشم الطاف سرسری ہو
بروزی ہوئے میری اور تیری ہمتری ہو
جب خضر راہ تیری - طبع مغدوری ہو
اُسکے سوا جہاں میں کون آج جوہری ہو
پھر نام تیرا روشن مانند انوری ہو
معلوم تاکہ سب کو زور شناوری ہو

خضر نصیب کی گر - دنیا میں بہری ہو
منظور ہر نظر میں تب بھی آئینہ ہوں
تارہ کی طرح چمکے ذرہ میرے سخن کا
میں رستم معانی - اور ستیاں سخن ہے
برگشتہ بخت اپنا - گر آنے راستی ہو
یہ کہ رٹا تھا میں جو - یکبار عقل بولی
تجھ کو خبر نہیں کیا ہے دور شاہ اکبر
ہے تھک کیا جب ایسا فیاض جہاں میں
مثل سحاب جا کر بانو ہے ہوا فلک پر
در بار میں تو اُسکے - ہو بہرہ یاب جا کر
لیکن یہ رسائی اُس وقت ہوگی روشن
تو بھی تو سوچ دل میں تیرے نور سخن کا
اُس کی نظر چھیں گر یہ تابدار گوہر
تب بحر فکر میں دل غواص ہو کے اُترا

مطلع پہ اُتھ آیا شہوار بن کے موتی | شہزادہ جس کے آگے صدکان جوہری ہو

بشا نظر کرم کی جس فورہ پر فوری ہو
وہ آسمان پہ جا کر خورشیدِ خاوری ہو

دیکھی ہے چین ابد آئینہ جہیں میں
کیا تاجِ فلک کی جنبش کو سے جگہ سے
یہ آستانِ دولت ہے سجدہ گاہِ عالم
دارا کو تیرے در تک ہو کس طرح رسانی
سوچ کمی کا تیرے اک پھول ہر انور
لیغ جہاں میں گس لے کیوں بولِ جامِ زریں
دکھائے آبداری جب تیغِ شعلہ دم کی
کشتِ اہل کو سرسبز آبِ گہر سے کھلے
یشہ میں معدلت کے۔ ڈھیر ہے تو شادا
شیو متوسوں کا۔ ہر کرم میں تیرے
حمر آفتاب تیرا۔ ڈالے کرن کو اپنی
تیری شنایں شادا۔ کھٹا پھوٹا مطلع

کیونکر نہ تن میں آگے بہت سے تفریح
گر ہر پائے بندی ایسا دوسری ہو
دل کو تری عقیدت اور نگِ شہری ہو
درباں جو تیرے در کا کڑا سکنڈی ہو
قرآنِ چترِ دولت۔ نہ بیچ چنبری ہو
جب ہر گدا کو دیا اک سا غریزی ہو
شیروں کے دل میں ٹھنڈا خونِ لوری ہو
ابر کرم کی تیری جب فیضِ گستری ہو
نوشہ رواں کو جس سے۔ ہر گز نہ ہمسری ہو
تیری گداگری ہو۔ کیوں کیا گری ہو
تاجِ گدا کا جلوہ۔ جوں تلخِ قہری ہو
جس کی چمک سے کاغذِ چمن کا غدڑی ہو

پا بس نقشِ پاس سے تیرے جو نکری ہو
جا کر فلک پر آس کو تاروں سے بترتی ہو

ابر کرم سے تیرے۔ کیا دور ہے کشتا
سوچ کی جو کرن ہے۔ گر دوں گے زین تک
تیغ کو فلک پر۔ جس تیغ سے ہو بہت
نفر سے تیرے ہو۔ بہت کا چاک نہ
تیرے سوا جہاں میں۔ کو آج ہے تو انا

کشتِ فلک میں پیدا ہر سرسبز تری ہو
مانندِ عشقِ جہاں پھر سرسبز ہری ہو
دشمن کو بھاگ کر پھر کیا آسِ جہاں ہی ہو
دل پر دلاوری کے۔ تیغِ حیدری ہو
جو دل کے ناتواں کو دیتا تو نگری ہو

جہاد ب کشتی تیرے جنگل کو تے خسری کا
 خورشید نذر لائے۔ جب افسر شعا سے
 ابر کو تاج بخشی جسد م کے اشارت
 لائیں پتے سواری۔ تو سن کو جب سجا کر
 چلتا ہوا ہے امنوں اثر تا ہوا چھلا وہ
 کیا برش ظلم ہاں دکھائے شہسواری
 خاک بقدم ہو اس کی۔ اہل نظر کو سونا
 تو اس پر بر سر زین۔ چون صل پر ادب کے
 کس صف کی ہو شیریں باقی پتیرے موزوں
 اس طبع جلوہ گر ہے تو بر سر ساری
 چار آئینہ بدن پر دشمن کے گر سجا ہو
 پر جیسے آئینہ سے۔ تیرنگا گزیرے
 کیا سعد و شمس کا باں مجھے حساب باقی
 ختم شتا ہے کرتا اب ذوق اس دعا پر
 جو ہو تزا دعا کو گل رنگ ہو وہ کمل کر

زیبا ہے ماہ کو گر۔ زبان مٹری ہو
 مشہور افسری چڑ تو قیج خادری ہو
 کشتی میں لے کے حاضر ذوالفہر زری ہو
 صورت میں چو کو پتلی۔ پڑا زین کی ہو
 پھر اس سے آگے بڑھ کر کیا سحر ساری ہو
 جب تو سن تصور کھانا سکندری ہو
 جو نقش شمس ہے اس کا وہ نمبر اکبری ہو
 ائم الکتاب بلکہ جبریل نے دھری ہو
 کرتا ذیل گردوں جس کی برابر ہی ہو
 برج حل میں جیسے۔ خورشید خادری ہو
 اور سرچ اس کے ٹوپی لود کی مٹری ہو
 یوں غرق اس میں تیری ہر تیر کی سری ہو
 جب چھائی آسمان پر۔ فرخندہ اختر ہی ہو
 تو دعا ہے اس کی گر طفت ذری ہو
 بدخواہ اگر ہو خدائے صد برگ و جعفری ہو

ہو سیر بخت تیری گراں جیمنت پر
 وقتا ر بخت اعدا بر ریح قنقری ہو

قصیدہ نمبر

یہ قصیدہ ایام طالب علی کا ہے۔ مطالب اس کے حمید مذکور پر شاہد حال ہیں۔
 افسوس کہ نظر ثانی سے نور نہ پایا۔ اکبر شاہ مجرم کی صبح میں ہے۔

ہے چنے افلاک و زم غنی خرق و ایام

تا زباں زو و ہر ہیں پوٹسفی کا یہ کلام

ساختہ صحر پر ہوئے گرم گردش آفتاب
سبحہ ستارہ ہوں ساغر کسرت آسمان
منہد ہو کر بیان طبقہ اسے زمہ سریر
آب باران سے گذر کر منتشر تابو شعاع
تا حقیقت کے لئے لطیف سخن ہوئے حجاز
تا کریں روشن معانی ویاں سر مرغ
تا اَنّ و قَنّ تگے و اَنّ و قَنّ و قَنّ و قَنّ
تا کہ علم شعر جو داخل بہ اوزان بحر
اور زحافوں کا عمل نیکر رویت و تاقیہ
تا اجداد زماں کو جو کہ علم طب کے ساتھ
تا خضر حکاک لایخ رجوع و ثاقب ثقیل

یہاں سے چند شعر پڑھے نہیں گئے

کئی ت خمسہ ہوں مطلق میں ایسا خیریا
ماویٰ فاعلی حلت کو تا صورت کے ساتھ
تاریاض و طبیعی سے بزور فلسفہ
تا کہ بیت سعد اکبر ہوں فلک پر توں جوت
سنبہ کو تا بنیم کوسے جے شاہ عقیقہ
حکم ہو بر جیس دیکھو اُنک روان چہر ہند
تا خراساں ہر کو بہرام کو ہو کچھ کچھ
تا کہ سے معلوم مہر لاپ سے اختر شناس
تا زحل کے ساتھ شکل خضد و انگیس کو
ہوئے دائرہ صحر بر نفع میں تا جوش حکیم

تا ز قطبین فلک تک چنچے و در صبح و شام
ہو ثوابت کا سپر ششیں پر از دوام
قطرہ افشاں تا بخار راہ ہوں بن کر غلام
انعکاس رنگ کے قوس قزح پائے نظام
صنعتیں ہوں اُس سے پیدا با مرام و بھلام
جن سے ایراد معانی ہوئے تحسین الکلام
جا زہم فصل مضامین اَنّ و قَنّ و قَنّ و قَنّ
تا افاغیل تغافل اسکا پائیں انقباس
گر مرگ ہے علم میں گوشتے موزوں مقام
غور بغض و فکر ہر اس فکر الوان توام
جستہ کہ اراض ملک ملک ابلتایں ہونام

یعنی چلنے فصل قزح و خاضہ اور عرفی عالم
علت غائی پہ دیویں بن افشاں انصرام
فیلسوفاں جہاں علم و عمل میں لیویں کام
تا کہ جوڑا اور گل ہے شمس کو ہو احتشام
تا کہ ہو دست و قوس جوڑا فلک پر شاو کام
تا کہ تیر و ماہ و دم و فلج پر رکھیں مقام
ماوراء النہر پر تا ہیہ کو تا بوقیاسم
از قلع ہر شہارہ روز و شب یا صبح و شام
زا شجر میں رہتے ہوں صاحب مافیت و نام
ہوں مذہب حیر اور تقدیر میں اہل کلام

رو کرتا چلائے رویت کو اہل اعتراض
 ہو جو جب تک کہ جوگی شغل استیلا میں
 تاکہ ساکھ سکھ تعلقے میں کرتا ہو سلوک
 تامل جو پاک سے ابدال اور اوتاو کے
 تامل اسان حراف و ذابل وغیرہ سے
 تامل و نیم کھرج گندھار و ہیوت او گھاو
 تاکہ فروری۔ ابارو۔ آب باطل اول او تیل
 یا رب اس کا رتبہ عالی ہمیشہ ہو فردوس
 کون وہ یعنی محمد شاہ اکبر ہیں پس
 زور و ننداری سے جس کی ہے نکاحی خود بخود
 کیا تعجب ہے اگر اس کی بار فیض سے
 مرغزار عالم اس کی فیض سے ہے بکھسز
 کشکشاں سے لے حصائے تقری پر رنگ
 لے شمیم خلق اگر اس سے تو بہ جائے ابھی
 گلشن موج و ثنا سے اس کے اے گلشن نکر

اور ملاحظہ و موسوں سے دیں نبی کو تمام
 بیحد و سر میں رکھے مرغ نفس کو اپنے تمام
 تاکہ ہے مجزوب ست باوہ غفلت تمام
 انتظام اہل عالم ہوئے عالم میں تمام
 نقد ریز فارس آبادان کرے اپنے مقام
 نفیر ہندی کا ہوئے سات سرے انتظام
 ماہمسی ہو مطابق ہر ولایت میں تمام
 دولت اس کی ہو کنیز اقبال ہو انے علوم
 نیک صورت نیک سیرت نیک طبع نیک نام
 بیخ و بنیان ضلال و کفر شکل اندام
 محمد بن گیتی ہو رنگ روضہ دار السلام
 پائے ہے رنگ متہ پارہ سنگ رخام
 کرتا ہے وقت سواری شکل چاؤش اتام
 طبلہ عطار کی صورت معطر ہر مشام
 لاکھ مضمون تازہ جلد بسیر اختتام

محترم یوں ذات عالی ہے ہر جمہور زمام
 حلقہ تسبیح میں جوں سر آوردہ امام

مطیع عالی سے تیرے بکو پہنچے ہے طعاع
 غیر اجلال کی تیرے نظر عالم پر عام
 ہے نسیم لطف سے تیرے ہوئے اتمام
 دست تمام ازل سے ہر وقت تمام
 حکم تو دیو سے تو بہو سے زیر و برائے تمام

آمدہ اور من سلوی کی کسے ہے احتیاج
 برہ و زور شید سے کوہ بدشاں ہے غلط
 غنچہ تصویر کو بھی مثل گھلانے چمن
 ہے ملا دست سخاکے ساتھ تھکو زور حکم
 فیض تیرا ہے کہ پائے خرقدہ ماہی درم

دشمن بد ہیں کو آپ خضر بھی زہراب ہے
 پر ہوا خواہوں کو تیری رحمت سے خضر
 دست صحت رگ ہر رنگ کو دشت مہ
 دیں مہینوں کو دم عینے تو دیں نگیناں
 مستفید نور کیسے شمس سے جرم مستر
 رو برو دست کرم کے ہوتی گردو باغ ہے
 تو جھرو کوں میں جو بیٹھے انکے بہر عدل داد
 تازہ آنے زخم عاشق کے دل ناکام پر
 لے فرم دیں تو جو کرے راو غریزی کو بند
 شانہ ضحاک کی مانند ایک ایک اسکی سوج
 معجز انصاف سے تیرے سر دشت جبل
 قصد سید اس کا کرے کوئی معاذ اللہ اگر
 آیا جب تیرے مقابل اے سنگ بحر زم
 رنج استقلال پر ہے قفل اگر تیری سپر
 جوں حصا حضرت موسے سر و دیار نیل
 ہے خدنگ تیر تیرا یا ہوا پر ہے عقاب
 گر عدو نہ سکندر کو کرے چار آئینہ
 تیرے صف ناک اندازی پر تیرا نذر لکر

اور دم جیسے گلے میں جڑش آب حام
 فیض انعام الہی ہیں نفوس اقسام
 بنض سالم کی طبع جنبش دکھا یگی دام
 قطر و ریزش حریں جطر سے طقت نکام
 نیز اجمال سے تیرے جلا یتا ہے دام
 آبروئے ابرو ہر بار سے ذوالاحترام
 شیر و آہو گھاٹ پر جتنا کے جوں میں دام
 تیغ ابرو پر تباں رکھتے ہیں دوسرے نیام
 اور لیوں سے جام کے چھلکے حین لار خام
 مار بچاں بن کے ہوشے متحد باخا جام
 ہر غزالہ نازہ صالح ہے گویا بے زام
 ہو خدا کا تہ نازل اس پر ہر اقام
 کھل خرچنگ اٹنے پاؤں ہٹ گیا دستان سام
 وقت پر شمشیر ہے مفتاح ادواب مہام
 نیز تیرا فکر اعدا میں کر جانا ہے کام
 و مہم ہے ہے قضا کا ارکے اعدا کو پیام
 آگے تیری تیغ کے وصل ہے پر کاغذ جام
 مطلع برجستہ کو ہے کھ کے دیتا اعظام

بر سر پرواز ہوں جب تیرے شہباز بہام
 جوشن جسم عدو میں ہر سے دم مجوس دام

میں ترے برق غصہ کا گشت اعدا پر جہام
 حال اہل تاف و نئے خسرو عالی مقام

دست و ہتھان میں نشان شعلہ جوالہ جو
 گر سحاب تیر تیرا ہو کر گشت افشاں تو ہو

واوہی بظاہر میں جیسے برسرِ صحابِ نبیل
جنبشِ غبار سے میرے سرد ہو برقِ چل
ترکِ تازی میں پڑی تھی اسکی شوخی پر نظر
صغیر، عبرا پہ کھائے فقط، رمالِ شک
سُرتِ علی منازل کا کھسوں گر ایکے صف
عرصہ چوگاں میں جب اسکو بوقتِ موعکہ
گماہ سرپٹ گزشتاں اور گماہِ سیٹھا پوینہ
اور اشارہ ہو اگر اس تاق سے اُستاق پر
فیل کو تیرے شبِ یلدا تو کتا ہے جاں
یا سید خیمہ ہے بیل کا دیا ہے قلم گئی
حلقہ زلفِ تاج کب کھائے ہے یونِ زب
منزلِ قمیص کو کیونکر تری طے کر سکے
تنبیت کو ہے دجا پر توفی کرتا مختصر

معجزِ طیکر اُبا بیل آیا وقتِ انعام
عمر کروں شاہِ رقصِ صفتِ سندِ تیرِ گام
اجنِ چشمِ تاج کی ہو گئی ترکی تمام
دیکھے نقشِ سم جو اس کا جلوہ گر وقتِ غلام
حالِ مستقبل کا داخلِ فعلِ ماضی میں نام
ہائے جلالی میں دیکر جنبشِ دستِ گلام
گماہ و گلی ایسہ اور گماہِ جانے شاہِ گام
اس طرح اڑ جائے جو ریخِ نظر بالائے با
پر جو ہے نقشِ قدم اس کا وہی باچہ نام
جانِ قہرِ نفستِ دل بگر دھواںِ فکِ غلام
جب تھا خرطوم کو لپے کرے ہے وہ سلام
دم کماں پیکِ خرد میں پینا لک جائے نام
ہو مبارک تجھ کو بامیشِ مطربِ عیدِ صیام

جو کہ ہوں بدخواہ وہ ناشاد اور ٹھگیں ہیں
اور ہوا خواہوں کھول جو ہیں جویشہ شاد کام

قصیدہ نمبر ۵

اٹھوس کہ نظر ثانی سے محمود رہا +

عرش پر اڑ گیا اک آن میں تندی براق
افتِ طبع پہ دکھائے فروغِ اشراق
قصِ دل میں جو ہیں ہند طیورِ اشواق
کہ عقولِ مضطرب کی تھی جہاں طاقتِ طلاق

بسببِ دمِ فکر جو تھا سیرِ فلک کا شتاق
چمک امنِ قہاں کی ہویاں کیا کہ اگر
شعلہ رنگِ حنا کر کے اُڑا دیسے ابھی
رات بھگو یہ فلک گردِ دہاں یکے گیا

فلسفی دہر کے جو جو تھے ہوئے مضامین
 تھے سعادت سے جو سب مرج ٹھٹھال
 حق تعالیٰ کی نہ جا بارجلالت سے ہو کر
 انجم ثابت و تیار سعادت سے ہم
 بنجم نابیند لقب جبر کل ہے قاصر فلک
 بدر مقابل میں تھر۔ پہل میں نظر آتا بول
 اسکا طنبور جو دیتا تھا سڑوں کو بہتات
 تیر گردن کا خوشی سے تھا بول لہراتا
 جلتے رنگ ایسی بھاتا تھا کہ سب جہ میں تھے
 نظر آجاتا تھا گر خستہ و مدار کوئی
 ہاتھ پھر کر کے چڑنگ کا اک پھرتی سے
 جو چلا پارہ تن اس کا سوئے عالم خاک
 سعید اکبر کہ جسے کہتے ہیں قاضی فلک
 ہونا زاہد بھی تھا آما وہ چنے و اماوی
 چرخ ہفتم پہ فلک ہے تو بعلی الح حرکت
 نفع تضحیٰ سے پر بار ہے گردوں کا شکم
 ہے جو ہر کوچہ میں آرائش نو بہت خانہ
 یوں جو آرائش افلاک پہ ہو بزم طرب
 آج وہ روز بہاریوں ہے جسے کہتے ہیں عید
 بزم خسرو میں پلے بار بد بزم سخن
 تیرا قانون ترے پاس خطا سطر ہے
 تیرے فتنے تیرے مضمون میں ہنسائے قلم

نور اشراق سے تھے ہو گئے سب اہل اوق
 بخت و دولت سے یہ لبریز تھا بقیہ زمان
 حرکت چرخ گراںبار کی قلعین پہ شان
 یوں نظر آنے کہ چون مست بغول اہل افق
 تھا چپ و راست بہ آہنگ کتب عشاق
 خدمت دائرہ داری میں تھا ہر رنگ طاق
 جرم غور شید سے ہوتی تھیں شایع اشراق
 مے کے ترتیب ثریا کو باقسام ایاق
 لعنانِ فلکی صورتِ اہل اذواق
 دیتا بیخ دم تیغ سے اُس کو اہاق
 دم میں تھا اپنے وطن پہ چڑھانا تھا قاق
 یہ اڑا اسے بھاتا وہ اڑا اسے تراق
 حسن کو عشق سے دیتا تھا ہم رطب و طاق
 زائل دنیا کو جو تھا بیٹھرا و یکے طلاق
 عالم خاک میں پہے تگے دو کا شتاق
 لیکن اس وقت میں تھی بہت اُسکو شتاق
 خالی آواز و ماس سے نہ کوئی رواق
 کشن عیش و طرب کیوں ہو بزم آفاق
 بذلہ سخن میں نکلتے ہے دل اہل مذاق
 سب یہ کہتے ہیں کہ تو کتہ سرائی چرخ طاق
 چھیرے زائلِ نیریز و خراسانِ عراق
 دکشی پر ہے شریست کہ سبتہ و چاق

زمزم سے مع کے مکہ اس کی جگہ کئے ہیں ب
 کون وہ یمنی شہنشاہ محمد اکبر
 طبع و قیاد کی گر اس کی رقم ہو توصیف
 تیرا جہ سے غور شہید بل اس سے
 عطر سے شیشہ افلاک ہر دم میں لہریں
 خسرو ارات کو تھا منزل دل میں میرے
 اچھے خوجینوں پہن چن کے میں لایا ہو طبع
 تو ہے وہ نسل غمگین بہتار آفاق
 عزت و مہر طبیعت ہو بہ جو رائے غضب
 گرد نے حکم تو پھر ابر کے سینہ میں کبھی
 ترزاں صفت میں سب پہن سے غفلان بہا
 تیرے شیلان کرم پر ہے زمانہ ہماں
 گر سبق لیں نہ تیرے فلسفہ حکمت سے
 ہوں نظر سے کبھی باہر ز غواض کے طیو
 درک ادا میں کریں جبکہ انا مل تیرے
 دیکھ کر خیم سعادت کا تیرے حسن طبع
 توجہ محراب عبادت میں لگے سر بسود
 پاس دیں تیرا جو زنا کی چاہے تبدیل
 ہو گیا تخی سب تاب سے ہے سر سر گلو
 رعب شمشیر تراویں جو سپر سے وہ چند

نائب ختم رسل نعل خدا کے خلاق
 دست کشیش سے نعل جس کے ہے بحر آفاق
 مہر اختر کا ہو اور ماہ سے آئے تھرا ق
 کاہش رکھتا رکھتا ہو میں استد قاق
 ہوئے گر کائنات اس کی نسیم اخلاق
 کا رواں شہر سر قند کا رکھتا اتراق
 مع حاضر کے لئے تیرے بہ صد استغراق
 جس نے توران سے کیا بند میں اگر کون
 زہریرا نہ پچھا رام جہاں ہو بیلا ق
 محبت عام نہ ہو مایہ مایہ خسرا ق
 دایہ مغیب سے پلوتا ہے شیر اشفاق
 مہ انجم سے ٹھک پر ہیں مینا الطباق
 اہل یوناں پہ نہ ہو کو حکماء کا اطلاق
 تیرے شہباز فرست کا ہے یہ استحقاق
 نبض آسا متحرک ہو گر سنگ ساق
 ماور شب سپر کو کرے شرم سے عاق
 طاق مسجد میں ٹھکے آگے سرختم طاق
 دوش گردوں پہ خطا منقطع ہو خطا طاق
 دم نہ لے لگاتے آگے حوسد بقیاق
 جسے نقطہ سے کہیں ایک کوہل ہل ساق

طے حدود آفت و منزل - مع تقویٰ کرم کس جہاں سر پہاڑوں کے لوگ اگر سڑی کے دن ہر کریں - ۱۱

طے بیلاق - سر رک جہاں گرمی کے دنوں میں آرام کریں - ۱۲ - مع شہدات - دست خوان خاں - ۱۳

ہو تو بے غین محکم سے شفا عام تو ہو
عدل لے تیرے شامخ یہ کی غوریزی
اللہ اللہ بے فکر کا تے خیل و چشم
تیرے در بار جلالت کے جو ہیں غیر غضب
اور ایک مطلع و کس نے طبیعت سے کرا

زہر کی جادہن اریں پیدا تر یاق
فصد کی منع اطلبانے چنے منع خفاق
ہم عدد جس سے نازک ہو نہ ہر سہر قفای
گمشاں کو ہیں سر و دوش لے شوق خفاق
ہے تیرے عدل کی تعریف میں پایا الصاق

آٹھ کیا مدرسہ و مدرسہ شر و شفاق
زید سے عمر کے دل میں نہیں باقی ہے نفاق

پہنچ کے گنبد بے در میں بیٹنگے نبوس
گر کھوں صفت تیرے استپ نگر و کامیں
تن میں تلخ سے ہے اُسکے پھر کتی شوقی
ماہی زیریں لوٹ کے ہو جائے کباب
وقت کو بازو کے خزاں میں در اکبے کا
اُس فلک سیر کو گلشت میں گر تو شاہ
یوں آئے سوئے فلک جیسے بہ تہج شام
کیا کھوں صفت تیرے خیل فلک پیکر کا
عمر بھر مطیع عالی میں رانعت خواں
دیں ستاروں کی جلی گھیلین بنی لہو کو گلی
بر سر دشمن پدیشس ہنگام ہنگام
تو عجب کیا ہے کہ اس کشور بر فانی میں
دل مرا ہو گیا اس وقت ہے وہ عالم نور
کہ وہاں صدق ارادت سے کہ ہے وقت و
دو شمس گر و دل پہ ہوتا غزل سنجاب غلام

دم نہ مایہ نگے مگر گونج کے شوق و شفاق
ہے فلک انپے پامل قلم ہفت اوراق
قبض تن میں جوں طائر جان عشاق
جھانکے گر سنگ پہ وہ نعل سے لہجہ خفاق
چرخ پر دائرے کیچنا کرے مانتہ نطق
جو دت طبع کی جنبش کا چھوڑے مطراق
ہوئے گل جانے شخص میں دم امتن شاق
کہ گرا نباری ہے اسکی تن الہر زہر شاق
صفتہ اطعمہ پر خام ربا جوں بس خلق
نور بہت کا زانہ میں ج ہے عام افغان
گر قشوں ہوتے ہلو زہر بہشت تہیاق
شعلہ نخی شہر بار ہر برق حسرات
جس کی خرق سے کریں نور معانی اشراق
کیوں خوشی پہ کیا قوت زماں کو خفاق
سبزہ ۳۳ خاک پہ ہو پیر بہن استبراق

دخت رز کو چھوڑ کر اہل تقویٰ
تھکوا آفاق بیچ سے رضاں بھی مرعوب
اور ترے نیر انجبال کے آگے دشمن

جب تک سینہ مینا میں ہے درو فوق
ہوئے رویت دیار پہ عید آفاق
یوں ہے جیسے کہ ہوا باہم صاف

صغیر و حشر پھر گردش افلاک سے
حرف باطل کی طرح دھبے جہاں آفاق

قصیدہ نمبر ۶

اس قصیدہ پر بھی نظر ثانی نہیں ہوئی۔ - اکبر شاہ مرحوم کی بیچ میں ہے

گروش میں چشم مست کی گول مراگرہ
سینہ میں لگے گزشتہ تو کس لئے
اپنا دل گرفتہ چمن میں نہ وا ہوا
چلتا نہیں ہے پنجہ مراگاں کا کچھ عمل
قمری ہے لائی چاک گریباں چمن میں آہ
ہوں گرفتہ دل کو مرثہ پر ہجوم اشک
میں مہر خانیجوں کیا دانہ پسند؟
تصویرِ غنچہ ہوں چمن روزگار میں
مرقد پہ میرے طرف شمشاد کی طرح
آیا ہوں میں شتر میں لے کر گرنگل
رہو گیاصل مستِ خنابِ حشیہ تک
گر میں گرفتہ دل ہوں۔ تو جوں دانہ انار
میرے عکس اپنا دو تو ہو جو سے آئینہ
تو میں لے کر سے جینا سے بزم سے

اور کھولے لئے دانہ کی یوں آسناگرہ
ہر اشک میری آنکھ سے ہو کر گراگرہ
پنچہ ہستہ ار جاپ کھلا اور ہواگرہ
ہے ابھی چشم تر سے ہم آشناگرہ
لے مرغل سے لئے جسنہ قباگرہ
ہونا ہے شکل خوشہ انگورہ آگرہ
کھولے ہے کاربش کی میری صداگرہ
دا کر کے گی میری بھلا کیا صباگرہ
پھوٹے گی نخل شمع میں بھی چا بباگرہ
ہو دینگے استخوان نہ گھوٹے ہماگرہ
قاتل کئے مست و دل میں ناخوں ہباگرہ
مصل میں ہو گا خندہ دندانہ ساگرہ
جوں دام بیچ و پھل خطہ بوریہ گرہ
رہ جائے شکل دانہ انگور کھگرہ

یہ زہر خیم چڑھ ہے کہ سبزہ بزی زلف
 میں دل گرینہ آہ اگر کارواں میں ہوں
 رویا میں شکل شبیہ کبھی کھول کر نہ دل
 دل تنگی کا اپنے قلب بند کر کے حال
 کھائیں کہو تران گرہ باز کی طسرح
 وہ دل گرفتہ ہوں کہ اگر نکھ پاس سے
 پھیلاؤں گر شعیب مضایک بنج بندیں
 حیرت سے نجمہ کی مری ماہی سپر
 پیدا ہوں سوگرہ اگر اکٹل سے کھولنے
 گنا نا ماہر و کا ہے کمتا کہ دیکھو !
 آہیں تو کہیں نہیں سینہ مسد چاک سے بہت
 سوزن کا رشتہ بن کے کھپا جتسری میرا
 قطروں کے خون ل کے ہوں سوگرہ جیاں
 یہ عقدہ مثل ایسے خوابان کہیں نہ جو
 رمال قرعہ ڈالے جو اس عقدہ پر تو ہو
 ہر قطرہ سر شک مرے رونے زرد پر
 یا رب وہ شانہ پاؤں کہاں میرج دل سے آہ
 وابستہ تار سے بیان سبوں شکل نافت
 نقطہ کی طرح مرکز گردش با صدا
 دل مٹا گرہ خیال میرج آکے عقل نے
 اس آفتاب پر تو نظر کر کہ جوں نگر گل
 وہ کون سی گبر ثانی کو جس نے وا

ق

سو مجھے ہے یوں کہ زہر کی مٹھایہ بلا گرہ
 حیرت سے اینٹھ کر ہوز بان در اگرہ
 میرے گلوں میں گریہ جیشہ رنا گرہ
 بازو پہ میخ دل کے اگر دوز گنا گرہ
 سینہ آکر سرد دوش ہو احرہ
 جوں نچھ ہو رہوں پندین صبا گرہ
 ہوئے غن میں ناخہ مشک خطا گرہ
 خرچ گاہ بن کے میٹھ رہے ایکجا گرہ
 جوں کو کنار لال و نسیم حنا گرہ
 قینچی کی طرح کنڑے سے چسپخ دوتا گرہ
 کھائی تھی میرے دل کی مگر کیا بھلا گرہ
 ہے زہر پائے رشتہ بیا دوسرا گرہ
 ایک آبد سے دل کے جو کھولوں راکرہ
 ہے ڈالتا با ناخن عقدہ کشا گرہ
 اچھل سے پوری پوری میں سکی جدا گرہ
 خاطر گرنگی سے ہے جوں کمر با گرہ
 دے کھول شکل عقدہ زلف دوتا گرہ
 چشم کشاد کار رکھے مجھ سے کیا گرہ
 میں بختا گمر ب دائرہ دہر پا گرہ
 یوں کھول دی با ناخن نگر سب گرہ
 بل بھر میں اک زمانے کی ہے کھولا گرہ
 تیرے بھی کام دل سے ہے کٹا گرہ

محل کی گرہ ہمار کرے گر صبا سے وا
لایا ہوں ہر نذر میں وہ قُدرِ آبِ دار
جوں برقِ کھم کے مطلع پر جنبِ خار نلے

وہ کھول دے دلوں کی فیضِ خدا گرہ
ہو جس کو دیکھ آپ قُدرِ بے ہا گرہ
مطلع سے آفتا کے دی ہے لگا گرہ

مطلعنوں میں حسن سے کی تو نے وا گرہ
کیوں پیکرِ دل میں خال سویدا ر ہا گرہ

کھل جائے نام پاک سے اک آن میں ہیں
ہیبت سے تیرے غفلت کے تجالہ جگہ ہے
چاہے جو اُس کو آبِ صباحت کرے خواں
تیرے سچائی سے گلشن میں صدم
گردِ خاک کی بلبلِ نردِ بستہ کیج کے ہو
تو تاغینِ گھاہ سے مانند آفتاب
کھولے ہیں کلبستہ عالم سے دانہ وار
دستِ گرہ کشا نے ہے باقی گمان بھی
البتہ دل میں غنچہ پیکان کے چہ تھے
یا جو تری کہاں نگاریں میں ہے نمود
ایک دم میں تیرے ناخن ششیر سے ہوں وا
تیرے فروغِ نیرِ حُشمت سے کیا عجب
اشرف سے تیری قوتِ بازو کو شل گیسے
نوپا ہے گر تو دامنِ ساحل میں بحر کو
پنہ سے تیرے صر کے گردوں چھسیر
شقار کیاں کی طرح ناخنِ سداں
لائے جو شعلہ حریتِ شرارتِ زبان پر

گر ہوئے کوہِ مردہ کو و صفتِ گرہ
دعویٰ کے لب پہ آئینِ مدِ عا گرہ
کفایتِ وحشِ زباں پہ دیوے لگا گرہ
لے مشقتِ زر ہے غنچہ گلِ بوستا گرہ
ماہین کوہِ قافِ میانِ سشتا گرہ
وے کھول م میں دیکھ کے یہ ماجرا گرہ
تیری تیرا سے لطف و محابِ عطا گرہ
جز جگر لہ سے پیرِ دینِ غنچہ سیا گرہ
جانب سے حاسدوں کے صبا شکار گرہ
وہ ابرو سے بھکار پہ ہے خوش نا گرہ
ہیں سر جو حاسدوں کے برو نہ دغا گرہ
گر مر ہو سیکے ہر شکلِ سہا گرہ
ہو گاں کے آگے کوہ کو ہے جانا گرہ
دو نوظوت سے کھینچ کے دیوے لگا گرہ
کھل جاتی ہے ستاروں کی لاہتا گرہ
ہے سینہ فلک کی سدا کھوتا گرہ
تا شیرِ عدل سے ہو تری لب پہ آگرہ

اشد سے ہم عدل کو خون زمانہ میں
 زلفوں کے دام جیسے حسینانِ ناز میں
 ہر سیر کے سر میں اسی طرح زہر مار
 انجم سے تیری ساگر کے کھلے ٹک
 توں ترانہ ~~ہوئے~~ کا ڈالے نقش
 جولاں پہ اپنے آئے توجوں جنبشِ مہا
 دامنِ ابر تر پہ وہ پاتا ہے برقِ نام
 گرائس کی گردِ شمع سے بیدارِ کارزار
 لائے آڑا کے تواسے از شرق تا غرب
 رخت پہ تیرے خیل کی طبع رسالے رات
 آبا نظر کر صفحہ چشمِ زمانہ میں
 ہے بسکہ کھتا عقدہ کشائی کا دلِ شوق
 کرتا ہے آشنا سے ونداں سے وہ نقطہ
 سکبہ دہن میں دلا صبح تا بہ شام
 واکر پ سوال بدر گاہِ فدا کبھی دل
 خطاں ہریر گنبدِ گردوں ہوا کر سے
 تا چرخ و آڑگوں پشیمانی کھکشاں
 میدان ہوتا سپہر کا اور گوسے نام و ہر
 تا دل گرنگی سے زمانہ کی بزم میں
 مہنجات کو پتے در و در بہینِ عشق
 جنبشِ شمیم کا کل چپاں کے رکھکے
 سالِ تجلی کو جشنِ مبارک ہو خستہ

دشنہ بھی دکھ کر کہے جہیں پر ہاگرہ
 ہیں ڈل دیتے دیکے ہوئے فغاگرہ
 ہو دیگا مثلِ مہر مار ایکجا گرہ
 ہر سال کھکشاں میں ہے دیتا لگاگرہ
 بسببیں کہ میٹھا مار کے ہے اڑواگرہ
 غنوں کی کھولے باغ میں وہ باد پگرہ
 اُس کا شرارِ نعل جو ہے ہے اڑاگرہ
 ہو گرد باد و امنِ محسوس میں کھاگرہ
 کھلنے پھٹنے یہاں بیچہن ہواگرہ
 پھینکا کند و ہم کو جو کر کے واگرہ
 اک نقطہ مشکِ ناک ہے ہو ہاگرہ
 دیکھا جو غمِ فکر میں کہیں جا بجاگرہ
 اس واسطے کہ اسکی بھی ہودل کی واگرہ
 جو کبھی دیگا میٹھا ہوا تا کبجاگرہ
 تارہ بجا کئے سینہ میں دل کی عاگرہ
 بن بن کے تا زمانہ کی صبح و ساگرہ
 ہو خوشہ دارِ عقدہ ~~نریا~~ سد اگرہ
 اور دور مرتے ہو فرب و راس ناگرہ
 ہر دم کاوے شیشہ میں ہو قہقہاگرہ
 تا دیں بجا لبِ لبنتِ شیریں اداگرہ
 ناخیز ہوئے مشکِ غنن بے خطاگرہ
 اور شکلا تِ غنن کی چمن اُس سے واگرہ

پر تیرے ملی کی نہ دا ہوئے جوں جی
ہرگز مہیا دہر میں غیر از غم گرہ

قصیدہ نمبر ۱

اس قصیدہ پر بھی نظر ثانی نہیں ہوئی۔ اکبر شاہ مرحوم کی تعریف میں ہے۔

قلم و صوفیہ کا غنہ پہ ہوئے تخت نگار
مختاروں نے جو بانہ سے سخن کے بنی نگ
سوار توئیں ست رواں پہ چو کہ جب
جو شاخ سدرہ پہ بیٹھا ہو طائرِ مضوں
زبان تیغِ نگر سے لیا فوں شاہ
پس ست بست کھٹے چاہوں باجڑوں جرج
ہے کرنی کام جہاں جلے اُس کی کونیاں
سخن زباق ہے اور ہے نگاہِ دل پر
سخن شناس نہیں کہیہ کر یہ کہتے ہیں
کوں میں اُس کو مگر کیا کہ مشتری نہ ہے
شراب و زور سے دل ہو گیا ہے مست ایسا
بنائے ناویک تقدیرِ خاک تو وہ جسے
ہزاروں سے بید روی زمانہ دکھائے
میں لایا سینہ میں خنجرِ دل کی جا پہ آئینہ
سو اُس کو توڑا ہے لوگوں نے گنہگار
مخاکاٹ کے ایک اونٹ سا دھت دیکھو
میں آئینہ کے آگے ہوں آپ سرِ سندرہ

تو اپنے نقشِ مشاویں جہاں گے جادو نگار
زباں سے اُسکی ہیں وابستہ آنکھ سب سرار
کسے غم و سنی کو دم میں باجگزار
تو اُس کے صوتِ شاہیں کسے کیسے گنگار
کہ جس پٹکے مضامین ہیں کہتے جی کو نثار
کہ لفظ و معنی و مضمون ہیں بے شمار و قطار
قلم و پیرِ فلک کہے واں پڑا ہے کار
کہ تو ہیں تلہ ہر ایک کی ہے اپنی اپنی جہار
کہ جو گھر ہے وہی اس میں ہے درِ شہوار
مطلعِ بخت کو بچوں جو ہیں تو کس بازار
کہ شام روزِ جزا تک نہ جبکا اُتے خمار
بچا سکے اُسے کیا خاکِ جُبلے کا حصار
زباں پہ لایا نہ لائے گا شکوہ یز زہار
کہ اہلِ دل اسے سمجھنے کے مطلعِ افوار
میں کتنا غنا کہ گمراہ ہو گئے یا گمراہ
غبارِ غیر کی خاطر میں ہو تو آپ ہے بار
کہ ایکٹ سے چرتے ہیں ہاں میں حصار

مگر تو دواہم کہوں کہوں اے چسپرخ
لے آیا جن مقدراًس آستان پہ بگھے
سحاب جو دے اُس کے زمانہ ہے گلشن
پہن کے مجھ سے کما طبع نے کائے ناولں
ہے اُس کے نام کا لینا بھی یونہی بے ادبی
سو میں زبان کو گچا پیکے دل کے درمیاں
اور اُس کے بعد ہوں کتنا کر نام پاکتہ وہ
خدا کا سایہ ہے۔ اور نائب ہوں خدا
تک صفات و فرشتہ سیر دل حُصَلت
خدا شناسی طریقت مٹا حقیقت میں
نہ حق وصف ہو اُس کا ادا کبھی لب سے
ہوا ہوں یکے میں حاضر تہنیک کے پھول
شما! ہے آج اُسی شاہزادہ کی شادی
وہ شاہزادہ ہے پر جا بھی کچھ شاہ نشاں
چرخوں حضور میں ایک مطلع دعائیۃ

نہیں رہا تری گردش سے کچھ مجھے سرکار
کر سجدہ کرتے ہیں تھک تھک کے چسپرخ ہمار
نشاں ابر کرم اُس کے ہیں صفار و کبار
بلکہ اُس کے نام کے تصحیح بھی تو ہے درکار
کر چشم پاس نہ دریا نہ ابر دریا بار
نفاق آج گھر میں ہلایا کئی بار
جبہ نازوں میں لیٹتے ہیں سب پکا رکھار
محمد اکبر عالم نواز و عسرسش وقار
بدیں پناہ و بدل دولت و بہ رخ انوار
بوست جو دے دریا۔ بانگت کسار
زبان ہر سرو آکے گر کر سے گفتار
کہ اُور پاس نہ رکھتا تھا کچھ برائے شمار
جہاں میں جہے جہانگیر شاہ نیک اطوار
وہ شاہزادہ جو اس ہے ملے گمن کردار
قبول جس سے دعا میں ہوں ہر سرور بار

شما خدا سے یہی ہے مری عاشر بار
اگر شاہ دیاں محکم شہستان میں تیرے یل ہمار

شکوہ شادی شہزادہ کس زبان سے کہوں
(یہاں سے چند شعر چھپے نہیں گئے)

جو کہنے میں ساقی کا وصف آرائش
یکایک اُتریں پستان سے آنکر پائیں
تو بکلا خام سے جو حرف تھا خطا گلزار
ہوئیں جو تخت ہوائی پہ تلچنے کو سوار
وہ جو رخ سے بھی ہو سکا نہ اُس کا شمار
ہجوم عیش و طرب اس قصر زمیں پہ ہوا

یہ اجتنانِ فلک پر ہوا خوشی کا جوش
(میاں سے کئی سطر پر بھی نہ لگئیں۔ آگے چند شعر متفرق آتش بازی کے ہیں)
شبِ برات کی وہ روشنی کہ وصلِ علی
جو میٹھوں پہ ہوئی روشنی تو شورِ اٹھا
دیبا بے لایا ایسلا طلسمِ ہوناں سے
لکھے ستاروں کو جب آگ دینے آتش باز
یہ دینگے آگ کا دانہ جبچہ سور و نکو
جب اک طرف کو لگی جگہ لگانے چادرِ گنج
ہمارے کانو کچھ پرے توڑ گئے اُردم
پکاجے سب تو اعد ہے فوج میں شاید
عجب شا ہوا پتلیوں کو جب وہی آگ
ہوائی کشتی تھی جا کر شہا پٹ تب سے
ہیں ابرِ طور سے بچے زمین نو رکے پھول

(کئی شعر اور پڑھے نہ لگئے)

اب اس دعا پر قصیدہ کو ختم کرنا ہے ذوق
پراس ہوس کی ابھی چھٹ رہی ہے متابی
اسی خیال میں تھا دیکھنا خدا کی طرف
کو مہربان رہتے سے شادی مسر زہد
کہ دوست بھرے سرفراز اور عدد و ہوا
تلم میں سالِ عروسی کا پھول دلیے ہمار
کئے غموشی فکرت نے والہ گتار
مبارک آپ کو بولے شو سپر وقار

۱۱۹۳
۴۲
۱۱۹۵

جو ہوویں اسکے ہو خواہ وہ رہیں سکون
ہوں اسکے دشمن بکیش خالدا فی النار

۲ + ۳۰

قصیدہ نمبر (۸)

اکبر شاہ مرحوم کی مہج ہے۔ عالم شباب کا کلام اور نظر ثانی سے محروم ہے۔

آفریق دلپے مئے عیش و طرب و دنو بہم
ایک ایک سے ڈر بڑا سخن سنا گویا
روشن ناز پہ ہمدش تھے یوں جیسے کبھی
یا تھے دو صبح مربوط بہم دست و بفل
تکے دو تار نظر ایک ہوئے تھے دو نو۔
دنو پیچیدہ بہم ایسے سیہ مستی میں
ایک معنی کے وہ لفظ مترادف تھے
تھے جڑ سے دو در شوار کہ ہرگز نہ ملیں
ایسے تھے دو نو وہ یکدل کہ دو تاجیکان
آنے پٹے ہوئے یوں عالم شکاری میں
میں نے پوچھا جو سبب اُن کے بہم ہونیکا
کیون مومن کے دل تنگ میں جنی ہوئی
آج اُس شاہ کے فرزند کی ہے شادی ملی
کون و ظیل خدا۔ شاہ کا چھٹا اکبر
شاہ کا پیرچھو جو فرزند تو شہزادہ سلیم
اس نے عیش و طرب مثل متران تعدین
یہ سن اس عقیدے بخشا ہے جہاں کو انیسا
آج دن ہے مبارک کہ ابھی لائے شمر
دیا شکلوں میں پیوند بدیہ الاستلاج

دوسرا
ادبی

آج یوں آئے سر جیسے دو پیہ کر تو ہم
دولب یار ہیں یا حضرت جیسے ہدم
لام الف لکھتا تھا اسلام کا یا قوت ظہم
یا کہ پیوند تھے دو غل گلستان ارم
یا وہ اک بینی کے دو تہے تھے ہم ہدم
کوئی مشاطہ بھی یوں گھونٹے نہ جھڑ پر خم
ایک مضروب کے دو فقرے تھے مگر مستحکم
ابرنیاں سے گریں لاکھ اگر قطرہ بہم
یک نل دنو وہ اعلیٰ کہ جوں چاک قلم
نالہ زیر کی ہمد راہ ہو جوں نالہ بہم
تو بٹانے نے کہا غیب سے ہو کر ظہم
جبکہ معلوم تو پھر بات ہے کیوں نہنہم
کہ شجاعت میں وہ کہستم ہے سخا میں تہم
جس کی جہت سے ہوں یوزہ گرا با بہم
ہو سلامت روی اسکی بسلامت منضم
متفق ہو کے پٹے نہنیت آئے اس دم
جو گرہ آج لگائیں سو ہے گنتی محکم
دو درختوں کو جو پیوند لگائیں باہم
یہ قلم سمجھے نہ تمذیب نہ جانے سلم

بزم عشرت کی طرت کرتا ہے جو نظارہ

پڑھتا یہ مطلع رنگیں ہے وہ ہوا کر خستہ

ہے آٹھائیش کا طوفاں بسرا حلیم

زفر سے صبح کا بربط سے ہوا ہے محرم

ٹھکری کا سا ہے پتہ ہر گلوئے مینا
لوگے جس ساز خدا ساز کو آغوش میں آج
اثر نغمہ شیریں سے جہاں بہول گیا
جن مزامیر کو ہم سنتے تھے ماحظ سے حرام
تا وطن نورنی آج رنگ جنگ صفا
نہیں کچھ دور کرتے ہیں ہر کہہ کا لباس
وصوم اس شادی کی سی ہے کشتہ کے ستار
دھڑ دھڑا دھکی ہے اس رنگ سے تحریر ہوا
شلیخ گل پہنے کلائی میں کلی کا گلگنا
حلوہ انیس گل زمریں جبرے عطسہ گ
بل بے تیاری پوشاک کے چسپخ اطلس
یہ خیال ہے جلدی کے کھلا ہاتا ہے
یہ چرخانے کی ہے کثرت کا تہ ہے ہر صبح
اللہ اللہ سے نوشہ ترا عالی تر ہے
ہر کی زہبت کی یہ نوبت کہ سحر اس کی ٹکڑ
نے نقیاں کو بھی گرم سے لگاتا ہے کوئی
پہنچا یہ طنطنہ کو مس کا گردوں پہ دماغ
آئی اسطرح سے پیہم ہے جلاجل کی صدا
کتنا ہر دم ہے یہ لقا پہی پر فلک

اچکیاں قلقل مینا جو ہے لینی پیہم
تا رچھیر کے کبج کا تو سنو گے خپم
کہ سواراگ کی سم کے ہے کوئی لہری سم
وجد میں ہیں نہیں آج گرا ہوئے حرم
بے زباں زفر مر سازی کے صبح زفر
تا کہ دکھلائی نہ سے صورت اہل ماتم
چھا گیا گلشن آفاق پہ ہے ابو کرم
کہ جو انان چمن آئیں جو مل کر باہم
زرد جوئے پسنت اپنا دکھانے عالم
سائے گل بھرنے گیں بل بیتاب کا دم
لایا اطلس جو گلخانے تو ہیاں بھلی کم
حکم کرم ہوشیم ہی میں تار ریشم
ڈنگلی پر گن داؤدی کے ہرے ششم
جس کی آگلی میں چھایا گیا سیدنا شاتم
کوش افلاک سے بھرتی ہے سوا گوشم
تو وہ بھرتی ہے ہم آواز شمنائے کام
کہ نہیں بکتا سر بیٹے زمیں اپنا قدم
کہ پر زاد ہے آئی کوئی کرتی جھم جھم
کہ نقادوں سے نام کا میرے چھوٹا حکم

جس کی آگلی میں چھایا گیا سیدنا شاتم

سائے امان نکالوں گا وہ اس شادی میں
چو گھڑے پڑے کے اور سونے کی ٹھیلان نہیں
ہے یہ ملک ویرشاوار گہوش بہت
ہر سو ہے یہ جہن ہے کہ جیسے کوئی شوق
دیکھو نقلوں کو جو چوں یق جہان ہے خلق
ایسے شیریں کہ اگر کے زباں پر ان کو
کروں تحریر جو رنگت کو خاندی کی
ہوئے روشن جو کنول شکل رخ آفتاب
کاغذ زرد کے پھولوں میں گل کترے تھے
نخل آرائش اگر دیکھو تو ایسے دیکھش
بیابا کی شب وہ تھیل تھا کہ اللہ اللہ
سچ کو کرتے ہو نظارہ جاں کی جب سے
دیکھے دور کے نہیں دست خاستہ ہی
منہ پر شاہ کے یوں سرو زراں کی زیب
بنا شاہ زیب فلک سیر پہ دو صابو سوار
وصف میں اس کے پھولوں کی رنگ مطلع میں

اسکے سینہ سے جو پھلنگے آواز دہم
صف بہ صف دیکھ کے انکو یہ پکارا عالم
یا کہ ہنستی ہے خوشی دانت نکالے پیہم
اپنے ابھرے ہوئے پستان پہ چڑھا ہے عزم
کہ بھرے موتیوں سے کیونکہ جاپ لب ییم
وصف شیریں سخن پائے زبان ابکم
شاع گل مدی ہو چو کوئی ابھی سیر اظم
تو لٹیر لپڑھوئیں کی ہوئیں زلفیں پر خم
آگیا تھا گل صد برگ کا پھر کر موسم
نوجوانانِ گلن جیسے بصد ناز و نسیم
کستا تھا دیدہ انجم سے یہ گردوں ہر دم
کبھی یہ جلتے دیکھا نہیں آنکھوں کی نسیم
ورنہ سخی کا ابھی غنچہ کے کمل جانا ہرم
بھٹے خود شید پہ چوں خط شاعی کی جھلم
روز نے صدق کیا اشنے شب نے اور ہم
توسن طبع نے اب تیز نکالا ہے نسیم

یا جسم نہیں لیکن ہے وہ نسل آدم
ہے وہ نسل میں جس میں روشن تر

گدھے گروں میں توقع تو وہی طے ہے عمر
خنے آدم ہے لیکن نہیں نسل آدم
چاہئے اس کو زمیں پر نہ گلیم و نہ گلیم
چھوٹے گچ ستاروں کے کہاں ہیں پیہم

دور دیکھے یہ آگاہ وہ سرسرخ رشتہ دار
ہے تو وہ حور شعاں کی نہیں پر زار و حور
چادر میں بھیجتا متاب کی ہے بسکہ فلک
نور کے قطرے فلک سے ہیں زمیں پر پیہم

سر اٹھایا یہ ہوائی نے ہے آخر کہ ہوا
 نینیاں جھڑی ہیں اس رنگ سے نافرمانی
 ہاتھی لڑتے نہ سمجھنا۔ بل عشرت کے بندہ
 نخل بھولا ہوا دم بھر میں محل آتا ہے
 چھوٹے گھن چکر اس انداز سے کھاکو چکر
 پھولیں کیونکر نہ چمک کر گل آتشباری
 جہاز ابرک کے نہیں چادر مستان کے ہیں
 شجر طور کا جوں وادی اکن میں ہونو
 ہیں جو سرگرمی شادی سے فتنے رکشن
 بانڈھے سوشلہ فتنہ بسد ہر انگشت
 کھولا مصنف۔ تو نہ ہے میں کہ سر لوح دور
 رونمائی پر مکی رنگ سے نہ ہر گانے
 ایسی شادی کے تمہل کو کھکے کیا کوئی
 جی میں ہے تو سن قلم کی عنان پھیر کے ہیں
 جس کے باعث سے منور ہے چراغ خورشید
 اس کے بزم ناری کے نقاد کی اندر کا صدا
 جس کے پوچھو۔ تو اگر ہے کیا لگا کہ بے
 مع میں سکی رقم کہتا ہوں ایک نہ غزل

شعلہ اس کا علم کا ہکشاں کا ہر قسم
 بیسے لکھے ہوں تراشے ہوئے جام نعلیم
 سر کو دو گروہ کے ٹکرایا ہے مانند خنم
 ہے اناروں میں اچھبے کا تماشا عالم
 چرخ میں آیا جیسے دیکھ کے گردوں و زخم
 شعلہ تخی گل کی قلم۔ بنگلی شوبے کی قلم
 جرنل لکھتے ہوئے نخل گلستان ارم
 شمع ابرک کے کنول میں ہے دکھائی عالم
 تاب کیا خانہ بگیتی میں ہے سایہ خنم
 ہنچ شاخوں کو کونوں میں نہ کہنی مست خنم
 اسم عظیم تھا عیان خط شاعری سے رقم
 غیرت از چشم گنہ گنہ تو دیدن مذہم
 دھوم ہے جس کی گئی ہمارے بزم تلام
 مع اکبشہر ثانی کروں پھر زیب رقم
 جس کی دلت سے ہے آراستہ بزم عالم
 از عجم تا ہر عرب اور ز عرب تا ہر عجم
 انت تعریف کو جس کوہ کی لگا کہ خنم
 کہ غزل خواں ہے ہر ایک آج بجان خنم

خو ہے وہ ابر سنا۔ تو ہے وہ دریائے کرم
 جس میں جس فلس کی جاگیر ہے ابھی چہ دم

ملک سودہ کرے ہر زخم پہ کار مرہم
 شعل آہوئے رسیدہ سر سحر آئے عدم

چارہ گر ہو جو ترا لطف تو پھر کیا ہے عجب
 پہنچے ہے بزم حد و دم کے ناک سے تھے

تیرا خنجر ہے تنگ ایسا کہ غرق زہر آب
حق میں ادا کے ترا تیر ہے پیغام نصیب
تو نے دل شیش کا ہرگز نہ توڑے حدیں تنگ
تیرے افسان کا ہر توجہ جو عالم پر محیط
دوبہہ بچہ آہو کے نہ ہوش چو سپریش
گھٹن صبح میں لئے تیرے ترا خون گنا
پر یہ سمجھا کہ ہے جز کرنا وہاں کل پر
یہ دعا کرتا ہے دل سے کہ مبارک ہو تجھے

تیری شمشیر وہ اثر ہے کہ ہے آتش دم
اور تیرا جو ہر شمشیر نصیبائے مہر دم
وہم کھائے کہ کیا اس نے مرے گھر میں غم
تو نہ پایا ہے نہ پائینگے فروغ اہل ستم
ڈالے دشمن کی جگہ اس میں جو یہ ضیغ
خون گل کی جگہ نازہ مضامین کا اشم
کلے اک شہ تری وصف کا لے نیک شہم
شادی وصلت فرزند بعد جاہ و شہم

ہوں شہبازاں میں تھے دست و پل میں عرب
گھر میں حاسد کے دل آشوب رہیں محنت و غم

قصیدہ نمبر ۹

یہ قصیدہ مبارکبادی مرزا سلیم شاہزادہ کی شادی میں لکھا تھا۔ ہندو آزادانہ و فنی طبع و کتب
میں تھا جب طعنہ زدست ہو گیا۔ تو حضرت مرحوم اکثر انکے اشعار پڑھا کرتے تھے جو سنو نے کی کثرت
ذہنی ایک مشقات سے پہلے فرمایا۔ کہ اگر تھاتو اُسے درست کرتے طبع کے عالم حال میں بلند مضامین
ہیں کہ تھے غیر اکثر اشعار اور مطالعہ المیں ہیں۔ ایک قطعہ لکھتے ہیں چنانچہ ۱۲ شعر کا قطعہ لکھا اور مرید
قربان کی کیفیت میں اور نظر مبارک شاہ کو سنایا۔ بعد انتقال کے یہ قصیدہ بھی لکھا۔ شعر لکھ کر یہ تنگ
پہنچا۔ سا دل قصیدہ لکھتا ہوں۔ پھر قطعہ

نہم تیغ اسکو غنیمت ہے کہ دیکھا لب تاں
برقی پر سوز کا لٹھ آئے جو وطن و اماں
دم میں تیغ بست ہو چسپ شہر مہر خشاں
کہ اگر دل کو قرار آئے تو چکر میں صبح جاں

دل کہ اس دہر میں ہے گرسٹ نازتاں
ہوں وہ لب تشنہ کہ میں دامن دریا کھوں
وہ تنگ دل ہوں کہ جس کے نفس سرور آہ
ہیں ہوں وہ شعلہ جزالہ بزم گردوں

میں جنوں بگڑتے ہوں جس کے دم ضد
 چشم سوڑن کے لہو سلسلہ تجسیر کا تم
 ہوں افتاد کہ بہت کہی یاد ہو تو ہو
 ہوں و تصور یہ شخص عالم جس پر
 دل گرفتہ ہوں وہ میں جس میں خدا نام
 ہوں فرسودہ غم جس کے چشم نہیں
 قطرہ شبنم کا ہو گل پر تو مری نظروں میں
 برکت کشت کہ پگانہ ہے سبز جس کے
 غلبہ سبز کے چھپے ہوں میں تلوار کا کھیت
 ہوں وہ خود رفتہ کہ جس عمر طع کر ڈھچھے
 ماہِ خشب کی طبع ہوتا عیاں ہوں سر کوڑ
 ہوں گشتہ کہ گرساقی و ساغر جاہول
 اس گستاں کی دُش پر گل بازی کس میں
 دل نے بیوسے کیا رنگ طلا کا روشن
 میں گردش زدہ دہر ہوں جب کا پس مرگ
 میں وہ بول میں افسانہ جس کے گلوں میں
 انکشاف نہیں ہے مرا آتش یا تو تہ یمن
 دل اڑا ہوا ہے جل جل کے جوین آگ مرا
 طفلِ معصوم کا ہے خواب کی موت و جفا
 وہ سید بخت ہوں میں غاک کے جس کی
 میں بیمار ہوں مایوس شفا جس کے لئے
 آٹھ سا سر مرا مزہ کیستی میں ذرا

ہرین سر سے حوضِ خنکے کھنک ہے سورا
 دلِ محنت زدہ ہے لاغر قناتِ توں
 دستگیر کے عصا مڑا ہو چکاں
 مستلم دو تو کرے کار سنان پکاں
 ایک گڑا ہو تو صد گڑا اندر داماں
 کرتا سر دھن دھر ہے کار سولیاں
 سنگ حسرت ہو کہ رکھتا ہو بڑی نڈیاں
 اور اگر ہے تو ہے آغوشِ زہرِ پاشاں
 آبِ شہیر مجھے دو کہ یہی ہے مری جاں
 حشر بکٹ ہو نہیں تو ممکن نہیں اٹھ کر اُٹھناں
 او ابھی بلِ مرجع دکھو تو عیاں ہوں نیاں
 حلقہ دورِ خلاخن ہو بدستِ دھقاں
 نہ لہو دھو ہوں نہ دھو ہوں دُشِ شلیں
 ترش ہوئی سے تیج زر و چہ میرا ہاں
 سنگِ تقویٰ بھی پتھر میں ہوتا تفساں
 تیغِ قتال ہو دُش کشتی دوا ہو رواں
 گرچہ ہوں اب میں لیکن ہوں ہمیشہ سوزاں
 طائرِ رنگِ حنا بن کے ہوا ہوں پڑاں
 کہ یہی ایک خداں ہے جی ہی ہے گریاں
 ہے سیر کر دیا آئینہ چسپخِ گرواں
 دم جیسے نے کیا کار نفوسِ ثعالب
 دلِ ردا دانہ روئیدہ سے سنگِ گلاب

شیخ جانور سے میری نئے قلیاں کی طرح
 دل ابوس ہر شاکہ رنہ مجھ سے کہ حسد و
 پھر نوکر خیر کہ مرع ہے کس شاہ کا تو
 دشمن شاہ کہ جشن اس کا ہے افلاک کی ہیر
 ماہ گردوں پہ ہے اور آگے زمین کا کتاب
 جس کی یہ مریخ جان بخش ہر اک کو بیان تک
 دیکھتا ہوں کہ سر شاخ شہ کا چشیم
 آج عالم کا ہے مل شاہ کہ جوں مسلم نور
 ماہ و خرم و لقب شاہ حسد اکبر
 دیکھا ہے دولت و صولت کا جو اس کے آقبال
 میں حاضر کے لئے حاضر دربار ہو فوق

کیا مجھ لئے قلم سے جو نکل آئے دھواں
 یوں لگے کہ بیضاۃ کیوں آہ و فغاں
 دیکھ وہ ابر کرم مستلزم جو درواہاں
 ہنستے موش میں تو کرتے ہیں تلے و شاں
 کثرت پیش ہے دریا میں شے و فغاں
 شوق نظاں ہوا عام بگلزار جاں
 رخ تھا گیاں پہ ہے بنا کر کس داں
 جلو گر ہے سرا و رنگ بعد شوکت و شاں
 تلخ شاہان زمانہ حسد سلاطین جاں
 و ہر کرش کا بھی قد ہو گیا خم مشل کماں
 تو ہے خاقانی ہند اور وہ ہے خاقان ناں

اوپر لو آج خلک سے کہ ہے خورشید کماں
 اگر ہے کہ وزن تو آجائے بسوئے میزاں

تیرے جنم کے قبل نے جو رسد شش کیادوں
 آستین زنی ہا سے جو ترا دست کرم
 کہوں ارباب ہم ہوں تری بہت کے غلام
 لگے دریا کے خود کھولے ہے بہانے سول
 سرخوردی تمے حاسد کو بگر خوری ہے
 کاپتے ہیں پٹے بہت سے پنگ او سنگ
 ہے زور رکھتی ہی واسطے ماہی قناب
 تیغ بندی تو کر میں ہے ہر ایک اک ہیر
 کو پریشہ کہیں چھٹے پریشہ ماہی

ہو گیا شمع مرے سینہ میں تار رگ جاں
 ہر شکن سے ہو عیاں بجز ہر گستا
 حق یہی ہے کہ انسان عینک لکھتا
 کہے کس سے کہ پنجہ بھی ہے رکھتا رجاں
 شیر کے ہاں سے ہے تیز تر اس کو گپاں
 بحر و بر پہ ہے تری تیج کی ترش یکساں
 ہنستے جشن ہے نیستان مریج اک شیرزاں
 رکھتا در زیر گیس ہے صفحات صفیاں
 جیسے اپنے تباں ہوئے آئینہ عیساں

تری خبر کو لاشہ پر قدرت سے ہے زور
تیر نادک کو ترے دیکھ کے ہے لوٹ رہا
آتشِ تمہری ہیبت سے تری ناپہنچ
گنبدِ حسین ہوا کلبہ پر دود اُسے
تیر فراں تھا کہ فراں بردت کے سوا
ہوئے نیکو اقبال ترے ناپیدا
ترے منابِ کرم سے جو تیرے مقرر
عدل نے تیرے دکھائے ہیں ہم آتشِ آب
دل انگار کا ہے سو وہ الماسِ سلاج
تیری تاثیرِ محبت نے دیا ہے تیرا ک
اتنی صبح سے کافور کا لیکر مرہم
سرزنشِ عدنے کی تیری بیباک معلم
بے عطف ناخوہیل ہے مگر قیسِ غریب
خسرو تیری توانائی اقبال سے آج
موت کا سلسلہ نقشِ قدم گر ہو کہیں
انگے جلوہ کے ترے پر تو خورشید ہے گرد
اس صورت میں جو ہے پیشِ نظرِ عالمِ نود

میں دل سینوں سے جوں ناخ و دھن میں جس
طائرِ قبلہ نما خاک کر گیا طیسراں
رکھتی شعلہ سے ہے انگشتِ برزخِ دہل
روح کو سینہ حاسد میں سجائے تھکناں
ہووے اک برگ نہ پیدا بگستاخان
کہ چمن میں نہیں آتا ہے گلِ نازبان
پردہِ نور میں ابلا ہے تورِ طوفاں
آبِ آئینہ میں لٹھن ہے رخِ برقی مٹاں
سج ہے گنگِ احت بسیرِ دہم جاں
ور نہ تھا زہرِ دلوں کو خلا سبزِ خواں
رکتنا تھا ہے ہر سینے چاک کتاں
کہ نظر آتا نہیں دشتِ یکا ٹوکا نشاں
نہیں دیتا بد ضیافت سرِ غارِ مژگاں
نا توانوں کو ہوتی دہریں تیا بے توان
اپنے حلقہ میں جکڑ لیتا ہے صدِ میلان
انگے رتبہ کے ترے خاک ہے جرمِ کیاں
اسکو اک مطلعِ سوزوں میں جوں کرتا میلان

گر تری ذات نہ ہو کہ نہ اقبال جاں
آساں ہو کہ نہ چہر چہر کے زمیں کے قراں

موکشاں لال ہے دہر پر ترے سرِ دھن
ایسے نیساں کوہِ آفاق پہ ہنظرِ مٹاں
ملنے العین میں ہو کاہِ ربا کلیرِ قان

ہو رہا صیدِ ساقی تری خورشیدِ کوروز
ہر گاہِ جنتِ عالی کا جواہرِ لاسے
جن کی شادابی گوہر کو اگر دیکھے تو دور

آتشِ قہر غضبِ نیری عیاذ باللہ
 ہے یقین صورتِ نخلِ گلِ تشبازی
 اچھے خاصے شیریں سخن کا تیری
 سخن اہل سخن سب سے حاصل تھے کھنے
 وصفِ شریف تھے توں کا ہر کس طرح رقم
 بازووں کس طرح سے مضمر سوری ہیں
 نظم و حرمتِ نیرِ پیشِ نظر ہیں اس دم
 کہوشِ شنگی اس باویہ پیا کی میں کیا
 نہیں انسان ہے مگر کام ہیں انسانِ سحر
 خسروا سرِ عزتِ رقتا رہو مگر نظر
 جلو گر خانہ بن ہو پھر اس شان سے تو
 "نازیانہ جو لگاؤ سے تو کفل پر اس کے
 ابھی کوٹھے کی صدا کوہ سے پھر کر نچلے
 کیا دکھاؤں تھے افق کی ہندی شاہ
 جہو نہا جھاننا آتا ہے درِ دولت پر
 سمتِ قبلہ پہ ہے ابر آیا سرِ درخشش
 اس کی مستک پہ سپرد و ڈنگا خرطوم
 اندازِ نہیں جنوں تو کسی عموں کی
 اس کے دندان یہ نہیں غصے دیکھا میں نے
 کی کھوئی گے تیرا وصف کہ منہ میں کیجے
 ختم کرتا ہے شاتیری و عابر اب وقت
 تجھ کو یہ جشنِ مبارک ہو ہمد جاہِ جلال

مشغول ہوئے اگر سونے گلستانِ جہاں
 نخلِ خوارہ بھی پانی میں ہے شعلہ شام
 صورتِ سوج میں دریا کے دیا تھا زبان
 دونوں اس کے ملاوت سے ہم تھے چپا
 کہ نظمِ صفحہ کا غد پہ ہے جوں برقِ طپاں
 ترپا تھا ہے کسے جنبش اگر طبعِ ویاں
 طرید سے ہے دل کہیتا گوئے دیو گاہ
 "نازیانہ ہے بکا راس نہ دور کارِ عیاں
 پر نہیں پڑا پری تھے ہے زیادہ پڑاں
 پہلے ہو قاف سے "اقاف سرِ سرِ لیلیں
 بر سرِ دوشِ مبارک سے شعیبِ رحیاں
 اور چپک کر کھلی اڑ جائے وہ بھلی دریاں
 وہ کئی بار بچے ڈن سے سیاں سیاں
 آئے کو توں نظر حجبِ تو حیاں چہ بیاں
 کہتے ہیں ساقی طناز سے ہون تو کشاں
 ختمِ پشمِ آج چلے - جامِ نہ آئیں
 کریں آنکھوں پہ ختمِ قوس قزح کا عزاں
 زلفِ پر نخل ہے دیا کا کل منبرِ انشاں
 کشورِ رنگ میں آئے ہیں فرنگی بچیاں
 پاس آکا ہے جوں شعلہ زبان چہ لڑاں
 کہ بیاں کو میں اب آگے نہیں پائے بیاں
 عقل ہو پیرِ نری بخت رہیں نیرے جوں

صبح حشرن طرب افزا میں ہو دامن خنداں

جو دعاگو ہیں ترے ان کی دعائیں بھی تم عمل

اور رنگ شب ویکور ترے سب بد خواہ
دو بیخیز عالم میں ہوں جوں انبیاں

یہی نقطہ ہے کہ قیصر مذکور کی قطع میں وفات سے ایک سال پہلے تحریر فرمایا۔

خسرو اجلو ترا وہ طرب افزا نے جہاں
حکم نے توجہ شہاد اسطے مستربانی کے
کاؤ گردوں نہ فقط خون سے امن م کپنے
توجہ ہو عائی اسہم تو بہت غا نہ میں
نیر بہ شب روز ترا جلوہ مندر روز
ظہر افشاں ہو اگر تیرا سحاب ہمت
اور گھر بھی ہوں خوش آئینہ نہیں کیے گھر
نطق شیریں تو وہ ہے کہ فحاش میں اس کے
آب دریا میں ہو یہ چویش حلاوت پیدا
اس قطع زتاب فرماں ہے زمانہ تیسرا
ہو کے سر بہر بہار ان کرم سے تیرے
بلکہ حیرت کی نہیں جا کہ سر شاخ خدا نگ
وہ ترا زور نہایت ہے کہ جس کے باعث
ہل سکیں پھر نہ جگہ سے کبھی گر بانہو رکھیں
دیگ مطبخ پر ترے یہ نیک پر غم
پیل تیرا گل ہوسن کا نہا ہے انبار
اُس کی غزلوں کسی دلبر سے ملے دلش کی
اکسوں شوقی جو تھے تو سن جا لاک کی میں

کہ جسے دیکھ کے ہو عید بھی قرباں تریاں
سعد فواج بھی کرے ایسا پھری کو بڑاں
بلکہ ہوزیر زمین گاؤ زمین بھی لرزاں
بت کرے قصد نماز اور کئے ناتواں
مرتاباں کبھی ظاہر ہے کبھی ہے پنہاں
یکے پنجہ میں گھر بھر سے نکلے مرجاں
طوق العین میں ہو کادہ ربا کلیرقاں
تریاں مودہ دریا ہو اگر ایک زماں
لب دریا بھی ہم ہو کئے ہوں نہ چپاں
نہ ہو گلشن میں بھی روئید گل ناتواں
شاخ پر گل ہمیں دہر میں ہو شاخ کہاں
رویش غنچہ گل ہوئے شگفتہ پیکان
ناتواں کو بھی ہو دہر میں یہ تاب توں
ایک تارنگہ مور سے سو پیل دماں
کیا جھپ رت سریش ہو گزقاں افشاں
گل مناب کے گور تہیں اُسکے دندان
جد غنچیں ہے کہ ہے کاکل خنبر افشاں
خیش نامہ میں ہو بیج رم برقی جہاں

سیرِ حاسد کو رکھے صورتِ گوشتِ چوکاں
دلِ حوادث سے رُٹا کئے ہے رینا و نغاں
کیا لکھو تیرے اوصافِ کرامتِ سراں

وقت کا یکے دم معرکہ را کب اُس کا
دل میں ہیں جوشِ منابہنِ نہایت لیکن
فوقِ کرنا ہے ثنا ختم و عاقرِ تیسری

بعد اٹھنے تجھے ۸۰ سال مبارک ہوئے
تجھے ۷۰ ہو سایہ حق اور تیرے سایہ میں رہاں

قصیدہ نمبر ۱۰

جب پہلے پہل شہدِ جبری میں سائیں شاعرِ عیشاہ ولدِ دہلی تھے۔ بیان کیا کہ اورنگ آباد
ہمارے وطن میں سائیں عاشقِ نالِ حشری ایک بزرگ ہیں اُن کے ہم دیکھنے والے ہیں استادِ عجم
کی خوش افتاد ہی نے جس ایک قصیدہ لکھا تھا۔ اور تعجب کہ اُن کے پاس مستودہ بھی نہ رہا
تھا۔ کوئی کوئی شعر سنایا کرتے تھے۔ سائیں شاعرِ عیشاہ اندونوں ایک سید بزرگوار کے گھر
میں آئے تھے۔ خدا کی قدرت ۲۰ برس کے بعد اُس گھر میں کوئی بھی نہ رہا۔ مگر ایک
پاکیزہ نفس۔ پاکدامن۔ اہلِ شہد۔ بی بی۔ میں کبھی کبھی اُن کی سلام کو جایا کرتا تھا۔ ایک دن
اُنہوں نے مجھے ایک بہتہ اجزا کا دیا کہ یہ سائیں چھڑ گئے تھے۔ اُن میں دیکھوں تو
قصیدہ مذکور ہے۔ جو استادِ عجم نے اورنگ آباد بھیجے کو اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔
آج اس کی تحریر کو پورے ساٹھ برس اور کئی بیٹے ہوئے۔ بیچ تو گیا ہے۔ اللہ شہرت
حام اور بقائے نام نصیب کرے۔ اصل سے نقل ہوتی ہے +
پیشانی پر یہ عبارت لکھی تھی :-

قصیدہ درج ذیلہ العارفین قدوة السالکین حضرت سید عاشقِ نالِ حشری اوامِ شہدِ بکاہم
ہے ابر و درخشاں وہ چین میں کمال کے
یہ بڑی درندہوں میں خوشیڈ ماہ اگر
اُس کی لگے سے گر جگر رنگ پائے رنگ
عاشقِ نالِ حشری ہوں عاشقِ نالِ کمال کے
روشن ہیں دونوں نور سے اس کے جلال کے
بہرِ جانیں پل میں مل سے دامنِ خیال کے

ہے جسے اس کے سامنے کشتی بکھن گدا
 ہیں اس کے در کے خاک نشینوں کے دل میں
 دنیا نے خاکداری اُسے دی ہے قدر میں
 ہو اس کا حکم عام جو بر منع انقطاع
 دل جس کا اس کے زور حمایت ہے تو کیا
 رستہ جو اس کی وادی حق میں کرے منظور
 اس کی شہریم خلق معطر کرے جو گل
 خوشبو سے اس کی فیض کے ہوتا ہے مشکبو
 کیا اب رات دن میں تفسیر ہو بال ہر
 ہو مشکر ثنا سے اگر اس کی کامیاب
 طائر بھی اس کے ذکر سے ہیں سرخرو ہوئے
 آپ گھر میں ہوئے رواں کشتی گدا
 ہی چاہتا ہے ہو کے مخاطب بیاں کر دں
 اے سید جلال کے خورشید پر جلال
 تو شمع بزم خاص کہ پیدا کیا ہے تجھے
 گردل بھی پست ہو کے ہو اغویں فعل
 انجم نہیں ہیں کہتے سب ختم جان کے
 اے شاعر زانہ تصدق ہو پیل سپر
 دیکھا جو تیرے فیض کو جاری تو رہ گیا
 جن ل پہ تو نگاہ کرے اس کے سامنے
 ہے گرچہ تو جنوب میں لیکن ترا جمال
 سنتے ہیں جاں نثاروں کی جب تیرے ذکر خیر

پھر تصدق ہے کھوئے ہو سب مال کے
 خواہاں تو ملک کے پیش جواں ہیں مال کے
 مٹی خیسریہ ہے گھر میں نکال کے
 رہ جائے آرزو جو پڑ دغاں نکال کے
 ویر زال مجھے ہیں رستم کے زال کے
 جانیٹے چمپ کے شہر بھی عمر خوش حال کے
 لے لیکے سونگھیں اہل چین پورٹاں ہاں کے
 ہے وہ جو خون جام میں مانو خزاں کے
 وہ لائے گزرا نہ میں دن اعتدال کے
 لب بند ہوں مطلق شیریں مقال کے
 نکلے ہے پیر پیر صدا سننے سے لال کے
 دست کرم سے اس شہر دریا نوال کے
 اوصاف ایسے شاہ کرامت خصال کے
 قربان جلیے تو سے جاہ و جلال کے
 صانع نے اپنے نور کے سلجھنے مقال کے
 رتبہ کو دیکھا جب سے اوج کمال کے
 قطرے جبین پہ ہیں عرق افعال کے
 قطریں عشق میں تو سے گھوٹے کیال کے
 دریا بھی مژدہ بنو کے گریاں ہیں مال کے
 جام چلن نا ہے برابر مصال کے
 روشن ہو اکمال سے قطب شمال کے
 کو یا ازاں کو سنتے ہیں منہ سے ہلال کے

مشتاق روزہ دار کھڑے ہیں ہال کے
ہر ہفتہ ماہ و ماہ برابر ہے سال کے
جیسے طیر تازہ گرفتار ہال کے
مڑنگاں سے دونو بازوں پر پکال کے
دھو دھو کے پاؤں چھپے پیک خیال کے
ہو حال پر نگاہ اس آشفتہ حال کے
آجائے سمت اوج پہ گھر سے وبال کے
جھوکو میں آگیا ہے سہم لال کے
ایمان اسکے ساتھ ہر وقت انتقال کے

سزا قدم ہیں شوق ترے طالبِ حال
ساعت بقدر روز ہے اور روز ہفتہ
یتاب اس طرح ہیں تمہے اشتیاقِ سند
میخِ فکر کے ساتھ آڑا پا ہوتا ہے دل
جاتا ہے دوڑ دوڑ کے ہر دم تری طرف
شامیہ تیرا ذوق ہے اتید وارِ لطف
تا جلد اس کا کوب طالع پئے عروج
کرمے بہارِ نام سے اپنے اسے خیال
دنیا میں زندگی کو سے آرام سے بسر

کھلے ہر صبح حشر تو رنگ اس کا جو شفق
ہو سوخِ دوستی سے تختہ کی آل کے

بقلم مصنف عقیدت کیش صداقت اندیش - سراپا شوق شیخ ابراہیم قسطن - برائے
نذر جناب فیضیاب - گلشنِ فضل و کمال - حضرت سید عاشق خاں حقیقی تاجِ پنج چار دم
جمادی اول روزِ پنجشنبہ ۱۳۴۵ ہجری قمری مطابق ۲۴ - اکبر شاہی در قلعہ
شاہجاں آباد - مع گرفتار افتد زبہ عز و شرف -

قصیدہ نمبر
در مدح ابو ظفر بجا و شاہ مرحوم

استاد مرحوم جن کی مبارکباد کے لئے کئی دن سے قصیدہ مرقوم الذیل لکھ رہے تھے
بعد شام صاف کوٹنے بیٹھے کہ صبح دربار میں پڑھینگے - چند شعر لکھے تھے - جو
مرزا علی عرض یگی کا آدمی آیا اور کہا مرزا صاحب نے آدابِ عرض کیا ہے - (اور آہستہ سے

کا) اسی وقت بیگم صاحب کا حکم پہنچا ہے۔ کہ کل استاد قصیدہ سنائیں تو دربار کی مٹی ان کے شعروں پر تعریف نگرے۔ آپ کو خیال ہے۔ اُستاد نے کہا بہت خوب بیگم طرف سے امنیں دھاکنا۔

وہ شخص رخصت ہوا۔ آپ تھوڑی دیر خاموش سوچتے رہے۔ اور ایک دم گرم بھر کر کہا۔ اس بیگم کو کیا ہو گیا ہے؟ خدائی کے منہ بند کرتی ہے؟ میں جب قصیدہ پڑھونگا تو دوجان خاص کے درو دیوار سے واہ والونگا۔ یہ کہا اور پھر لکھنے لگے۔ رات کے دو بجے تک قصیدہ صاف کر لیا۔

صبح کو دربار میں حاضر ہوئے۔ وقت عین پرایا ہوا۔ کہ اُستاد اپنا قصیدہ عرض کریں۔ انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ مگر دیکھتے ہیں کہ تمام دربار دم بخود مٹی شعروں پر گئے۔ سب صدم و غم جب سنا تو اس شعر ڈچھا۔ تو بادشاہ نے اشارہ کیا آگے آؤ۔ آؤ آگے آؤ۔ پاس پہنچے تو اشارہ کیا۔ کہ سر جھکاؤ۔ اور ہاتھ پھیلا کر گلے لگالید۔ پھر کہا ہوں؟ (یعنی پھر چھو) پھر جوڑے گئے۔ کچے دہن بند کھل گئے تھے۔ خوب تعریفیں ہوئیں۔ بیگم نے بھی سنا۔ کلیجہ موس کو رگڑیں۔ ^{۱۹} شاعر میں لکھا تھا۔

پانے فروغ صبح نہ بے نور آفتاب
کر خوب میکش کر یہ ہے سیر ماہتاب
یہ برف وہ نہیں جیسے رکھیں سندس داب
تعمیر بے بنا ہے یہ اور خیر بے طناب

پیری میں پر ضرور ہے جام شراب
تائب ہو تو اس سے کہ وار بھی ہوئی مفید
ہے پیرل خشک کی ہوا پر بقا سے عمر
ہستی کا اپنے کر نہ بھرو ساجباب وار

لے۔ بیگم نے رات کو بیٹھ کر بیگم صاحب کے نام کو دی تھی۔ اور ان کی طرف سے محبوب خواجہ سرا کی دربار اور کاروبار کا انتظام کرتا تھا۔ لیلیٰ اسمیں کے پاس بیٹھ جاتیں۔ وہ بیگم نے سے لی تھیں۔ اس لئے اسے بہت خطر تھا۔ کہ شاہ بادشاہ کی سفارش کریں۔ بادشاہ کے پاس گئے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ اُستاد کی بات کا بہت بھلا کرتے تھے۔ مگر اُستاد کے نہ پنے نہ بہر غلط رسوم کی سفارش میں کہ نہیں کیا۔ بیگم کی شکایت کی۔ بلکہ حق یہ ہے کہ کسی کی شکایت سے بیگم کی اُمداد نہیں کی۔ ان کا قول تھا کہ زبان پر بیعت ہے اسے عیب ہے آلودہ کرا بھی بات نہیں ۱۹

آئی ہے جب سے قاب خاکِ مری جا
جو دم نہ سے گزیرے غنیمت بکھ کر روز
ہر بازی فلک پہ تو روزِ روز کر
حاصل ہے کیا ہنر سے دلائل کو دیکھ
گر ہو سکے تو خاک و رسیں کہ ہو تو
آسودگانِ پنج حسرات کے لئے
یا تک ہیں بلیغ نہ بویں گئے نہ سے و
رکنا چرخِ اہل سعادت کو مذاق
دیکھے جاں کو دیخِ عبرت سے تو اگر
ساقی جو کھجکھو صحنِ جنایت سے جامِ مے
گر بے حساب جام پہ جام آئیں تیرے
ستی میں ایسا مطلع تازہ کوئی سنا

غافل پئے سفر ہے اسی دن سے ہزار
گردش ہے آسمان کو زمانہ کو انقلاب
رکھ آفتابِ گنجے چہ سال کا حساب
جو ہر سے دل میں رکھنا ہے کنجِ پیچ و تاب
ان خاکدہاں میں تانہ ہو تھی تری خراب
جانا بہشت تک بھی ہے دوزخ کا اک خفا
دیگا جواب نامہ نکیرین کو جواب
گذران ہے ہاکی سپر روز کی کلاب
جامِ جاں نما ہے ہر اک کا یہ جواب
لے اور لگا کے نگھو پی جائے شباب
روزِ حساب تک تو پئے جا علی الحساب
جامی بھی لکھے دل پہ جسے کر کے انتخاب

گھٹن کو جسے جو گریہ متا نہ میرا آب
بجنوں سے بلبوں کے ہو پیدا بوطِ شراب

گھٹن نشہ نے گھٹوں پہ ہو مرا
ستی مری سکھائے اگر جھوٹے کی طرز
بہوشید میں ہیں مری وہ گرم جوشیاں
جاگ آئیں وہ جو خوابِ عدم میں ہیں ہوشند
نہ پر دئے فلک کو اشادوں اک آن میں
ہو وہ صوابدہِ فلاطوں میں غمِ نشیں
یہ ذہن کو ہے عالمِ سستی میں روشنی
ہر روز جامِ باقِ روشن کا جھکھو شغل

پاؤں آسمان روشن حلقہ رکاب
ٹپکے ہمیشہ ابر سے سستی بجا آب
ہوتے ہیں جس سے طائر ہوشِ خرد و کباب
غفلت میں غرطبہ ہو میری صفیہ خواب
ہو جانوں میں جو عالمِ سستی میں ہے حجاب
کہ بیشوں گرنش میں کوئی حرفِ ناموسا
خیرتِ غم ہے حکمتِ اشراق کی کتاب
ہے شغلِ آئینہ و شغلِ آفتاب

پر پیر میرا ہے کہ تقویٰ سے ہے گریز
لیکن ہے ابر رحمت باری سے درخشاں
طالع ہوں میں اُس کا کہ ہے جس کے دور میں
پیر فلک بنے ہے جو ان سیماست
مانند زان آہو اگر جام میں ہو خوں
اُس شاہ کے نم کرم و ہوئے خلق سے
وہ بادشاہ جس کا ہوا ورشہ اسم پاک
غلل اللہ خسرو و دیندار - دیں سپاہ
تیغ اُس کی وہ ظفر دم و نصرت اثر کہ ہے
روشن دلی سے اُس کی عدد تیر و جنت ہے

بوغیر جان کا نہرِ نعمت کے واسطے
ہے ابر میں بھی برق کا شعلہ مگر نہیں
کج خلقی اس کی طبع رواں میں نہیں ذرا
پڑھنا ہوں میں وہ مطلع روشن حضور میں

تقویٰ ہے میرا یہ کہ ہے توبہ سے اجتناب
والہن تر مرا روکش دین حساب
شیب زمانہ کے لئے کیفیت شباب
پیش شعاع ہر پہ ہے ابر سے خضاب
اُس کی شیم فیض سے ہو جائے مشکناں
ہر خار بن ہو ہر سر فتادہ گلاب
ہے درجک زمانہ کا یکتا و در خوش آب
شاہ بلند جاہ - و خدیو فلک جناب
گنج ہزار فتح کے منتاح مستح باب
دروسیاہ کار کو آفت ہے مہتاب

مطلع میں اُس کے پشہ نمود ہر زمانہ
اُس میں دم و نور عطا گرمی حباب
دیلئے سچ زن کو ہزاروں ہیں بیچ جناب
جس کا نوحے مطلع خورشید بھی جوا

شاہ تو وہ ہے نورِ عجبم کہ آفتاب
کرتا ہے نور کو ترے سایہ سے کنتاب

نور تیری جتنے غضب برق کفر سوار
جو ہر تیری تیغ کے دکھلائے ہے تضار
ارشہ سے پاسداری اسلام و پاس شمع
انگور زخم دل پہ نہ بدخواہ کے بندھے
کیسا ہی ہے پرست ہو مانند چشم یار
بلکہ نہ لے دعاء قیغ کا بھی منہ سے نام

جس کی آنچ آتش و نور کا اتھاب
سرکش کو لکھکے حرف بحرف آیت عذاب
اللہ سے تری مصلحت اللہ سے احتساب
اس خوف سے کہ ہوتی ہے انگوڑ کی شہزاد
مقدور کیا کرے قیغ سے کا اڑکاب
بالغرض گرد ہی ہو دعاؤں میں ستجباب

شاہ تری حمایت و دولت کے سایہ میں
 کرتا ہے روز شب کو برائے شمشا
 خود شیر چیخ پہ جو کھینچتا ہے تیغ
 کہنے تو تیرے محکم شیریں کو شمد کیا
 چلا کی ہے ڈتوس میں چلاک میں ترے
 کا حصے میں ہوں جیسے کہ طائوس وقت قرض
 ہم کاٹے ایک ذرا سر سیداں جو تو اسے
 کرتا ہے یوں ثنا کو عا پر آب غنیمت
 تاجید و عید گاہ ہو اور خطبہ و مناز

کھنکھاتے گلاب بانہے رشک ہا غراب
 تعمیل عدل سے تری میزائیں آفتاب
 چاہے ہے شیر جنگ یہ تجھ سے مگر خطا
 یہ شیر بہت خضر ہے شہاؤ تفتے و باب
 شوخی ہے چشم یار میں عاشق میں اضطراب
 اڑنے میں ہوں وہ جیسے کہ پرواز میں غلاب
 بنے پر ہو اپہ جائے وہ جون نکل شہاب
 یارب دعاؤ و ذوق ہو منتہوان استجاب
 تا خطبہ و نماز سے منظور ہو ثواب

ہر سال گجک و عید ہونے کی بجائے
 ناکام ہوں عداوت سے اور دوست کیساتھ

قصیدہ نمبر ۱۲
 در مع ابو ظہیر در راہ حرم

سادن میں دیا پھر مر شوال و کھائی
 کرتا ہے ہلال ابرہ نے چرخ سے اشاد
 ہے عکس مگن جام بلوریں سے
 کونٹے ہے جو بھلی تو یہ سو جگہ ہے نشیں
 یہ جوش ہے باران کا کہ افلاک کے نیچے
 پتیا گلب لنگر بارں سے ہے یہ زور
 ہوتی زخم خاں پہ لب جو تبسم

برسات میں عید آئی قلع کش کی بنائی
 ساقی کو کہ بھر بادہ سے کشتی سلائی
 کس رنگ سے ہوں تھو دیکش کے خانی
 ساقی نے ہے آتش سے نئے تیز زانی
 ہووے دمیسز کردہ تاری و مائی
 مرنا کی ہے دشت میں دیا پہ چڑھائی
 تالاب سمندر کو کرے چشم نمائی

ہے کثرتِ باراں سے ہوتی عالمِ سُرخی
سُرخی حاسپنچے ہے عاشق کے جگر تک
عالمِ یہ ہوا کا ہے کوا تاشیر ہوا سے
کیا صوف ہوا ہے طرب و عیش سے عالم
خالی نہیں مے سے روش وادِ اگھور
جو آئینہ دل ہے وہ عاشق کی عین میں
کرتی ہے صبا آکے کہیں مشکِ خسانی
نقا سوز نئے خار کا صحرا میں جاں فرش
آرائشِ گلشن کے لئے جامدِ رنگیں
ہے نرگس شملانے دیا آنکھ میں کجسل
ابرو پہ کرے قوس قزح و سر تو خورشید
خدا و پھولیں کا ہے سُرخی سے یہ عالم
کیا ساغرِ رنگیں کو کیا جسلدہیتا
ہوتی متعل نہیں اک ساغرِ گل کی
اعجازِ نوا سبھی مطہر سے جہن میں
حیثیت کی نہیں جانے کو دیو ارچمن پر
شاد اترے جلو سے ہے یہ عید کو رونق
سمتے ہیں مرنو سے ابرو نے وہ تیری
بدلو سے تیرے جامِ شے عیشِ سحر بزم
جیکے لپ ساغر سے وہ قطرِ کزوبی شکل
کیا علم سائے ترا سینہ میں فلک کے
پرستاروں نے سامنے وہ مطلعِ مودوں

کافور کی تاثیر گئی جو زمین پانی ۔
مستحقِ کاکر اٹھیں ہے دستِ خانی
گردوں پہ ہے خورشید کا بھی بیڑ ہوائی
ہے در میں بھی سبقِ صرفِ ہوائی
زاد کا بھی ہر وادِ قلیعِ ریائی
گو یا کہ ہے سینے کے سنے کاہِ پائی
کرتی ہے نسیم آکے کہیں خلسہ سانی
سبزہ نے ویاں نخل خوش رنگ بچھانی
زیبا نشِ غنچہ کے لئے تنگِ بھائی
برگِ گل سوسن نے طرہ لبِ چھائی
سُرخی شفق سے کہے ریشِ اپنی خانی
جو وقتِ غضب چہرہ ترکانِ خطائی
نرگس نے تو سرسوں ہی بغیل پہ چھائی
شیخِ عملِ حیر کی نزاکت سے کھائی
ہر خار کی ہے نوکِ زبانِ شعروائی
ہر طائرِ تصور کرے نغمہ سرائی
عالم نے تجھے دیکھ کے ہے عیدِ منائی
کی آئینہ چسپو میں ہے عکسِ خانی
مے ساغرِ جمید کرے کارِ روائی
ہو مثلِ فلک جس میں تاشانیِ خدائی
دریا کی کہاں ہو سکے کا سہ میں ہائی
آخستہ کہیں سن کے بہائیِ وٹائی

یوں کرسی زور پر ہے تری جلوہ منائی
جس طرح کہ مصحف ہو سرِ حلِ طلائی

ہے بھر بھی کشتی کبوت الہی سرِ گدائی
رہزن ہی اگر ہو تو کرے راہنمائی
دشمن کی تری ہو نہ کبھی عقدہ کشائی
گر چہ سچ کرے وہ کی ترے ناہیہ سائی
کرتا ہے کتبِ آئینہ اجازت سائی
ہے شترِ چرخ کی کہا نیک کسائی
گر سرِ ہنوا ہوئے تو تیسرے ہوئی
بر فیضِ رساں جب تھے باطن کی صفائی
ہر بت میں کرے صورتِ حق جلوہ نائی
قرآنِ غزل کی ترے دیوین شنائی
پروانہ کو بھی شمع نے اٹھل نہ لگائی
خویریز کو جو حمد میں تیرے نہ رائی
ہے ذہنِ رسا کو یہ کہاں اس کی سائی
تو سندِ شاہی پر کرے جلوہ منائی

رکتا ہے تورہ دستِ مخا سنے جسکے
گرو کو ہدایت جو ترے راہ پہ لاوے
تانا بچش شیر نہ ہوناخنِ تدریس
خوشید سے انزو ہوشاں ہو کاروشن
عکسِ رخ روشن سے ترے جوں یہ دنیا
کرتا ہے تیری نذرِ سدا نقدِ سعادت
ایک رخ ہوا کیا ہے کہ سچ پچھوڑے
ہر کوہ اگر کوہِ صفا ہو تو مجھ کیسا
ہو جو صفا ایسی دلِ سنگِ منم میں
ہر شعیرِ غزل میں ترے معنی شفا ہیں
ماضی جو ہوا دستِ ورازی کترِ اصل
نوحیہ میں جو ہر کسے رہی تیغِ ہمیشہ
دیتا ہے دعا و قوت کہ مضمونِ شفا میں
ہر سال شہا ہووے مبارک یہ غنچہ عید

مقیہ مذہب اکبر شاہانی کی جہیز مگر نظر ثانی بند پائی

ظاہر میں تو ظلی خدا باطن میں تو نورِ خدا
روئے مقدس کو تجھے جس نے کہ دیکھا یہ کہا

شاہِ ایمان جس کی تیرے گفتوں میں صفت کیا
جلوہ ترے دیدار کا ہے اس قدر حیرت فزا

صلی علیٰ الصلوٰۃ علیٰ علیٰ صلی علیٰ

جس کی پہنچ روشنی ہے تاجِ کلمے پہنچا

انوارِ عرفاں سے ترا سینہ ہوا ایسا کسما

خود شیدہ کو روہ و تیرے کماں مقدور دلائل کرتے ہیں دونو روز و شب اگر ترے دیکھا ہوا

اے قبلہ روشن دلاں اے کعبہ اہل صفا

ہے تیری خرد و فز ہی فر فریہ دلکش نشان نصرت کو تیری دیکھ کر کسریٰ کی بھی خوشنشان
تو وہ سکندر قد رہے اے نیر شاہن جہاں تیرے نصیر پاک کو پہنچے ہے جام جم کماں

وہ جام ہے گیتی نمایہ آئینہ ہے حق بنا

تیری بار لطف سے ہر وقت ہے رشک چمن پیدا ہوں خار شک میں گھمائے سر سمن
تیرے سماں فیض سے اے خلق بیت ذوالنن جن جا کر سوچے رنگ ہو بھر دامن ہو مع زین

اور دامن ہر سوچ میں لاکھوں ہوں تہلے ہا

اللہ سے دریا ولی تیری دم جو دو کرم ہے قل ہی ل شاہنشا تو سر سے ایک تاقدم
آگے تر کشش کے ہے دریا کہیں نہ میں کم تو بخندے اک آن میں سو گنج دنیا رو دم

پوسہ بھی بیگنا نہیں مہ نفس ماہی کے سوا

جس پر عینیت ہو تری اس کو نہیں بدلے زہ جس کا کہ حامی تو ہو۔ کیوں اس کی شکست ہو کر
اللہ نے تجھ کو کیا بیجا رگاں کا چارہ گر اے خسرو والا اگر تیرے لطف کی نظر

ہے غفلتوں کو گھبرا۔ ٹوٹے دلوں کو مویا

تیری شنا کہ ہے سکے اے خسرو والا نگاہ اب دعا ہے توفیق کی حق میں سے شام و چا
جب تک نہیں ہے فلک اندر میں فلک پر مہناہ فسخ بیستہ عید ہو تجھ کو شہا با عز و جاہ

بدخواہ تیرا ہو سدا رنج و الم میں مبتلا

الحسین

قصیدہ نمبر ۱۲

مرزا ابو ظفر بہادر شاہ نے عالم دیوبندی میں بیاری کے بعد غسلِ صحت کیا تھا۔ اس کی مبارک بادیں استاد مرحوم نے یہ قصیدہ لکھا تھا۔ عالمِ شباب کا کلام ہے۔

واہ واہ کیا مستمل ہے فطخِ عالم میں ہوا
بھرتی ہے کیا کیا سیجائی کا دم باوہار
ہے گلوں کے حق میں شبنمِ معجمِ خرمِ جگر
ہو گیا موقوف یہ سودا کا بالکل حشراف
ہو گیا زائل مزاج دہرے یا تنک جنوں
ہوتا ہے لطیف ہوا سے اس قدر پیدا ہو
پائی یہ اصلاحِ صفرانے کو دنیا میں کیس
ہر مزاجِ بلغمی میں ہوتی ہے تولیدِ جنوں
نام کو اشیاء میں تخلی رہی نہ سمیت
کیا عجب جدوار کی تاثیر گر کے زقوم
نیش کی جانوش ہو خبسالہ زبور میں
راحت و آرام کا اس دور میں ہے دورِ دو
موتیا بند آنکھ میں اپنی جو رکھتی ہے سند
آگیا اصلاح پر ایسا زمانے کا مزاج
نسخہ پر لکھنے نہیں پاتا ہر انشائیٰ طبیب
فرق چاہا یا تنکِ صفا بدن سے درونے
لاغروں کو ہو کمالِ نابِ طاقتِ شباب
صبح صادق کے ہے گو سر پر سیدی گئی

خشنِ جنس صاحبِ صحت ہے ہر صبح صبا
ہن گیا گھڑاِ عالمِ رشکِ سدو اثرِ شفا
شاخِ شکستہ کو ہے باراں کا قطرہِ مریا
لالہ بے شاخ سید پلنے لگا نشو و نما
بید مجنوں کا بھی صحرائیں نہیں باقی پنا
برگ میں ہر نخل کی سرفی ہے جونِ گلِ خفا
زرد چشمِ اپنے کھینے کو بھی نہیں ہے کمر
چاندنی کا پھول ہو گرا غوانی ہے عجب
جگنی تریاکِ افیون زہرِ میضا ہو گیا
کیا عجب گر آپ غفلِ دہیے شربت کا مزا
کام میں نفی کے جو محسوس ہو جگا آجلا
چاہئے واقعہ نہ ہو دورانِ سحرِ آسیا
ابے کھے ہے رشقی شعلِ اہلِ صفا
تنازلِ خام بھی آنا نہیں صرفِ دوا
کتنا ہے بیاریس کر مجھ کو بالکل ہے شفا
ور د کے جو حرف ہیں آپ ہی ہیں بے جلا
کیسے دوسرے حال اک شب میں جگرِ آجلا
لیکن بچری میں بھی ملوق ہے ایسی ہوتا

جھوک کی شدت سے اُس کو کتنی نصرت ہو
رات بھر شور مچا کیا انہم کلا انہی سپر
بہنسی یہ تفتیح کی نوبت کو نوبت خانہ میں
کو کس چولا ہے خوشی سے نغمہ کا کیا خل ہے
ہنسم کا لہ اس قدر معذرت نے پہنچایا بہم
ہے مزاج اہل عالم یہ قریب امتداد
رکھیں گے تعویذ اور گنڈا کوئی کیوں اپنے پاس
دیکھا طائوس اپنے بال پر سے سامنے نقش و صورت
اس قدر جاتی رہی عالم سے جاری کر آج
و آہی کس طرح سے صحت نہ اک عالم کو ہو
وہ دلچسپ رہاں مرزا محمّد بو علف
تصویر کا پاڑ ہو عام جو ہیں برگ زر
شادی صحت کے آس کے آج ہو کر سدا و نوا
میں بھی اس رنگ پر جن محفل میں غلطی ہو

قرص سے غور شد کی جیت بکھٹ کر لے لیا
پھر جو دیکھا صبح کو مصلحت کم میں کچھ تھا
لیتی ہے جی کھول کر کیا کیا نکالیں کرنا
جوں جابا بس کی نہیں طلق شکم میں مٹلا
جیتہ لکھو س ہے جو خلق سے آتری غذا
ساتوں قلمیں میں گویا اب بچھا استوا
بانج عالم میں ہی عالم جو صحت کا رہا
پھینک دی توڑ کر گنڈا گلے سے خاشا
ہام گلشن میں نہیں ہے زگرہں بیار کا
جیکہ ہو اُس کی نوید غسل صحت جاں فرما
اس کی توت گر مضبوطی کو بنا دے قویا
ہوں مقوی لہ جاں شیل اوراق طلا
تفتیت خالی میں ہیں سرگرم بٹ حیات
بلبل تصور پر سنکر بول اٹھے مرجا

مطلع

آج ہے عالم میں روزِ سعادت اتمام
دے اگر ناز و غنم جیتہ تو پیدا ہو

مژدہ جاں بخش صحت تیرا مارا بکھات
ہے بقا عمر سے تیری بقا حسیں
قطرہ افشانی سے آپ غسل صحت کے تیرے
ہوئیں استعمال یا قوتی میں وہ مہوتی اگر
جسم کو دل کے دھوا تو نے جہدم تو غسل
دل صحت سے سنگدل کا تھا شفا سے جو سخت

جسے جو کباب کشتہ مردہ دل زندہ ہوا
ذات ہے تیری جاں میں چپہ آپ بقاء
ہوں دُروغش آپ پیدا اس قدر توت فرا
نخشہ پیران کمن کو نو جوانوں کے قوا
گر دیکھت کو دل عالم سے گویا دھوڑا
زیر پا پا مال ہوتا غبار رنگ سنگ پا

خود وکل کو جلالی تصدیق کے لئے
شادی صحت کا تیری کیا کلو حاکم کہ آج
پھیرے تار شمع کو گرنا منج نسیم
لب پہ ساغر کے ہے جوں موج ہم موج نے
برہم تصویرت فانوس خیالی کی طسوج
کر رہا صحن چمن ہی میں ہے کیا طائرین قص
خانقا چشم میں بھی پتلیوں کا قص ہے
چھوٹی آتش بازی ایسی جسکی کلکاری کو دیکھ
صنع آتش باز پر حیرت زدہ ہوتی ہے عقل
ہو گئی تا طیر جس کی یہ کہ ہر گلریز سے
منج چھٹے تھے تار و کسے عجائب از سے
نزد ہے کیا جو رنگ سے موتا بکے ہنر تاب ہو
برج جواز کہ ہوئے تبدیل شب زیر فلک
فی الحقیقت یہ شادی ہے کہ ہر رو بہ
ہے زبان غار عاجسہ آگے بر تعریف میں
رکے صحت سے ہمیشہ شافی مطلق تجھے

مے گیا ابر باری نذر و تر بے ہوا
جوش عشرت سے عالم بن گیا عشرت سرا
بزم میں پیدا ہوا ساز مطرب کی صدا
شوکل لب پہ مینا سے نئے کے قہقا
حلقہ مرغا سکاں ہے زیر گردن جا بجا
آشیانہ میں ہے قصاں طائر قبل نما
ہے جو منظر نظر سب کو تماشا رقص کا
رات کو کہتے تھے آپس میں تریا و صدا
سنگ پار سے گئیں باروت کو سیاتھا کیا
ریزہ فرلا دیکھنے جکے گلہائے طلا
ماہ پاروں کا تھا گویا خند و نال منا
خانو سے چپ سے چکے رنگ سوچ رہا تھا
برج تھے جتنے فلک پر سب کو روشن کیا
جشن جمشیدی کا کچھ مطلق نہیں رہتا
ذوق کتا ہے آٹھا کہ ذوق میں ست و عا
جو تر سے بدخواہ ہوں وہ منج میں جس مبتلا

قصیدہ نمبر ۵۱

اس قصیدہ پر علامہ غلامت معمولی کے ایک گانہ جاگیر میں عطا ہوا تھا۔

نشہ علم میں سرست غرور و نخوت
تھا تصور مرا ہر امر میں تصدیق مصنف
تھا مرا ذہن نہ محتاج حصول صورت

شب کو میں اپنے سر بہتر خواب راحت
منے لیتا تھا بڑا علم و عمل کے اپنے
ہو گیا علم حصول تھا حضور ہی مجھ کو

جو مسائل نظری تھے وہ بدیہی تھے تمام
 نہ غرض مجھ کو نتیجہ سے نہ تھا شکل سے کام
 ذہن میں سب بیکر حاضر محسوس سیلیہ
 چارونا چارو جو ترغیب سے یارو کی کبھی
 کبھی بہت تھی مری قاعدہ صرف میں نہ
 کبھی منطق کو تفوق یہ مرے نا لحاظ سے
 کبھی میں کرتا تھا تیسرے معانی و دیاں
 کبھی تقسیم فرائض کبھی تخصیص اصول
 کبھی تھا علم الہی کی طرف ذہن رسا
 کبھی تھا عقل پر مذہب مرا مانند حکیم
 کبھی کرتا تھا قاعدہ جمہور کا ثابت بجات
 کبھی انکار دنیا مست پر میں لانا تھا دلیل
 حشر ارباب میں تھا گاہ تر و درمچہ کو
 کبھی تھی عرصہ تدویر فلک کی مجھ بے سر
 کبھی ثابت مرے نزدیک ملک کی گوش
 کبھی میں کرتا تھا اعراض میں جو ہر قائم
 کبھی معقول پر ثل کبھی سوئے معقول
 کبھی میں حفظ قرآن بطلم تفسیر
 کبھی کرتا تھا مجملی پر حواشی خسیر
 کبھی میں کرتا تھا قانون سے تشریح علاج
 کبھی میں لڑن سے جیندہ بیمار و صبیح
 گونا گونا کی آگاہ میں کیفیت سے

عقل کو نخرہ کی اتنی ہوتی تھی کثرت
 غنی مری فکر کو ہر شکل خطا سے عصمت
 پر جتنائی مجھے منظور نہ تھی مسکیت
 درس تدبیر پر آجاتی تھی مجھ کو رغبت
 کبھی تھی غموں میں ہر نحو مجھے محبوبیت
 تحت حکمت ہو پر فن گرچہ ہے تجلیات
 کبھی میں کرتا تھا توضیح نجوم و ہیئت
 کبھی تعلیم عقائد کجتاب و سنت
 کبھی کرتی تھی طبعی میں طبیعت جودت
 کبھی مثل مشکلم مجھے پاس ملت
 اور کبھی کرتا تھا باطل بسا افسقت
 کبھی نکواری تاسخ پر مجھے ستو تجت
 کبھی تھی عالم برنخ میں مجھے اک حیرت
 کبھی میں تپتا تھا بسط زمیں کی وسعت
 کبھی مثبت مرے نزدیک میں کی حرکت
 کبھی میں کرتا تھا معلول سے ثابت علت
 کبھی میں غصہ پر راغب کبھی سے حکمت
 کبھی میں قاری قرآن بطلم فرات
 کبھی کرتا تھا اشارات و شفا کی صحت
 کبھی میں کرتا تھا قاموس میں تصحیف لغت
 کبھی میں غرض سے دانندہ ضعف و قوت
 گونا گونا کی معلوم مجھے خاصیت

کبھی خدائوں سے کرتا تھا میں شیری
 کبھی میں نفی خلائق میں تھا سوفسطائی
 کبھی میں جبری و مجبور عقل و تدبیر
 گر طالع کی تھی تردید کلام الحساد
 جوں مندر کبھی مالون بشکل و مقدار
 کبھی حرفوں سے تھا مطلوب مثال جبار
 خاد کیسے سے خارج کبھی مشکل و حاصل
 کبھی کرتا تھا قرآن سر و زہرہ پر نظر
 کبھی افسون عودیت کبھی تعویذ و طلسم
 کبھی تھا علم قیاد میں یہ اور اک مجھے
 کبھی میں رہتا مٹری میں تھا ایسا مشغول
 سیاسے کبھی تصویر کش موبہات
 کبھی میں شیخ شیوخ اور کبھی شیخ رئیس
 کبھی میں ترفلے العین سے تھا عالی درجہ
 ماہر موسیقی ایسا کہ ادا کرتا تھکتا
 کبھی میں شاعر غزل و ادب و ان لم یغ
 کبھی کرتا تھا عروضی کا بھی ذوق قیہ تنگ
 کبھی پیش نظر انجیل و زبور و تورات
 کبھی زرتشتیوں میں ایسا کہ سلسلے سوسہ
 کبھی یہ آگئی شام و بید پران
 کبھی میں مل معاً و نغمہ میں ذی ہوش
 آخرش و کھیا تو العلم حجاب الالبس

کبھی لیتا تھا اشراقیوں پر میں سبقت
 کبھی میں معتزلی باعث رد و بیت
 کبھی میں قدری و مختار بقدر طاقت
 کہ وجودی و شهودی سے بیانی حدت
 جوں محاسب کبھی مصروف بضرورت
 کبھی کچھ نقطہ سے مقصود و تحار مال صلت
 مشکل خارج تھی کبھی داخل بیت غربت
 کبھی تھا دیکھتا منج و زحل کی رجبت
 کبھی تجویز و کواۃ اور کبھی قصد دعوت
 ایک سے رت سے بیان کرتا تھا میں سیرت
 کہ رتھی ایک نفس مضبوط نفس سے عزت
 یکمیا سے کبھی میں زکرش و منج و دیت
 کبھی سلام کبھی صوفی صافی طینت
 کبھی میں تفریغ و اغل سے تھا و الا تربت
 کبھی میں بارہ مقام اور کبھی پند مت
 نظم میں نام مراثر میں میری شہرت
 طبع موزوں کی دکھاتا تھا جو موزونیت
 کبھی صحف میں نظر میری سر ہر آیت
 ژند و پاژند میں کرتی تھی میری جمعیت
 کروں ایک بات چہدت کی گتھیں کھدت
 کبھی اخبار و تواضع میں صاحب خبرت
 عاقبت پایا تو باں بلکہ کو اہل جنت

خاندہ کیا جو ہر ایک علم کی جالی ترصین
خاندہ کیا کر جو دیکھی کتب ہر مذہب
عقل سے گرچہ کیا مادہ ایسا پیدا
یا بنائی کوئی صورت کہ جسے دیکھ کے ہو
بے مقدمہ پر ہے صورت بیہودہ نظر
پر محض ایک مطلع جہت میں اس موقع پر

خاندہ کیا جو ہر ایک فن کی مکمل تربیت
خاندہ کیا جو ہوئی آگاہی ہر ملت
کہ ہر شکل ہو ایک تازہ محل صورت
ہر شکل روم سے بخاندہ چین تک حیرت
دور آئینہ دل سے نہ ہو رنگ کلفت
جس کو سن کر کہیں احسن سبب غفلت

گرد مے صاحب ہر کو مقدمہ عزت
کیا ہوا علم مغول سے اگر کین کی ہے
قاضی حسیج بھی جو تو ہے تو کیا اگر تھے
دور گردوں نہ موافق ہو تو ہو اور خفیت
آگے برگشتگی بخت کے چلنے کی نہیں
موضاحت میں تو جہاں ہے بے بے تقدیر
گو ریاہی میں ہے صنایع اگر بخت میں بد
کیا ہوا جانا اگر مسئلہ بیہودہ منار
کام تقویم نہ آنے نہ تری اصطلاح
علم سے ہر ذہن بھی چارہ آزار ضیاع
سودائیں تو بے سود ہیں بے تقدیر
علم نینچ سے گو بومے تو نخل نارنج
علم سے جو سبق آموز فلک متاودہ دیکھ
ہوا اسود فلک نیکو نام و جہول
گو قصوف سے ہو تو صوفی سجادہ نشین

جو ہر فرد ہے بالفرض تو کیا بے قسمت
ایک بے یاور ہی بخت نہیں کیفیت
مثل ہقان فلک کھٹے ہوں طالع بخت
جز انتقال میں تو جہتی اٹھانے محنت
نظری و محل کوئی بھی تیری حکمت
حرف مطلب زباں کو ہونری سو کلفت
نقش باطل ہے تری شکل جس پر صفت
پستی بخت سے تھک جو جس سے نعت
طالع بد سے اگر نیک نہ آنے ساعت
پور سینا ہے تو کیا سینہ میں طعنے حسرت
نہ ہوا خامدہ تاشیر نہ بالکفایت
بے مقدمہ نہ ہو حاصل ثمر خوش لذت
بخت بے ہوا مستوجب رحم و لعنت
یعنی انسان قوی بخت ضعیف اخلاق
بے مقدمہ نہ کرامت ہو نہ خرق عادت

علم سے لاکھ ہوشی پر تیری بے تقدیر
یہ مقالات مثال قصص مصنوعہ
گم گئی آنکھ مری دیکھتا کیا خواب میں
افتدائے حسن اس کا کہ سزا بقدیم
یا دکر تا قبر رضا کو ہے اُس کے زاہر
چشم وحشی کو اگر اپنی وہ دکھائی تو ہو
دل خامت زدہ کے درپے تدبیر ملک
آتش حسن سے اک شعلہ سرکش جینی
فوج مرگاش بلا ہوئے صفت آرا تو کرے
چاہ باطن و ذوق اور دھواں زلف کا عکس
لعل شیریں کی ملاوت پہ چوچکا عاشق
زہم شرم تبسم سے لب اس کے ٹوکر
کھول دے معنی معدوم کر کی جنبش
شونی و ناز کی تعریف میں اس کی مطلع

نکسے کوئی تجھے شیخ علیہ الرحمۃ
ہوئی بیکار جو افسانہ خواب غفلت
کہ تبسم نظر آئی ہے تو یہ بہمت
تھا و خالق کا تماشا سے ظہور قدرت
وہ تجسیر جو کتا ہے سدا قد قامت
چشم آہو سے ہرن نشوہ جام و حشمت
زلف و اڑوں تھی و خوشنوا و اڑوں تبت
موجہ و دو لطیف اس کی مجھو کی حالت
دست بیداو سے یکدمت دو عالم غارت
دل گرفتار عذاب اس میں بھارت و صفت
تو دم نزع بھی عذاب کا پل ہے شربت
نہ تغافل سے اُن آنکھوں کو نگہ کی عادت
وا کرے عقدہ سوہم لبوں کی حرکت
وہ چھوٹی ہیں کہ جسے کچھ ہو دکھ و حنت

شونی اس چہرہ میں گھیں جیسے عورت
لیٹاں خندہ کی شونی کی بے آگے اک ہاتھ
نازک اندام و اور سنگدل اُن سے بھی سوا
سیلی سینہ پتھری جود نہیں پشت کا عکس
چنبی رنگ کا تو اپنے دکھا کر عالم
اللہ اللہ تھے تری تکنت ات سے نہیں
تھرا انداز بجا ناز قیامت ملتا نہ

ناز بوں چشم میں گس میں ہر جیسے نگہ
گر لگاے وہ سیاح بھی خوں کی تہمت
آیا جن نگہ لوں کے لئے ہے قہر و کشت
نظر آنا تھا سفائی سے الف کی صورت
ایک عالم کا ہر دل یکے بغل جنت
واہ کے خیر زنجیر تری لب بے ثنوت
سحر چمک ختم آیا تو کہ شمع آفت

جا بجا عالم سستی میں قدم کو لمس نہ کر
 آکے اس رشک میں نہ لکھا بایں پر
 شورِ بختی سے نہ اتنا تک افشاں ہو کہ ہو
 کیا سبب ہر ناکوریت سے نہیں کچھ غالی
 بزمِ ہستی میں تھیں بول دیگا کب تک
 آتشِ دل سے تھے گوشہ تنہائی میں
 وقتِ مٹانے ذکرِ آٹھ بسترِ اندوہ سے تو
 فکرِ باطل سے نکر دل کو خاک تو اپنے
 دیکھ تو کیا افقِ مشرقِ انوار سے ہے
 اوجھم لیلِ سرِ عرس ہے برگشتہ مٹاں
 جانبِ شرق ہے نوری فلقِ بالِ کشا
 چرخِ مینائی پر ایک سبز ہریکا عالم
 گھومتی گھل جو ہوا میں تو ہوا حطرِ نشاں
 کھلے ہی جاتے ہیں سب فوجِ نہ ہے جوشِ نشاط
 آج یہ جوشِ پہ ہے رحمتِ باری کر کیس
 طبلِ نوشق کی مٹتی کی طرح سو سولہ
 کہے یہ رند کہ او زہد فروغِ آگ نہ چھانک
 قل مجاز بہ کاٹھیا ہوئی زاہد کی تمام
 اس قدر سازِ طرب ساز کی آواز بلند
 نغمہ برب کیوں طرب پسرِ زہرِ وہیں
 یکے اگر مائی کیوں بنے گی رام کلی
 چشمِ مرست سے ناز میں کاجلِ پھیلا

ویدم نہ صبا سے زباں کو کھلت
 لاکھم قدم کر یہ غافل نہیں وقتِ غفلت
 بادِ سبکدو عیش کی گرم کیفیت
 دل تیرا شیشہ ساعت کی طرح کیت
 صورتِ شمع سحرِ سوختہ روتی صورت
 بگلی شعلہِ جوالہ کس نہ وحدت
 چل دریکدہ ملک حرکت سے برکت
 ہے تجھے مثلِ سحرِ یک دو نفس کی مدت
 جلوہ افروزِ رخِ بانو سے صبحِ عشرت
 اشمپِ یومِ بک سیرِ جے سوئے ساعت
 جانبِ غرب ہے پروازِ غرابِ ظلمت
 شفقِ صبح پر ایک لالِ پری کی حالت
 تازگی گل کو چمن میں تو چمن کو تربت
 لوٹے ہی جاتے ہیں گل بل بچہ ہنس کی شدت
 زہی کلفتِ حسیاں سے جہاں میں ظلمت
 دھوکے مستوں کے سیرِ نامہ کو ابرِ رحمت
 لگے گرابہ نوزِ ہر کن کی قیمت
 سنتے ہی قفلِ مینا سے شرابِ عشرت
 چھیریں گز تارِ کچھ کا تو ہر میدادِ حیوت
 جامِ در دست کیوں مٹی مٹاوت
 اٹھتی ہوتی آنکھوں کو کیوں انہی ملت
 لبِ یگوں پر سی کی پڑی بھکی غفلت

بے تک آیا نظر جن مرد و انجم و چرخ
 چو تکیہ رخ سحری عرش سے آواز خروں
 بلخ عالم میں میں خان ادنیٰ اجنہ تک
 وہی ہے مسجد میں مؤذن نے اذان نماز
 ہوئی تجنشا سے ناقوس کی پیدا آواز
 اتنے میخوار صبحی کے لئے یکے سب
 اک طرف سے ہوئی گھڑیاں کی آواز بلند
 سحرید ہے کر عید کا سامان نشاط
 آج و دن ہے کہ آغوش میں لیکر تھکاو
 اب پس بیدار تیرے بخت مددگار نصیب
 فکر کر تنہا عید کا اس شاہ کے تو
 وہ شہنشاہ بہادر رشہ کسریٰ انصاف
 قوت قلم و دین قانع کھنڈر الحاد
 حکم شرمی سے کرے سلف سبط شوق
 کون اس کا نہیں صاف صفات نیکو
 سنتے ہی میں نے جی بے مطلع روشن کھا

ہو گیا زرد رخ شمع و چراغ خلوت
 ہو گئی خواب کو آواز کو بس رحلت
 مثل مرغیان سحر نغمہ طراز عشرت
 با وضو ہو کے غازی نے ہے با نسی نیت
 چلے جنکو برہمن کوئی لیسکر مورت
 کہ عداوت ہے اگر کیجئے ترک عادت
 ایک طنب سے گل آنے صدائے نوبت
 روز شادی کی ہے آمد شب غم کی رخصت
 کسے طوبی لکھ ہر شاہ بد طوبی کا مست
 اب تو ہی ہیں تمسے طالع تری یا در قسمت
 دور میں جسکے ہے ہر صبح صبح دولت
 خسر و محم خدم و داوود دارا حشمت
 حامی شریعی مہی مشرک و بخت
 مرد مجذوب سے گر ترک ہو ستر حورت
 کون اسکا نہیں سرگرم ثنا و محنت
 مطلع صبح کو ہو سامنے جس کے غفلت

مصحف رخ ترالے سایہ رب العزت
 تیرا دروازہ دولت ہے مقام امتیاد
 تیرا احسان بہار گہن صدر رونق
 تیرے عشر نگدہ میں بار کسے غیر نشاط
 سوز علم پر بریں سے تو ہم زانو

کھول دے معنی اتھمت علیکم نصرت
 تیرا دیوان عدالت ہے محل عبرت
 تیری نیت گہن آرائے ہزار امتیت
 تیری خلوت نگدہ میں غفل کسے جز طاعت
 جد عیش میں نابید سے تو ہم صحبت

۱۰ نو ایک فلک پر ترے نور ہوں میں
 کیسے گو ہر انجم ترا صرف انعام
 نیت نیک تری آئینہ حسن عمل
 ذہن عالی ہے ترا طائر شاخ سد
 تیرا انضال جہاں کے لئے بران کرم
 علم ظاہر ہے ہے یکساں تجھے وہ نہ یک
 ذہن صافی ہے ترا پردہ و زمینی غیب
 عقل میں شمس ہے تو علم میں گمان گوہر
 تری تدبیر پر از دفتر بوش و فرنگ
 دعوت صدق پہ لائے تری یاقین
 تجھے راضی ہے خدا او رضا کے محبوب
 عزم کو ہے تے ہر عزم میں عزم بالجزم
 قوت شمع ملائک ہمین قدس میں ہو
 کیا اللہ نے جب تجھ سا ولی نعمت خلق
 فطین خیر سے تری نام جلالت ہو اگر
 شوکت حقرب جزارہ کی مانند رہے
 روشن شیشہ ہر اک سنگ ہو ریزہ ریزہ
 رکشت و ارجیا تم ہے فلک زیر سپر
 آئے طوفانج ترے قمر کا طیفانی پر
 وہ تری تیغ کی برش ہے کہ سایہ جبر کا
 تیرا بدخواہ ہے حوز سے یاں تک مہم
 آسیا وار پھر کے کیوں نہ فلک گونہ میں

نو فلک نو کروں میں تیرے قدیم الخدمت
 طاقتہ اطلبس گردوں تیرا وقت خلعت
 عمل خیر ترا جملہ حسن نیت
 طبع رنگیں تری گلچین ریاں جنت
 تیرا اکرام زبانہ کو دسیل رحمت
 نور باطن سے برابر ہے حضور طبیعت
 مونگانی ہے تری کوہ سنگاوت وقت
 فضل میں کعبہ ہے تو علم میں کوہ حرمت
 تیری شمشیر پر از جوہر فتح و نصرت
 دست جنت پہ کرے تیرے سخاوت بین
 تیرا حامی ہے نبی اور نبی کی عزت
 قصد کو تیرے ہے ہر قصد میں قصد بقوت
 ذات قدسی کا تری عطر قبائے عفت
 کیونکہ واجب غلایق پہ ہوشکریعت
 شریخ ہر غفل کا سب سے شربت
 دل حاسدیں غلش گر ترا شکب شوکت
 پرے البرز پہ گرگز کی تیرے ضربت
 کیا غضب ہے تری شمشیر غضب کی نیت
 کشتی فوج بھی اعدا کو ہو گر دابہ صفت
 کرے ایکدم میں ہو لے سی مفارق صورت
 وہیں نہ توفیق اے تا نشان تربت
 تجھے تو سن کی جو کا دیکھ اور اجائے پھرت

کیا تھے نیل کے اوصاف کہوں میں وہ ہے
 اُس کی خرطوم ہے گر طوطا سیلی کی مثال
 کیا عجیب گر توپ لرزہ میدیت سے نری
 آب باران کرم تیرا ہے وہ شربتِ خضر
 عدل کے لفظ کو دیتا نہیں نقطہ کوئی
 حمد میں تیرے عجب کیا سرِ داغِ دلِ شمع
 پنجہ گر بُس سب بچہ موش و کج شک
 دور انصاف ہیں گ تیرے ہو کشتہ سیبا
 دیا اللہ نے وہ قلب مصفا آنجہ کو
 فروغِ انصافِ حوائج ہے رُخِ حاجت مند
 عید کو دیکھتے ساتھ خلائق کا جہوم
 کھلے گرفتارِ دامنِ شمیمِ حسیلاق
 منتہی ہوں نہ کجھو تیرے صفاتِ نیکو
 ذوق کرا ہے وہائے پر اب ختم سخن
 عید ہر سال مبارک ہو تجھے عالم میں
 خیر خواہوں کے تھے چمے ہو گنگناٹ

ابرِ رقا رحیل پیکر و گردوں رفعت
 تو ہیں ذلیلانِ صفا ساعدِ سلمیٰ کی صفت
 بغض کی حجِ رگ سنگ میں پیدا مہمت
 برسے لالہ پہ تو ایضوں میں ہو سیمت
 عدل سے تبر ہے جو موتوں ہے کمِ شرف
 شعلہ میں مرہم کا فور کی ہو خاصیت
 ہے حمایت سے تری دایہ کا دستِ شفقت
 تو چاہے شہرِ پڑے دینی موس کو دیت
 اے شمشادِ صفا ذہن و سہرا صفت
 عرض حاجت کی نہیں سامنے تیرے حاج
 کہے عارف کہ یہ کثرت ہیں کلا ہر وقت
 تو ہر اک نقطہ ہو اک نازِ مشکِ بت
 گریاں کچھئے تا حشر صفت بعد صفت
 کہ زباں کو ہے نیا رازِ تلسم کو طاقت
 باکھوہ چشم و جاہ بمر و صحت
 اور بدخواہوں کے دُخار پہ خاکِ بت

قطرہ در تہنیتِ جشنِ نوروز

خسروائے سن کے تراژدہ جشنِ نوروز
 خبر عیش تری دی ہے چمن کو جا کر
 بادِ جوشِ جوانی کی ہے گویا اک صبح
 چند قطرہ سے ہیں شبنم کے وہ جگہ کتر

آج ہے طویلِ تصور تک زمرہ سنج
 زرِ گلِ یک صبا پائے نہ کو بھرا بونج
 تن پیرانِ گمن سال پہ ہر چین شکنج
 آگے بہت کے تھے گو ہر شہوار کے گنج

<p>حسن نیت سے ہے تو یوسف مختصر پیش خوش جہت پر چہ غالب تر اس سچہ امن نہ بجے آب سے آتش خسر آتش سے جلے تیرے منصوبہ کے تابع میں سب احکام غوم لایا ہے معنی رنگیں سے یہ فعل خوش رنگ خسر و اہوتا ہے اس رنگ سے معلوم رنگ بزم رنگیں میں تری رنگ طلب ہو ہر روز</p>	<p>دستِ عالم میں بجا ہے کہ جو دیں نفع و تمنج ختم کو اٹھنے میں جس فرد ہے کیا کاش و تمنج ایک سے ایک موافق کہ مرخان و تمنج صفحہ تقویم کا گویا ہے بساط شطرنج فودق جو مع و شائیں ہے جسے گہر سنج رنگ نور و زوج ہے ایکے رنگ نابنج اور تری خاطر اقدار کبھی آئے نہ بنج</p>
--	---

قصیدہ نمبر (۱۶)

۱۸۵۶ء میں بادشاہ بیارہو کر اچھے ہوئے۔ بڑی خوشی ہوئی۔ کہ اُس بڑا پے
 میں خدائے دوبارہ زندگی دی۔ غسلِ صحت کا جشن قریب تھا۔ اُستاد نے بارگاہ
 کا قصیدہ شریع کیا تھا۔ تنہید کی تحریر میں لکھا تھا کہ خواجہ حافظ کا شعر بھی اس
 میں تھیں کر دیگئے۔

<p>میں بن ست مرا صحبت صفیر کبیر</p>	<p>نئے دو سالہ و محبوب چارہ سالہ</p>
<p>اسی عرصہ میں ایک دن میں گیا تو جو شعر پرچوں پر تھے انہیں ترتیب دیا تھا۔ سنائے۔ انہیں میں قطعہ پڑھا۔</p>	
<p>کہ قلمیں بازو کی جا پڑھے ہیں بدرِ سنیر</p>	<p>ہوا ہے در سبھی در گاہ عیش و نشاط</p>
<p>نتیجہ یہ ہے کہ سرست ہیں صغیر و تجیر</p>	<p>اگر پیالہ ہے صغیر تو ہے سب کجیر</p>
<p>میری طرٹ دیکھ کر فرمایا۔ اب جیسی وہ شعر ہیں نے کہا۔ اب کیا ضرورت رہی آنکھیں بند کر کے فرمایا۔ یہ آؤھر ہی کا فیضان ہے ! اس قصیدہ پر قلعیت کے علاوہ خطاب خان جاوہر اور ایک باقی معجوضہ تقری عنایت فرمایا۔</p>	

نیلے نشاط اگر پہنچے اے خسری
 زباں سے ذکر اگر چھوٹے تو پیدا ہو
 ہوا یہ بانج جاں میں شگفتگی کا جوش
 کرے ہے والہب غنچہ در ہزار سخن
 کچھ انبساط ہوائی چمن سے دور نہیں
 قفس میں بیچہ کے بھی شوق نغمہ سنی سے
 اثر سے باد بھاری کے ملاتے ہیں
 نکل کے سنگ کے گڑبڑ شرارہ تھم فشاں
 زمیں پہ گرتے ہی لے آئے دبانہ بڑا
 ہوا یہ دوزخا ہے اس طبع سے ابرسیاہ
 نہ خار و شست ہے زمی میں اب گل ہے
 ہوا میں ہے طراوت کہ دودھ گھٹن بھی
 یہ آیا جوش میں باران رحمت باری
 ہر ایک خار ہے گل ہر گل ایک ساغر عیش
 ہر ایک قطرہ شبنم گڑ کی طبع خوشاب
 کرے ہے صبح شکر خندہ اس کیلئے ساتھ
 سنوارتی ہے جو شام اپنی زلف مشکیں کو
 نہال شمع سے ہر شب چھے گل شبنو
 ہنسے چراغ تو اسی ہنسی میں بچ محل حیرت
 بے ہے جو چرخ پہ صبح جوں صبحی کش
 عجب نہیں ہے کہ آرائش زمانہ سے
 چمن میں ہے درختان سبز پر جو بن

جیسا ہو خامرہ سے تھر تھم جاتے صری
 نفس کے سار سے آواز خوشتر از ہم مزید
 کلید قفل دل تنگ و خاطر دگبیر
 چمن میں سوچ تبسم کے کھول کر غنچہ
 جو وا ہو غنچہ منقار بلبل تصویر
 عجب نہیں کہ جو رخ چمن نثار صغیر
 زمیں پہ ہر سربل ہے سوچ نقش صیر
 تو سبز فیض ہوا سے ہو وہ رنگ صغیر
 جو ٹوٹے ہاتھ سے زاہد کے بھونچو تو دیر
 کہ جیسے جانے کوئی پہل مست بے زنجیر
 ہر ایک تار گل رنگ بھی ہے آجیر
 برستا اٹھتا ہے آتش سے شعلہ بر مطیر
 کہ سنگ سنگ میں سنگ یہ کی بجائے
 ہر ایک دشت چمن برمن بہشت نظیر
 ہر ایک گڑ گڑ شب چراغ پڑ تھوڑ
 کہ جس طبع ہم آمیختہ ہوں شکر و شیر
 سواد مشک غنچہ پر ہے لاکھ آہو گیر
 بہار عیش میں گلچیں کی طبع سے گلگیر
 جیسا سے رنگ گل آفتاب ہوتی سیر
 باہیں دراز نمی دیش آفتاب ساغر گیر
 خانی غنچہ ہوں تاکہ چار و بہد انجیر
 کہ نہ ہر کھلتے ہیں سبز ان خط کشمیر

نیکو کو دیکھ کے گلشن کو یہ چڑھوں مطلع
کر آئی ہے نظر ایک قدرت خدائے قدیر

ظہور زکس دگل جب لوف صبح بصیر
نیم گشت گل المرد لطیف خبر

نصیر عیش ہے یہ زمانہ عیش و آگس
حل سے حوت تک جا جا ہیں تصویریں
جہاں پرست سے بزم جہاں سے مسعت خواہ
زمانہ دشمن حشرت کا اس قدر قاتل
ہو رہا ہے در سر یہ بزم گاہ عیش و نشاط
اگر پیار ہے صغریٰ تو ہے سو کبرئے
زمین میکہ یہ غنہ و نشاط انیس
دیا ہے لہجہ کو دھو تیرے غل صحت
عجب نہیں یہ ہوا سے کہ شل نفس صحیح
شمشہا ترے یں شفا سے کامل سے
کہ چوب گل کو اگر ماریں بید مجنوں پر
اشاد فہم ہو ایسا کہ وہ بیان کرے
جو سہل کمل بصارت ہو کلب خط غبار
نہ موج نے کو پوچھش نہ شیشہ سے چکی
نہ برق کو تپ لرزہ نہ ابر کو ہوز کام
بدل گئی ہے طلاوت سے تلخی دارو
قوی ہے قوت تاثیر سے دوا طبیب
فلکست دل کو تیرے یں تدرستی سے
تو مرنے کا سہ چینی کو چارہ سادہ قضا

کہ قرص خبر گر ہے زمیں تو گرہ بصیر
بنا ہے عالم بالا ہی عالم تصور
کہ ہے جرم نشاط و سرور پر غم غفیر
سو جہاں کو دیکھے نہ کوئی بے خبر
کہ شمس بازو کی چاڑھیں ہیں بدیشہ
نتیجہ یہ ہے کہ سرست ہیں صغیر و کبر
کہ لائے سے ہو دو بار قضا نصیر
ضمیر خلق سے اے بادشاہ پاک ضمیر
کرے اگر حرکت صبح چشمہ تصور
جو لاعلاج مرض تھے وہ ہیں علاج پذیر
تو صورت بشر ہو شمس و خورشید
زبان برگ سے گو گو نگے خواب کی تعبیر
تو چشمہ دار و زمین بھی ہو چشم بصیر
گئی جہاں سے یہ تیاری فراق و زحیر
نہ آب میں ہو رطوبت نہ خاک میں بخیر
شراب تلخ بھی ہو میکشوں کو شکر و شیر
غنی قبول کی دولت سے ہے طائفہ نصیر
کرے دست اگر مریا ہی نہ بصیر
بکالے کار و چینی سے شل مٹے نصیر

کہہ گئے سر جو کبھی مفسدان سرکش کا
 بنا ہے نقش شفا خانہ حصار شفا
 ہر ایک اہم عزیمت میں اہم غلیم ہے
 راہ کوئی گرفتار بیخ عالم میں
 شہا عظام سے تیرے زندگانی عالم
 شال خضر تو اے رہنائے فتن و دیں
 تو وہ ہے حامی دنیا و دیں زمانہ میں
 کیا شان سلف نے ستر ایک جہاں
 سر سے شام تلک زلف شاں ہے پیچہ ہر
 فلک پہ کرتا ہے ہر شب ادا جو سہو فکر
 یہ روز ہے سے تھے ہے جوان جان کن
 حیات بخش جہاں تیرا مرقہ صحت
 ہزاروں سال سر ہر صدی کمال کے طاق
 جہاں کو ہیں تری صحت کے ساتھ چھت
 یہ وہ خوشی ہے کہ فرہ ہوں جس روز بڑ
 پڑھو شفا میں تری اب وہ مطلع روشن

جلع خارش سر ہو ناخن شمشیر
 ہر ایک خانہ مغویہ صاحب تکبیر
 ہر ایک فسخ شفا میں ہے نسخہ اکبر
 چٹے جو تیرے تصدق میں بھرانہ ہیر
 یہ تیرا دم ہے وہ اہلجاز عیسوی تاثیر
 جہاں میں ہیر ہو پر ہو کر انتوں سے ہیر
 کہ تجھ سے زیب ہے دنیا کو دین کو تیر
 کئے ہیں تیرے شفا شاہ وہ جہاں تیر
 تھار کرتا ہے ہر روز ایک گلچ خطیر
 نشان سجدہ ہے زیب جبین ماہ منیر
 کہے نہ کوئی وہ شبہ کو بھی جہاں میں ہیر
 جو بخشنے خلق کو عبر طویل و عیش کشیر
 ہنسیں اہل پہ جواؤں کی طرح مدام پیر
 صحیح جیسے کہ قرآن ہو نسخ تفسیر
 ہلال بست و نسیم کی طرح بدن کے حقیر
 کہ جس کا مطلع خورشید بھی نہ ہو نظیر

مطلع

شہنشاہ و تری روشنی رائے منیر
 مقول عشرہ کے انوار جس کے عشرہ عشر

ہو بود مایع امیر کشا و زلفانی اکامیر
 جو ہیں نکات و معانی بشر کے فہم سے دور
 اگر ہے سو کو کچھ دخل حافظہ میں تو یہ
 حاسبہ گر شعل تری نگاہ کے ساتھ

تو عقل کل کو کرے تو نہ ہرگز اپنا مشیر
 و تمھے ذہن میں موجود بقیل و کثیر
 نہ اپنا یاد ہے اسل نہ اور کی تقصیر
 تجھے نصیر کی جانب نیری صفا کی نصیر

تیرا تو سیتہ بھی یوں ہی اہل حسات
 کرے ہے سلبِ تغیر کو ذاتِ حادث سے
 محال کیا کہ تیرے عہد میں شر کی طرح
 ہوا میں آگے جو کڑا ہے سرکشی شعلہ
 تیرے نسق سے جو بالکل ہی نہ خونریزی
 جو بچے بنگلہ میں تیرا شور دینداری
 کیا یہ کفر کو اسلام نے ترے عہد میں
 جہاں تیس چیم بیست یا رکا ہو بیگ
 پڑی گلے میں کن خطا سر سے اُسکی
 وہ برقِ تہرِ خدا تیری تیجِ آتشِ دم
 جو ہے خدا کا تیرے نشاۃِ چشمِ حسود
 ترے نہیں ہوں شکلِ فلں ہی الگ
 جو تیرے گلے کس سے زری ڈھو جائے
 تجھے ہے خامۂ طغرائنگار میں یہ زور
 تو اُس سے ایسی ہوں محال ہندسی پیدا
 وہ روشنی تیرے خط میں کہ ابنِ مقلد اگر
 تو ہو یہ نورِ بصارت کہ پڑھ لے حرفِ بحرن
 رقم میں گر تجھے اوصاف کے تصور کرے
 تو اسند ہے وہ تیز رو کہ دھنچ سرام
 کہ سیر گاہ ہے اُس کی تو راہِ یک روزہ
 تیرے جو فیصل کی تعریفِ خسرواں ملکوں
 کہ فیصل کو بہک تیرے فیضانِ سدا

کہ جیسے صحبتِ اصحابِ کف میں نظیر
 زمانِ عدل سے تیری یہ اعتدال پذیر
 اٹھائیں سر کو شرارت سے سرکشانِ شر
 تو چکیاں دلِ آتش میں لے ہے انگیر
 لڑائیوں میں کہیں بھوتی نہیں محسیر
 بلند تارِ ناتوس سے بھی ہو تجسیر
 کہ کوئی زلفِ بتاں پر نکر سکے کھسیر
 جو میکشوں کو تیرا احتساب دے تغذیر
 ہے دامِ وہ گوش میں اپنے نقشِ سیر
 کہ جس کی آنچ تھے دشمنوں کو نابیر
 تو ہے تنگ تیرے دلِ عدوِ پیر
 کہیں حلقہ جو ہر رفاقتِ شمشیر
 طلب میں جانِ عدو کی ہاں خدا کا سیر
 جو کیسے ایک روشِ خطِ منہی وہ لکیر
 شاہی دیکھ کے اقلید میں اپنی سب تحریر
 لگائے آنکھوں سے سر کی جائزِ تحریر
 جو پرے لوحِ نہیں پر نوشتہٴ تقدیر
 زبانِ خامِ سطا رو کی تاک میں ہے تیر
 نظر ہو دیدہ زرقا کی بھی نامس کا نظیر
 اور اس کا شرق سے تا مغربِ عزمِ گامِ سیر
 کروں حکایتِ شیرین و کو کو کہیں تحسیر
 وہ دو نو دانت صفا ایک ایک تجھے شیر

ق

ق

ق

پلے نہ اشرنی آفتاب عالم میں
 اور ظلمت شر والہا بگڑا اور شر
 شہر بلند نگہ شہر یار و الا جاء
 جاں مغر و عالم مطیع و خلق مطاع
 زمیں ہو سبز جو تیرے صحابہ شیش سے
 پیٹم ہوا اگر تیرا نیترا اقبال
 تو نفس گلس سے ہوا بیوں کی تیرے نکلا
 نہ ہے شتا کے لئے تیرے اختتام نام
 گریہ ذوق شتا سنجہ خوات سیرا
 کسے ہے دل سے دعا یہ سدا فقیرانہ
 الہی آب پنا ہو زمیں زمیں کو ثبات
 فلک پہ چھوٹے نہ تا دامن سیح حیات
 عطا کرے تجھے عالم میں قدرتیوم
 تن تو ی و مزاج صحیح و سیر طویل

خط شعل سے نہر جو یہ نہ ہو تیر
 سراج دین نبی سایہ حق دے قدر
 خدیو محمد سر کا خسرو سپہر سیر
 فلک متوہ و اختر معین و ثلث بصیر
 تو بوٹی بوٹی سے ہر خاک کے بنے اکیر
 کرے نگاہ سر آجود آب عذیر
 قنگین ست سیلان مست ماہی گیر
 نہ ہے دعا کے لئے تیری استوا و خیر
 غلام پیر کمن سال ایک فقیر فقیر
 سنا ہے جب سے کہ رحم خدا لگے فقیر
 زمیں پنا ہو فلک اور فلک کو ہو تیر
 زمیں پنخضر کی تا ہو فنا و دامن گیر
 بہاء و دولت و اقبال عزت و توقیر
 بہاء وافر و ملک و وسیع و گنج خلیسر

قصیدہ نمبر (۱۷)

ہیں میری آنکھ میں اشکوں کے تھلا گور
 نظر خلق سے چھپ سکتے نہیں میں غنا
 رزق تو درخو بخدا ہوش ہے نہ پتلا ب گور
 پاک دنیا سے ہیں نیامیں گور پاک سرشت
 ہے بل صاف کو عزت میں ہیں گور و غنا
 گور باطن کو ہو کیا جو ہر دانش کی شست

ایک گور دیکھو تو ہوں کہتے ہی پیدا گور
 تو دریا سے چک کر محل آیا گور
 مغ کو دانہ جا ہنس نے پایا گور
 غرق ہے آب میں پر تر نہیں اصلا گور
 گور آلود تیری جڑا تنہا گور
 کہ پرکتا نہیں جز دیدہ بیا گور

غیر مایہ نہ کم بایہ سے ہر ضبط ہوس
جو ہر خوب کو در کا ہے آرائش خوب
سرکش کرتے ہیں بے مغز نہ پر مغز وقار
ربط ناچیز سے کرتے ہیں کوئی پاک و
دلفراش او ہے طاقت و دل بے کچھ احو
فیض کو عالم بالا کی ہے شرط استعداد
صدق اور کذب پہ ہر بحث کی ہے شرط نظر
صاف باطن کی ہو جب قدر کا ظاہر ہو
ہوتی غربت میں اگر قدر نہ خوش چہر کی
ظلمتِ خارجوں سے ہے پر فنا کیا کیسا
دل عاشق میں کرے کیونکہ نہ آنسو سوراخ
ذوق موقوف کر انداز غریب خوانی کو
خط دریا سخن میں ہے گانا بستر
اشراج سے اس سرور دریا دل کے
وہ بہادر شہر غازی کی رنگ نیاں
جن سے اس کے ہے اک فیض کا دریا بہار
زیور آرا ہوں اگر آج چمن میں گل و سر
چمنے اگر گوش صدق تک یہ نو چہر شرت
کتا ہے قلعہ نیاں بھی کراں و دین کا ش
جودل آب میں کثرت سے جہاں کے ہے
ہے کشکش عیش سے جو صبح کا بار
ہل شگفتہ میں یہ قطرہ باران سے بہار

بگیا زار ہوا لگ کے نہ چلا گوہر
خوب تو آب کی خوں سے ہے شیر گوہر
جز جاب آب سے سر کھینچنے والا گوہر
ہو نہ ہم صحبت تار و رگ خارا گوہر
کہ نہ گوہر کبھی ہوا ہو نہ ہیرا گوہر
قطرہ کجا ہے طباشیر ہے کجا گوہر
کو رکھا جانے یہ سچا ہے کہ جوتا گوہر
مول بھی ٹوٹ گیا صاف جوڑا گوہر
تو کبھی کان سے باہر نہ نکلا گوہر
ہر قدم پر قدم آبدار سا گوہر
اسی لباس سے جاتا ہے یہ بندھا گوہر
دھنڈا اس بحر میں اب تو کوئی اچھا گوہر
اگے تقدیر سے خر مہوڑے یا گوہر
کہ سخن قابل گوشت و دانا گوہر
روز بر سائے ہے ابر کرم اس کا گوہر
بستے پھرتے ہیں رنگ کھنکھارے گوہر
بیضی قمری ڈیلن میں عجب کیا گوہر
اتنا بالیدہ بخود ہو کہ ہو مینا گوہر
ہوتا میں نہ انگوڑ نہ ہوتا گوہر
لگاتار شل بت خوشن آرا گوہر
بکھرے شبنم سے ہیں گلزار میں کیا کیا گوہر
بھرنے درجیا فت میں گویا گوہر

سج گہر میں بھی ہے طرز تبسم پیدا
ریخ کو رنگ پہ ساقی کے عرق کا قطرہ
قطرہ آب لطافت سا ہے چمکا پڑتا
مع حاضر میں کروں میں کوئی مطلع خیر

کوئی دم میں شبنم چھپنے کا گھر
کیا تماشا ہے کہ بنائے ہے مونگا گھر
گوشِ خواہں مسنبر میں مصفا گھر
آج ہے خارِ رامت سے آگاہ گھر

مطلع

آج وہ دن ہے کہ اے خسرو والا گھر
کوٹے نذر خجے مسل تو دیا گھر

بحر و بریں چنگ شہا تیری میتا سے مشار
ہزیرے بغیر قدم سے جویں گوہر خیز
شتری کہتے ہیں جس کو ڈاٹھا یا پرخ
صبح اقبالِ سعادت کا ستارہ چمکا
ترا آویزہ سربچ کا اے قبلہ حسن خلق
طلب خلق میں ہے سینہ ترا آئینہ
پرودش دیو سے چمن کو جو ترا بر کرم
ماہ گھنے کے لئے ہے نہ گھنے کے لئے
دُرِ ثانی سے تری اتنے گہر میں لہزاں
عکس ہے ڈیر اقبال کے دریا میں تھے
آپ کو ہر جو تو آب یہ اجمازِ نثار
کوہ کا زہرہ کو سے آب تری ہیبتِ عالی
طبع نازک پہ تری بارگہر ہو چگراں
آب دریا سے کرم سے جو ہونیرے سیلاب
آج محفل میں تری وہ گہرا ثانی ہے
دستِ فراش میں چاروب ہے رشِ فعول

سیم سے زرتک اور لعل سے لئے ناگہر
ہو نصیب صدف نقش کھنڈ پاگہر
ٹوٹ کر جو تیرے سمن سے گرا تھا گھر
جو ترا طرہ دستار کا چمکا گھر
صاف تمذیل در مسجد اقصا گھر
عدن حرم میں ہے قلب مصفا گھر
موتیا میں جو من غنچہ ہو پیدا گھر
تیرے کینٹے کا کون کیا اسے زبا گھر
کھتے ہیں نسخہِ مفلس میں اعلیٰ گھر
اے محیط کرم وجود کے یکتا گھر
کھنڈ دریا کو بناسے یہ بیعت گھر
گرہِ شمن پاسے کہیں نہ گئے توڑا گھر
پونست بیضیِ اہی سے ہو دکا گھر
ابرِ مردہ سے برسنے لگیں کیا کیا گھر
لگن شمع میں ہیں آنسوؤں کی جا گھر
فرش پر تیلیں میں ابھے جو صدا گھر

تیرے دریاں حفاظت میں کس کی گزند
افنی نعت کے کائنات کو ہے جوں تھوڑا مار
سینہ صافی کا تری ایک ہے نقشہ دریا
نقشہ تنگ ترا ایسا ہرنگ شفاف
غرق دریا سے جاہر میں ہے وہ کوہ گراں
پہل تیرا ہے بندی میں فلک سے افزوں
ایکے خرطوم میں آج آب ہو وہ قطرہ نشان
ہے تیرے قطرہ پکیاں سے دم بارش تیر
تیرا نیزہ ہے ڈھانڈا کہ عوض دانہ کے
شعلہ برق غصہ سے ترے شانہ آب
نہر داروں میں ہے دربار کے گز نام عقیق
گر جے گردوں کی طرح سے وہ آباد عیب
ہو تری ملک کرم جبکہ شہا گو ہر بار
لفظہ تاف تلم سے جو ہو ترے ہسر
سینہ صافی سے تری ہو کہ صفا ایسی عام
ہو جو رکشہ شکر عالم ترا نور دانش
خسروا میں جو کوں سب سے لطف ناکو
ذوق کرتا ہے وہاں پر اب ختم سخن
طلب ہے پیچہ نور شہید پہ ہر روز طلا
وانہ انجم گردوں سے پہلے جب تک
جب تک جوش بہاں سے ہر دم صبح
ہر برس جن تر اچھو مبارک ہو کہ

حق میں پیار کے بخالہ ہے لب کا گوہر
مکش خباں میں تو زلف من سا گوہر
دل روشن کاتے ایک نمونہ گوہر
زہرہ جس کی صفائی کے ہو پیدا گوہر
گل میں مندی کے جھڑاں میں بیاگوہر
جھل میں جس کے ہیں انجم سے زیادہ گوہر
دیو سے چوں بہاراں ابھی برسا گوہر
جگر چاک حد میں صد آسا گوہر
نہر پشت سے دشمن کے ہے چٹا گوہر
شیں میخ ہر اک میخ ستارہ گوہر
آبداروں میں ہے سرکار کے ادنی گوہر
جوہری جسکو کہبتلائے ہے گر باگوہر
جیم خنجر کے دہن میں ہو نقطہ گوہر
کاف تک تاف سے ہو بنیہ عتقا گوہر
دل کا فریں بھی ہو خال سویدا گوہر
سے چینی میں پر ویا کرے اعلیٰ گوہر
تو سدا شد سے مرے چوں جہڑیں باگوہر
تا کہ ہو رنگ لعل آجے پیدا گوہر
تاگرہ میں رکھے شب عقد ثریا گوہر
ریشہ کا کشاں میں شب یلدا گوہر
تا کہ شبنم سے سر دہن محمد گوہر
پر ہیں نیان کرم سے تھے شادا گوہر

ہونہ جزا ملک سر دہن اعدا گھر

دوستوں کو ہو تو سچ گھر روز نصیب

قصیدہ نمبر (۱۸)

کہاں مردہ ہو زندہ نہیں حساس
یوں ہو طرح کہ اک نقطہ سے ہوں مانج پھاس
رنگ رخسار چو کلفت ہے ہر عمر گھٹاس
تریاغ اتنا ہڈم لینے سے فرط عطاس
قلب انسان میں تم تو سے مبدل ہو ہراس
کہ یہ ہے شربت دینا رعب سلج افلاس
آج جو پاس ہے میرے نہیں حشید کے پاس
شب کسے موت کہ کر لوی گردوں کے پاس
کسے مینوش کہ بھیتی ہے کوئی اُس کے پاس
اور باقی تو ہے سب ہم و خیال و دواس
پاس کر عیش کا کیا کرتا ہے پاس افلاس
دیکھ رندان خرابات نشیں کا اجلاس
کوئی خورشید تھا ہے شفق رنگ باس
علم کو جا دل میں نہ دے جیکو نہ کہنے آواس
وہ خل ہے کہ کماں گھونسلہ میں چیل کے پاس
کھتا ہے امد سے ساتی کے یقین سواس
توبہ کر توبہ نہ کر اتنی زیادہ بکواس
حاجی شمع ہے و باد شبہ پاک افلاس
خانہ توبہ و تقویٰ کو کیا حکم اس

جہاں جاندار سے ہے نافع جہان و حواس
قلہ سے ہے ترقی عوالم غم
جو کہ اس بعض کبریت سے شل زیر شمع
خشک منہ و کج جو ہوئے گلاب اس کی بڑ
قلب ہر جیت اگر اس سے نہ باکل ہو کر کربل
اُس کی دولت سے عجب کیا دل غلغلا ہو غنی
دو پیہ ساتی جیسے اک جام نہ دعوئی سے کئے
اشد اترے تری سستی و بالا دستی
سلسیل آگے اگر غلغلہ سے ہو آب سبیل
زندگانی سے ہے مخفوف شراب و ساتی
زندگی چند نفس ہے کہو زائد سے کہ تو
بیٹہ گوشہ میں نہ تو چھوڑ کئے اس حلبہ کو
میں نہیں پہنچتا میں مگر جہلوہ فروزہ
ایسے شکست لکھی تو اس سے ہو سرگرم نشاط
دل جو گھر غم کا ہو کیا اس میں چڑیا پیش
دل پر دوسرے کی ہوتی ہے سے سے دشت
میں کتا ہی تھا جو دل نے مرے مجھ سے کہا
ایسے مردار و انفال کا تو نام نہ لے
شاہ و پندار بہادر رشہ غازی جس نے

دور میں اس کمرے ہو کر دیکھنے کوئی
 مے اگر آپ بچا میں ہو تو ہر وہ زہراب
 دھوکا اس حد میں گزخم کو مے سے خلع
 کہتے اس آب شہر انگیز کو ہیں آج بشر
 تازہ باقی ہے مے اور ذمے میں سستی
 احتساب میں کا جو مے سنگ شیشہ کو بیک
 مع حاضر میں ٹھوں اس کے کوئی مطلع میں

کرے ہر قطرہ کیلجے میں خراش الماس
 جس کے پینے سے ہو جیسے ہی یونکو میں
 تو ہے حشر فلک شورش درود و آس
 کہ یہ روغن ہے سرائش شہر خفا
 تو مڑا سنگ نکات ہے دھیشہ کا گلاس
 تو صدا بولند اس کے بجز حمد و سپاس
 کہ سخن فہم و سخنور کا ہے و قدر شناس

مطلق شیریں تیرا شہد کہ ہر درو کو راس
 شان میں جس کے شہادۂ شفاء القاس

ہندو سی زلف کے چہ پاس صدا مصحف رخ
 مویا بی ہو حمایت تم سے حق میں اس کے
 بوٹی اکیر کی اورا پس اگر با تھ آئے
 چمن ہر میں رگس بھی تری بخشش سے
 کی عجب فیض سے گر ابر کرم کے تیرے
 تیری شمشیر کے آگے نہیں رکھتی ہر گز
 فیض تعلیم سے تیرے ہو جو نکو انساں
 لوح تقدیر کے لکھے کوڑے حرف بجز
 یوں تیرا حاسد چر عیب ہے عالم میں حشر
 دیکھے آہو کو جو ضیغ تو وہیں عدل ترا
 ہے غور شد کے طالع کو شعل غور شہید
 ایسا چالاک کہ اس طرح سے اڑاتا ہے
 پنچے میں بخش فلک سیر زمیں پلا کو

حد میں سے ہے کافر کو بھی سلام کا پاس
 سخت گیری سے فلک کے کسی کی کراس
 بل بے ہمت تھے تو ایک پتھر ہے و گلاس
 رکھتی ایک کٹا شہزادہ اور اک سید طاس
 بید مہنوں میں ہو پیدا شریعت گلاس
 مغربی تیغ مر نو کی شہا رتہ و اس
 اہم القاس اسے جانے بلکہ شناس
 تربیت تھے آئی بھی ہو یہ حرف شناس
 اسپتال کوئی جیسے میان خفا
 دھاکٹے آنکھوں کو اس کی دوش گلاس
 دم تڑپ تیرے گھوٹے پہ لگے جانے قلاس
 جس طرح عاشق دل اخت کے ہوش و اس
 نہ منہم کا خیال اور نہ مہندس کا قیاس

تیرا تھی ہے فلک کا بکشاں ہے چشمِ طرم
 ذنبِ راتنِ جن بھی ہوں یہ بختِ عدو
 بگٹ تھی کا یہ اور وہ دانت اس کے مفید
 طرفِ صفت سے پیشا ہے شبِ لیلانے
 ختم کرتا ہے سخنِ قہقہ و عا پر اس طسوج
 توشہ بھر دے شاہِ سکندر فر ہو
 عید ہر سال ہو خوشِ تجھے ہمیشہ نوظا

کانِ دو فرومہ و خورم ہے فب سحر اس
 ماہِ دوزرہ کہ تہوا خواہ ہو لُٹنِ انفاس
 کتا ہے دیکھ کے یہ ظلمت و نور اپنا قیاس
 صفحہ صبح منور کو مثالِ مسترطاس
 تاہوں دیا میں گہر کان میں پیدا لاس
 سے خدا عجزِ خضر تجھ کو حیاتِ الیاس
 تو ہمیشہ ہے خوش اور تر اپنا خواہ اوداس

قصیدہ نمبر (۱۹)

ایک خورشیدِ قاطعِ سر جو انِ ایشق
 دو جیسے ماہ میں اُسے خطِ چینِ جیس
 کرے دو کڑے جگر کھینچ کے ابرو و تلوار
 تیرا اندازِ جوہرِ ماکاں تو ادا و شہنہ گدار
 غمرہ و نازِ کرشمہ وہ بلا غارت گر
 سرِ قامتِ سنِ اندامِ گلستاں و خسار
 سرِ قامت سے اگر اس کے ہو طوبی کرش
 شکر آیمختہ با دامِ مقشدر و دعاں
 کھنا اس کے دہنِ تنگ کا ایسا شکل
 مصحفِ کتبِ کتابی کو جو دیکھو اس کے
 لوحِ رنگیں سے نہ دیا ہو بیانِ گون
 دست و بازو دہر و دوشِ عجب صبح بُنا
 سینہ کا نافِ صفا آبِ گہر کا دریا

ناہِ خسارِ فلکِ سرخی و خسارِ شفق
 تھی ماہِ گشتِ نبی جس نے کیا ماہِ کوشق
 بازو کر کھینچ لئے لُٹنِ مسلسل کی ہن
 چشمِ املق تو گدازِ سوارِ املق
 کہ نہ چھوڑیں تنِ عشاقِ میٹاں ایک ہن
 ہونٹِ گلبرگ و ہنِ غنچہ و مینی و زمین
 راستِ بانِ راست یہ کھلِ تجلی و املق
 سببِ فردوسِ خنداں لبِ خنداں خن
 جیسے دشوار ہو مفہومِ کلامِ معلق
 تو کیسے صورتِ خلاص نہ پاؤ مطلق
 تاکہ ہو سرخیِ شخیرت نہ خونِ ناحق
 پنجہ و خیمہ خورشید و فنا رنگِ شفق
 نافِ ایک عکسِ نقی اس میں بجائے زورق

نازک ایسی گرامس کی کہ سمجھنا مشکل
ہے گرامس اس پر نزاکت سے نہ باندھ کر
اگر کا زانو وہ صفا کہ اگر دیکھے اُسے
کیا کہوں ساق ابو ربی کی صفائی نہ کی
قد جو گلبن تو وہ پاؤں کے خنائی ناخن
لگے بالیق و طناز سر راپا انداز
مروہ عید سے ہے گلشن عالم میں بہار
دوش پر سرو لب جو کی ہے اک سبز قبا
جوش بہرہ سے ہے دُش سر سخن چمن
باغ عالم میں ہے جوش بہار عشرت

جس طرح شعر خیالی میں جس معنی ادا
کر ہوتا نظر دیدہ عنفتا منقطع
آئینہ آبِ نجالت میں جو مستغرق
شع گرد دیکھے اُسے شرم سے آجائے عرق
نیچے گلبن کے ٹپے بکھرے ہو گل کھردق
مجھ سے یہ کہنے لگا کیوں نہ گلبن ناحق
نغمہ عیش سے ہے بزم جہاں میں ملحق
بریں لالہ کے بھی گلشن چمن گلگوں ملحق
کوئی نخل اسے کہتا ہے کوئی استبرق
چپکے ہے نخل سے مستی میں ہمیشہ ملحق

تو بھی کہ نسبت عید کا اس گراماں
وہ بہادرشہ غازی کہ دم معرکہ ہوں
دع اسکل ہے مناسب تجھے بلکہ انسب
سکے یہ ہیں کہ دع میں اُسکے مطلع

کہ ہے وہ خسروں کا حامی دین برحق
اُس کے تیروں کی حد اُسکے سونگے حد
یعنی توصیف کے لائق ہے بلکہ اہق
جبہ جنت کہیں مجھ کو لیسید و معق

تو ہے وہ نائبِ ختمِ رسل سے سائر حق
کہ تھے سایہ میں ہے گلشنِ دین کو رونق

ابر رحمت کا ہے سایہ تر اے سایہ حق
کس کا مقدور کہ سر تاب تیرے حکم سے ہو
فکر حق سے کوئی خالی نہیں ہے ہندو
گر کرے نشو و نما مہینہ فیض ترا
حرف ہیبت کا تری کوئی زباں پر آیا

کیونکہ سایہ میں تھے ہونہ جان کو رونق
جو تیرا امر ہے الحق جو کہے تو صدق
کہ تا میخانہ میں شیشہ سے بھی حق حق
گل جو ہو شع سے پیدا تو گلابِ زہن
ہو گئی وقت کتابت جزاں ظلم کی شق

فلق شیریں ترے ہو کہ عبادت گرام
 ناتوانوں کو جو ہے زورِ حمایت تیری
 کہتے ہیں حق جانِ جگہ ہے ایک اولیٰ
 کو تھی جس پہ کسے کا کشاں کی بھی کند
 قطرہ انشاں ہو اگر تیرا سحابِ ہمت
 کرتا اپنے کو جو اعلیٰ نہ تیرا منصوبہ
 کرتا اک جہتِ ہیمنے ماہی گرد و کلا شکار
 اے شہِ داوگر اے خسروِ انشا پرست
 اتنا عالمِ مطلقِ خوئے ہے خوشخوار و کو
 پر تو انگن جو اگر روشنی طبعِ تری
 مشتری ہی تھے شطرنج کا اک ٹہر ہے
 ابر ہے گرچہ مثالِ مندِ مندیدہ
 توشتا ہے سے بھی جل اٹھے زیادہ و شتاب
 تیرے تو سن ہیں جلدی کہ اگر چیرے تو
 شمس گنچے تری را سے یوں شرقِ فوج
 بس طبعِ روشنی قلب سے اہلِ شرق
 ذوق کرتا ہے شناختِ دعا پر اس طرح
 ہوئے ہر سال مبارک تجھے عبدِ دہشت

کام میں غل کے بھرا ہو بجائے بوق
 لائے لات اڑ کے سر پہل و ماں بچہ حق
 تو پھانڈ میں تھیے توپ پہ تریں برق
 ڈرتی ہمت عالی کا ہے علی جو سن
 بوٹی اکیر کی پیدا ہو بجائے سدرق
 پاتا شطرنج میں فرزندِ زہر تب سیدق
 طاووسِ تیر ہوائی ترا مثلِ لغتِ سنی
 اشد اللہ سے عدالت کا تری نظم و نسق
 خونِ خاسد کو بھی ہرگز نہ کرے نوشِ علق
 ابرق آئینہ ہوا اور سنگِ سیہ ہوا برق
 آفتاب ایک نمے گنجھ کا گرچہ ورق
 گر تری برق غصہ جھاڑے اسپرِ حقیق
 آگ لگتا نے میں یہ آگ کے نمودے مطلق
 یوں اڑ جانے کہ جیسے سیراتش زمین
 تو ہو مغرب میں گر لے پر تو نورِ مطلق
 عرصہ دو سے شاگرد کو دیتے ہیں سبق
 تاکہ ہوں رضی مسعود و نوبقِ زبط
 اور دشمن کو ہے تیرے سدا بچ و فلق

قصیدہ نمبر (۲۰)

ایک دن فرمایا کہ یہ ہمارا بادشاہ کے پہلے سالِ جلوس کا قصیدہ ہے۔ شاہ نصیر محمد
 بھی دکن سے آئے ہوئے تھے دل لے کر قصیدہ لکھنے اور ایسا لکھنے کہ امتا و

بھی کہیں کہ میں شاگرد نہ کہ کھانا۔ یہ طرح خدا نے دی اور خود سرا انجام کیا۔ اللہ شہد
ان دنوں کا جوش طبع بھی یاد رہے گا۔ عجب عالم تھا۔

یہ تو ہے کس نور شید کا نور سحر رنگ شفق
گلشن میں گویا چھایا نور سحر رنگ شفق
ہر سیر صفا کوں قبا نور سحر رنگ شفق
اؤ گوئے ہفتوں میں خاف نور سحر رنگ شفق
دندان پاغورہ میں نور سحر رنگ شفق
رشدن رنگیں انور سحر رنگ شفق
ہو جیسے کیفیت فرا نور سحر رنگ شفق
کیا باغ میں چمکا دیا نور سحر رنگ شفق
نخلت سے پانی ہو گیا نور سحر رنگ شفق
کس رنگ ہوں مگر جدا نور سحر رنگ شفق
آج ہوا جا فضا نور سحر رنگ شفق
ہے اس لئے نجات فرا نور سحر رنگ شفق
ماہ و ثریا و ہمسایا نور سحر رنگ شفق
ہوں کچھ کر غرق حیا نور سحر رنگ شفق

ہے آج جویوں خوشنا نور سحر رنگ شفق
یہ جوش سرین سمن یہ لالہ گل گلچمن
ہر سرو قد غنچہ دہن زیب چمن شان چمن
افتخار ہیں پر سر سبز ستارے انجم خور
لب پر تہم ہے کہ ہے جوش بہار و صبح گل
ہر صبح پیر و جوان ایک طرف شرق ہے کوہ
جام بلوریں چینچیں ہوں عکس شراب لالہ گل
حسن گل متا بنے جوش گل سیر بنے
دیکھے چمن میں ہر گل لالہ شبنم گل
ہے شوق کو بالیدگی ہے ربط کو چسپدگی
ساقی مئے عشرت سمجھو ساغر کہ ہے اس رنگ پر
جشن بہار و شہادہ ہے روز علو جاہ ہے
دختر روشن گہر جس کو خجین ہوں دیکھ کر
اک من مطلق میں نکسوں در و شنا سے لگ

روکش ہو تیرے رخ سے کیا نور سحر رنگ شفق
دور ہے تیرے فیض کا نور سحر رنگ شفق

نور یقین نگ جیا نور سحر رنگ شفق
شرمندہ ہوتا ہے سدا نور سحر رنگ شفق
لبں ام اب جس سے صفا نور سحر رنگ شفق
گو یا کہ شیشہ میں بھرا نور سحر رنگ شفق

لے آفتاب و شمس تیری چپیں سے جہاں
روشن بیانی سے تری رنگیں کلامی سے تری
و سیگوں اویں ترا و سا باں رنگیں کھیا
خانوں شیشہ صفا کوں شرفی فصل میں یوں

ہوں جمع جیسے ایک نور سحر رنگ شفق
 ناخلیل آب بقا نور سحر رنگ شفق
 جزوہ لعل ہے بانور سحر رنگ شفق
 سیل قناری بلانور سحر رنگ شفق
 دکھائے ہے روزہ خانور سحر رنگ شفق
 گویا لگا کر پڑا نور سحر رنگ شفق
 ہے جسکو عالم جانا نور سحر رنگ شفق
 غیرت سے جس کے اڑ گیا نور سحر رنگ شفق
 خورشید و مراض مسا نور سحر رنگ شفق
 زمیت و صبح مسا نور سحر رنگ شفق
 ہوں تیرے محتاج ضیا نور سحر رنگ شفق
 ہو جلوہ گر مشرق سے تانور سحر رنگ شفق
 دیکھئے نہ وہ ایک سوانور سحر رنگ شفق

انہاں تیرے شہاساٹ آتش کو کیا
 تیری ان لحظہ سے ہو چاہے حق شمع کے
 خورشید تجھ سے فیض کو پہنچے تو مشرق میں
 جن پر کہ تو ہوئے غلبہ ہو اسکے حق میں غلبہ
 شمشیر کی تیری چکھن چکھن ہے یکسبیک
 پیکان تیرا لاسکون رخ فلوروں کے ہیں
 جلوہ ہے تیری ہر کا شعلہ ہے تیرے فکر کا
 اب خوابت ترا وہ نقد رنگ بادیا
 اب ذوق کی ہے یہ عجب ملک ہے ہنشا
 جب نکلا میں ہر کو صابون اور شہزاد ہو
 ہر حسن فتح ہو تجھے اس ملے آب تاب ہے
 شاہ زمانہ میں آتا با آبرو اور سرخ و
 وطن کا تیرے منہ ہو فخر و غور ہوئی ان کے

قصیدہ نمبر (۲۱)

دیکھ کر بھاگے جسے بیخ ہزاروں ہرنگ
 قطرہ شبنم کا ہے میناے شراب گل رنگ
 چھپے کرنے کی بلبل تصویریں سرنگ
 تختہ لالہ و گل صفحہ نقش ارثرنگ
 دیکھ کر جس کے تحمل کو ہو جھید بھی رنگ
 صورت بیضہ رنگین فلک بینا رنگ
 نام آہوئے عشق سے نہ ہو کم داغ پناک

طرب فرا ہے وہ نوروز کا مارنجی رنگ
 بل ہے بالیدگی ہمیشہ کہ برگ گل پر
 واہ کی گلشن آفاق ہیں جو شرب سار
 گلکفتاشی قدرت کے گلستاں ہیں آج
 خسرو آج کیا تو نے و جہن نوروز
 ہے تیرے بزم طرب میں پئے زہم نوروز
 شکستہ جہاں میں تری نگہ غلن

کیا عجب شاخ میں آہو کے گل رنگا رنگ
 شمع گلگیر سے اوجھ سے محفوظ رنگ
 تو مسند رہے پانی میں بجائے خرچہ
 چھیرے ایک ذرا انکس جو متن صفا
 منہ سے آرزو جانو گئے تھے خوش رنگ
 بغیر محرم کی مانند جبل میں رنگ رنگ
 اور جگہ جب تفس کے ہے تیرا تیر خد رنگ
 تاکہ وار و نہ پایا میں مجھے تیری تنگ
 زیر شمشیر غضب تیرے ہوا ڈھنگ رنگ
 ہوتا ہے تافیہ بنو کی بیا قافیہ رنگ
 ذوق جو ہے ترا طالع محبت یک رنگ
 جشن نور روز بہر رنگ تہلج و اورنگ

بلکہ ہر خوش ہلان کرم سے تیس کر
 تیرے افسانے سے ہے بزم جہاں میں
 ہو اگر شعلہ فشاں کی ذرا آتش فشر
 زیر ان تیری ہے مہ توں چالاک کہ تو
 یوں کہے جنت کہ جیسے سرمدان بند
 رکھتی سرعت تپ لرزہ بہت سے ترے
 میخول کو ترے دشمن کے تفس ہے سینہ
 ہوئے حامد کو نہ آزار حمد سے صحت
 مفسد و حامد و غار و عسک و کشر
 آہیں سکتے بیاں میں تھے اوشما تمام
 کرتا اس رنگ سے ہے ختم سخن دیکھو
 گلشن دہر میں ہر سال مبارک تجھ کو

اور تیرے حامد بدیں کو نکالیں لکھوں
 خسروا روزئے رنگ فلک کے نیرنگ

قصیدہ نمبر (۲۲)

مرحبا مطرب ہاؤت فن زہر خصال
 خیر مقدم کہ فرماں ہے تو اے بادشاہ
 شکر شد ز رنگل سے ہے چمن ملا مال
 گل زمیں چمن حسن میں تاوانہ خال
 کیا عجب ہے روشن خضر اگر رنگ ہلال
 بل بے جوش گل خود درو سداں خیاں

جنت اساقی فرخ و خورشید جہاں
 بارک اللہ کہ در افشاں ہے تو اے بابر بہار
 اللہ اکبر لہجہ سے مئے عیش سے جام
 جوش روئیدگی سبزہ سے ہو جائیگا سہر
 اللہ اللہ سے سرسبزی گلزار جہاں
 شر و تبیر فرہاد سے پیدا ہوئے گل

جوشِ بخارہ جہے ہاں کثرتِ نار بارش
کیا مجبِ حمتِ باری کی وقتِ باراں
سجڑ باد سے ماندِ عصا سے موٹے
قوتِ مستی سے ہے طاووسِ چینِ قلع
شورِ بل بھیڑکتا ہے ٹکس آج کہ گل
دیتی ہے طاقتِ پروازِ کیفیت سے
ہے یہ وہ دور کہ ہر صوفی ساقیِ شرب
بیدوں کو جو فتنے چارہ گرِ حسیلی دم
چلیاں اپنی ہیں چشم کے گھرِ بچہ ساز
ہوں قلمِ ناتھ اگر کوئی مکھے خطِ خبار
روزِ جشن آج ہے اُس کا کہ جسے کس خلق
وہ تہوارِ شکاری کی اگر تیغِ افس کی
وہ گونہ وے ونگو روے و خیمہِ منتظر
وہ سیما دم و یوسفِ رخ و اووا الحان
چمنِ خلق کو نسیمِ کرم و ابرِ حسن
آسان چاہ و عطارِ قلم و غیرِ مسلم
خوشِ ہمِ چشم و داورِ کسریٰ انصاف
منعِ حاضر میں پڑھوں اس کے مطلع جسے

سرخوں کے تھے آلودہ جہاں گردِ سبیل
ابرِ مردہ بھی ہو قطرہِ فشاں آبِ زلال
شجرِ خشک بھی ہو جاے نزدِ تازیہ منال
شوقِ آہنگ سے ہے سروِ قمریٰ حال
بن گیا کثرتِ شبنم سے ٹکڑاں کی مثال
اس ہوا میں ہے بٹے کر ڈونچے و بل
قصصِ ستارے و بدکنِ شامِ حال
شمعِ مردہ کی گہ تار سے کھولیں قیال
جنبلِ دستِ مرثیہ سے ہے امنِ ستال
صفوہِ دہر پہ کیا دل جو ہو گر و طلال
نائبِ غمِ رسولِ خلقِ خدا سے متعال
اپنی دکھلائے چمکِ چرخِ پکتِ جاہِ لال
وہ بلند اختر و فرخِ روشنِ فرخِ منال
وہ سلیمانِ شمس و سوسنی کف و صالحِ جمال
چشمہِ فضل و ہنر کا این عطا بھرِ نوال
مشتی و افش و دینیشِ مرغِ جلال
شاہِ دارا دلِ سلطان سکے راقبال
ہمیری کی شکر کے مطلعِ خورشیدِ مجال

بوتری یک نظر فیض سے ناقص گو کمال

مہر سے گر مر کمال جو دو ہفتہ میں ہلال

نہ کوف و نہ غروب نہ پہلو و نہ بال
آگے حمت کے ترے کو مطلقِ مثال

خیر ماہِ تراؤ جسے تا دورِ فلک
آگے بخشش کے ترے خرمنِ دریکدان

ہوئے جوں پاؤں متاب گلیم شب تار
 جام سے قطرہ جو چکا تو سعلق ہی رہا
 گر ترے قدر کی گرمی تپ محرق بن جا
 توت اماں مسک کے توئی سے گم ہو
 حکمت آموز ترا علم جہاں پر تو دہاں
 ہو تری عقل سے عاجز دم بحث مقول
 دم ہے کیا باد صبا میں کہ دم سیر جہاں
 یرضی دو چار قدم خاک اڑا کر و جا
 جہنم پیکل میں اگر دیو تو صورت میں ہی
 جلد آنا کہ جہاں عرصہ جولان اُس کا
 نوبت اُسکے جو مندی کا ہر گل تصویر
 اُس فلک سیر کو جولان کرے تو نویہ ڈر
 تیرے ہاتھی کی بندی کی طعن کی جو نگاہ
 لکشاں کو و فلک پر سے زمین پر پھینکے
 جیسے ہاتھی پر بزرگوں کے ہو جھڑکانشاں
 ہے جو اُس فیل کی خرطوم سر ایل کا صو
 اُسکے دانت اٹکے لئے ہیں میں تیر شہاب
 آبداری میں تری تیغ کہ ہے بق کی کج
 تیری شمشیر کہ ہے خون عدد روز مباح
 طائر روح عدو کے لئے جیتا و اہل
 طاقت دم زون اس میں دین کے گم کو ہی
 پر ترازو کر چاہا ہے ہاں پر تو نمس

پنج پر نور جو تو پونچھ کے جھائے رداں
 دھکیری نے یا تیری جو گزرتو گونجال
 لب دریا پہ جابوں کی جگہ ہوں تنجال
 فیض جاری سے تم سے بھل کو یا نکھڑ روال
 نہ اسطو کو ہو طاقت نہ فلاطوں کو مجال
 اک مقول میں فقط فضل کی عقل فعال
 تیرے گلگون بک سیر کے جہاں نہاں
 اور پنج جائے کہیں کہ وہ کہیں خن خیاں
 چہ اوڑان اس میں ملک کے تو بشر کی خیاں
 عہد مستقبل ماضی کا وہاں سیک حال
 پھر نا کا ہے جس کے وسوسہ فانی خیاں
 مرزہ سبز فلک ہو نہ مسبا و اپاں
 سر پہ اندیشہ نے لی ہاتھ سے تار سنبھال
 نہ بھکر راہ ہیں انگلیں اگر اُسے اطفال
 اسکی دستک پہ شہابلوہ نایاب و جمال
 آئے اعدا پہ قیامت سر میدان قتال
 ہے جن اعدا کو سر اراج شیا طیں کی خال
 کیا تاشا ہے کہ ہے آب آتش سیاں
 یہ غلط قیسرے دن ہوتا ہے مزار علال
 سیر و تیغ میں جو ہر سے گناہ کا قتل ہے حال
 دیکھ کر تیرا نسق اے شہ فرخندہ خصال
 لب پر آ جا ہے ہے سینہ سے پے تہتجال

ہو تو ہی دست اگر زور حمایت سے ترے
تصویریت دیوے اگر پاس حفاظت تیرا
ہے تھے عہد میں فتنہ سے زمانہ خالی
آتشِ ف آہ میں ربط کسے عدل سے ہے
کا کل موج و خاں کے لئے اُس کے دیا
خبر جلدِ عشرت ہے ترا جہنِ سعید
ہوتی ہے حیرت تو صیغ سے تیرے شاہ
بس دعا ہی پہ فقط ختم سخن کرتا ہے
جشن ہر سال ترا ہونے مبارک تجھ کو

شیر سے بچ کر بچہ شکرانِ حسنِ حال
شعلہ شمع کو صرصر سے نہ ہوا ضحکِ حال
فلسوفی ہے یکسوں کی خلا کنا محال
دیوے ہیزم کو جلا کر کوئی پانی میرج ڈال
لے تیرا آب سے شانہ پر باہی کا محال
بتدا جس کا شہا غفر ماہِ شوال
روشن غنچہ تصویرِ زباںِ منہ میں لال
یہ جو ہے ذوقِ ثنا خواں ترا اور محال
یہ ہے جب تک کہ زمانہ میں ساقِ وصال

قصیدہ نمبر (۲۳)

لا تا نیزنگ سے ہے رنگِ نیچے رخِ نیل
دور زمانہ سے وہ عیار ہے یہ ہوشِ ربا
ہے توکل کا احاطہ وہ غریمیت کا حصار
گم ہونے کا ہر کی خرابی سے صفاتِ اصلی
پیش و شرمِ گذر حق سے نہیں سانچ کو آنچ
ہوتے سیرنگ ہیں مردانِ دلاور ممتاز
نہیں ہے قیدِ علاق کسی عالم میں بزرگ
ہے تیرا خاک بھی قافلوں کو سفرِ حشر ملک
جسیرِ کرد و جہاں میں مضان ہے یکماہ
کشتِ سبزِ فلکوں سے فرکھ چشمِ شرم
قابلِ انسان کی صحبت کے ہے انسانِ ملک

واہ بگڑا ہے کچھ اس غمِ میرجِ محبِ بگڑے نیل
لاکھ بیوشیوں سے جسکی جبری ہے ذویل
کہ ہر حفظِ خدا جس کی خندقِ فیض
تنگ دیتا ہے چھپا جو ہر شمشیرِ امیل
بلکہ ہے آتشِ نرو و گستانِ غلیس
ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شانِ جیل
رسمِ تحریر میں بھی چھوٹے نہ زنجیرِ غیل
نہیں آتحتِ ثریٰ منزلِ آرامِ غیل
بعد ہے کثرتِ بھلائی کی ان عشقِ قلیل
خوشہِ فیض سے بے بہرہ یہ مزارِ غیل
جگیا پیشِ نبی صورتِ دینا جبرِ غیل

جتنا غر شید ہے اتنی ہی بارش ہو سوا
عشق کی پختائے ہے اک ارجحاکش سے بڑا
مکی نہ جج کو مگر نالہ عاشق کی ہوا
شع کشتہ کے لئے ہے دم عیسیٰ آتش
مستہ ہے جو کرے نالہ دل درد اظہار
دل کے ہے ایک ق میں حقیقت سیاری
ہی میں ہے اوپر پھوں میں کوئی مطلع ایسا

ہوئے کیونکر پیش عشق نہ محبت کی دلیل
بار صد کوہ الم بے عمل حسبہ شقیل
دم میں جڑے دھانی کی طرح ہو تھیل
سوزش عشق سے زندہ ہوں محبت کی قیل
نالہ ہے دل کی بان لے بے سوز کچل
جس کا اجل قضا اور قدر ہے تفصیل
گو ہر مخزن معنی سے ہو جس کو تاویل

کنج حیرت میں کون علم نوشی تحصیل
عجب درجے جس میں کج قال قیل

دوس تو حید سے لوں ایک شفا کا نمونہ
جلو افروزی یک بدر جی ہے اس کو
فکر بیودہ میں کس واسطے ہے تو پا بند
خواب غفلت ہو بیدار کہ آئی پیری
عمر صبر ہے نہ تار کھنچا اور ٹوٹا
وہی منزل ہے جہاں شیرے چھا گدڑاں
شبنم اندوہ سے اک مژدہ نہیں بیکار
غم عیسا ہے تو ہے محبت غفار وسیع
ہے مٹائے زرد مال تو سب لگا چھوڑ
پھر بارہن عمر میں دنگی سے کمیوں
مژدہ حید سے ہے دیکھ تو کیا رنگ چمن
ہوئے آراستہ ہیں آج بدل کر پوشاک
نظر آتا ہے برنگ لپا غر جو ہلال

بحث میں علت معلول کے عقل علیل
شع خانوں سمجھ خواہ سپرغ قندیل
کچھ نکال اپنے لئے ذوق کھنے کی سیل
نہیں متاب یہ ہے روشنی صبح حیل
کچھ اگر قوت معین کی طرف سے ہو ڈھیل
کہ پئے راہ فنا کوئی نہ فرسخ ہے نہ میل
تیرے ہفتے میں نہیں کوئی بھی روز علیل
فکر روزی ہے تو ہے رزق کا رزاق قیل
چھوڑ جانے کو تو کافی ہے فقط فکر حیل
سیر کر سیر کہ ہے فرصت گلگشت تھیل
گل کی رنگیں سے تھا غنچہ کی رنگیں میل
فصل سے باغ ٹکائیے سے تے ناخیل
چمکا پڑتا ہے لب مست شوق قیل

رہ کر تکی ہے کسی ست کی قاب تبدیل
جس کے نزدیک ایک قطرہ سے کم غم نہیں
خسرو مخ سر پر درخورد خورشید اکلیل
نظر مہر مچ اس کے نور تکمیل
اللہ اللہ سے ہے شکل شنشاد شکیل
مطلع شمس کو بھی جس کے ہو در حیل

گاہ نئے غم میں ہے گردش میں کیا کیا ہے
تمہیںیت خواں ہو تو آج امش دریا دل کا
وہ بہادرش والا نسب و پاک گھر
ماہ نو چشم زدن میں ہے کمال ہو جائے
نور معنی ہے ہر شکل نتیجہ اس کا
مح حاضر میں ہے محوں مطلع روشن آیا

بعد شامان سلف کے تجھ پر ہے تفصیل
جیسے قرآن پر تیریت و زبور و انجیل

جیسے موسیٰ شرف افزائے بنی اسرائیل
آئیں آنکھوں کے نظر معنی اللہ جمیل
کہوں کیونکر کہ انکس ما لی الحسن بنیل
ہرچ خاکی میں خورد خورشید فلک کی تحویل
بید مجنوں کو بنا دے ابھی انسان عقیل
تیر حکمی قضا حکم کی تری تعمیل
کھلے فعل متعدد ہی سے نہ باب تفصیل
تیری شیریں سخن ہے انیس بہت کی ہیں
قابض طبع روان کہ روش و ادبیل
نظر طائر کو بھی تو سمجھے ایک لاتی ہوئی حیل
رشتہ مہر بیسج کی مانند دخیل
تیر کی تیری صدا جیسے بوز کو ز فیصل
دم نہ لے کے کہی سن اپنے جو گھوڑو کی سیل
کو چہ مٹو سے گزرتے جو دم اسر فیصل

تو ہے اس طرح سے عزت وہ اور و تیر
نیر افزائے بصارت ہو اگر تر اجمال
بڑے نیکو ہے مائل تیری خیمے نیکو
ہے جو انسان کے قاب میں ترانوہ و تیر
وانش آموز ہو اگر تربیت عام تری
جو ہر پنج اہل ایک تھے حکم کی نقل
عہد میں تھے جو ہر راہ تعدی مسدود
تشریف ذوق حلاوت ہوں کیونکر سیراب
نکتہ چینیوں کے لئے نکتہ برجستہ ترا
جب تک غایب ہوا تیرے نشان بدوق
ہر پشت عہد میں تیرا تیر صف و در
طاہر مع عدو کے لئے ہر پر واز
وہ قیامت ہے تری فرج کہ شور و شر
تلاش جوک کی سیرت گر کھے چنکے پاؤں

ق دوں تیرے گھوڑے کو کوکر میں بھی نسبت
 گرم چوڑاں دکھاں جو کہ رکھے ہے دست
 عرصہ معرکہ میں گر تجھے اے شاہسوار
 جانے یوں صیہم ہوا سم جی پانی سے ہوتر
 کوہ البرز کو سائے میں دبا لے اپنے
 ق تلوار ہو وہ جہدم تو پنے جان عدد
 توجہ حجاب عاری میں ہوا جملہ نا
 غایت توں میں خود شید جہاں تاب آیا
 نہیں جوش گل لالہ گل آیا ہے
 صلہ نے تیرے کیا لے زمیں کو گلزار
 واسطے دیۂ بدین کے ہے یہ عین صلح
 تیرے سا عدد پر جو کانداز قصصا
 رہن نطفہ بدخواہ ہوا دل سے تضا
 حکم میں تیرے انصاف کے ہونا تھا قلم
 قون کرتا ہے سخن تیری دعا پر کوتاہ
 عید ہر سان بونفج تجھے با جاہ و جلالت
 جو ضلالت سے ہوں گمراہ وائے غفل خدا

ق نہ یہ موت نہ یہ رقار نہ قول نہ ذیل
 نہ تو میدان تصور نہ نضایہ نیل
 اس سبکیر ہے منظور ہو کار تحصیل
 نہ ہو پروا اے ہے راہ میں تالاب تحصیل
 ق ہے وہ اے شاہ فلک رجب تری فضیل
 اس کی خرطوم ہو وہ کبک شش عزیزیل
 اُسکے دانتوں پر یہ خرطوم ہے تجھے نیش
 دن میں کوتاہ ہو اور ہونی رات طویل
 داد خواہی کے لئے خاک سخن ٹیل
 آج تک عدل میں کوئی نہ را تیرا عدیل
 ہوتری نوک سناں معرکہ کو بیکے جو میل
 کم نہ فوٹاڑ سے ہوتیروں کی کئی تبدیل
 اُس کی پشت پوری سے نہ کبھی تحصیل
 جسے اگر قبول کے بھی کوئی حیرت کو تحصیل
 ہو گراں خطر نازک پہ مبادا قطلویل
 ہوں قوی پایہ تیرے دوست تجھ کو طویل
 ذل اقدام سے ہوں خاک ذلت پہ ذلیل

قصیدہ نمبر ۲۴

کھانے اگر ہزار برس حیرت آساں
 ایک سے ہزار اٹھائی ساغر آساں
 گر ہونام چشم تماشا گر آساں

پائے شاہیسا ایک بھی دن خوشتر آساں
 ہے یاد و نشاط طرب سے لبالب آج
 دیکھئے نہ اس طرح کا تماشا جہاں میں

اترارہا ہے عطر سے عیش و نشاط کے
 افزایا انبساط سے ہے کیا عجب اگر
 شادی کی اس کی صورت آج آسمان ملک
 فرزند شاہ یعنی جواں بہت ذمی وقار
 ہے اس کی لڑگاہ میں مانند چوہدار
 اس بیاہ کی نوید سے ہے اس قدر سرور
 پھر اسے انتہام میں شادی کے رات دن
 فرد حساب صرف ہے اس پیام کہ ہو کم
 تو روزی بخت مطیع عالی میں اس قدر
 اس روشنی کی چند دکھا دیجے چمکیاں
 ابر بہار دو و چہر اغاں سے تو تیرے
 چشم قمر میں اور بھی ہو روشنی دو چند
 کر دالے پاؤں غلیتوں کے واسطے
 یہ کہنہ و سیاہ و وہ خوش رنگ و نوبنو
 ٹھلیوں میں ہیں وہ نقل سے اسکا عکس اگر
 آئینہ میں اور وہ گلہائے رنگ رنگ
 بنوایے مسدیح محل طلائے و نصرتی
 نقار خانہ کی ہے چہر اغاں کے چہ نکوہ
 کرتا ہے قص قحط پر نعت ارہ خانہ کی
 آواز و دامن نوبت کو بچ آسمان
 دولہا دامن کی ہے یہ علامت سماگ کی
 جائے عجب نہیں کہ عطر سماگ کے

سچ ہے نہیں یہ پاؤں لکھے کیونکر آسمان
 مثل جاب جامہ سے ہوا ہر آسمان
 تابع زانہ جس کے ہے فرماں بر آسمان
 تسلیم کو ہے جس کے جھکا نامہ آسمان
 حاضر حصائے کابشاں لیکر آسمان
 ہے پیر پر جوانوں سے ہے بستر آسمان
 نقد و ریکا کر شیر کے دم بھر آسمان
 گو لکھ جمع و خراج کا ہو دفتر آسمان
 ہے جھکا ایک تودہ خاکستر آسمان
 نازاں آفتاب کے نیچے پر آسمان
 ہوں سات آسمان کی جگہ ستر آسمان
 کا جل گئے اُسکے حویں سے گر آسمان
 مکتاب کو سمجھ کے کہن چادر آسمان
 فائق ہو کیا سوچے ساقی پر آسمان
 لے نکشاں کی ہلک میں نئی بھر آسمان
 ادنیٰ سا جنین غنچہ نیلوفر آسمان
 لے لیکے ماہ و مہر سے سیم ہزار آسمان
 گویا ہے اک نہیں پر پر از اختر آسمان
 شنائی کی صدا کو جو سن سن کر آسمان
 ڈھوسا سماں کے ہے ادھر آسمان
 آیا ہے ایک سماگ پر ابھر آسمان
 شیش کے شیش بھر کے (سچا) گر آسمان

یارب ہمیشہ دولہا ولسن میں بے سراگ
 مندی کے صفت لکھنے کے قابل نہیں ہے
 جو کج لکھے ہے ارکے یہ ہوتا ہے وہ بلند
 کرتا رات کی شب شام سے نثار
 پہنچے براتیوں کے نہ ہرگز جوم کو
 عیش و طرب کو شوق کرتا جہاں میں ہے
 ہنگام بزم عقد ستاروں کے واسطے
 بدیں کے ہے نظر کے جلانے کے واسطے
 عیو قوت سہزادہ کے دولہ ہوا سوار
 کرتا تھا اینٹیکاد کو دم پڑھ کے ویدم
 ایسا نہیں جہاں میں کوئی غفلت آرزو
 کرتا ہے شاخ خشک تنہا کو نخل سبز
 شادی کا اس کے نور لبہ کے ہے اہتمام
 و شاد و نامو کہ بباد ریشہ اس کا نام
 وہ آفتابی اس کی غل جہ سے آفتاب
 مطلع پڑھوں حضور میں وہ میں جسے کے

جب تک کہ تجھ سے نیچے زمیں اور آسمان
 نیلا سا ایک کاغذ بے سطر آسمان
 رکھ لے ہے سر پشلی گل احمر آسمان
 شبنم کی جلیے صبح نلک گوہر آسمان
 انجم سے لاکھ جمع کرے لشکر آسمان
 زہر سے اب قرآن پر انور آسمان
 کیا کیا سچے ہے اوج شہنشاہ کے آسمان
 انجم پسند آگ شفق مجسم آسمان
 کیا کیا بلائیں لیتا تھا مجھ تک کر آسمان
 دولہا کے بعد دم بخ روشن پر آسمان
 لایا ہوا جس میں نہ برگہ پر آسمان
 درپردہ شعل پردہ بازی گر آسمان
 کرتا ہے جس کا روز طوان در آسمان
 ہو حکم سے نہ اس کے کبھی ہر آسمان
 و چتر اس کا جس سے نہ ہو ہر آسمان
 مطلع سے آفتاب کے بھی برتر آسمان

تجھ ساز میں دیکھے جو فتح فر آسمان -
 قرباں نہ کیوں میں کے ہر پیر کر آسمان

کوکب ہمیشہ یاد تر یا در آسمان
 جس طرح کو ہمار سے بالاتر آسمان
 کر مشتری خلیب ہر تو نسیر آسمان
 ہے میلہ سا ایک کنر پر آسمان

طالع سدا سادہ و عالم سدا طالع
 یہ آسمان سے رتبہ تراویں لبند تر
 خلب کے واسطے تھے نام لبند کے
 ہر بحر کیا ہے تری جہت وسیع

دریا نے قہر تیرا جو طوفاں کرے پیا
قد پر ترے ٹو است قباے عطر جاہ
تیری گہر فشان دست کرم سے ہے
چمکائے تیغ تیز کو اقبال مگر ترا
یوں ل میں جیسے جلوة ذات محیط حق
عزت میں تیرا رخسار خاک سیر کیشتا
شاد و محب نہیں تہہ شد پر کے لئے
پنچا نہ اس کے کائن کے اندر کو کبھی
انجم ہیں کیا شہر سے فعل سند کے
انا اگر بندہ فی شان و مشکوہ میں
پر اس کے نقش پا کے مقابل بنائے
یہ ذوق کی دعا ہے کہ جب تک نہیں
بزم نشاط و عیش ہے تیرے گھر میں روز

بہ جائے شل کشتی بے سنگر آسماں
زمین پر جس کے واسطے بالا بر آسماں
گویا کہ ایک دامن پر گو ہر آسماں
ہو مصقل ہلال تو صیقل مگر آسماں
آجائے جیسے آئینہ کے اندر آسماں
نصرت میں بھی ہے بل جہل پیکر آسماں
خبرائے ماہ تو سے رکاب زرا آسماں
کھاتا راز میں پسدا چکر آسماں
ہے جگہ تیرا گرد رہ لشکر آسماں
انہی سے تیرے ہو بھی گیا ہر آسماں
چار آفتاب ایک جگہ کو مگر آسماں
نوبت ستارے سے ہوئے ہر آسماں
لئے ہمیشہ تیری مرادیں بر آسماں

اے جگر میں تیرا سہ پہر خواہ کے تھے
تار خلوط ہر سے تنوشتہ آسماں

اشعار و تالیف دیوان لغاب الہی بخش خاں معروف

سبزہ زنگاہ کہ پلایں حسند
از کمر تا دہن شاں موہوم
چشم دار نقبتہ سبب عشاق
بجہاں یخ آنہا معروف
رفت صیبت سخنش از دہلی

تازہ چوں شاخ گل لاوہ ورو
ہوں خلط جو ہری جو ہر سرور
چوں جریبے کہ کند قصہ زبرد
میرتے شد کہ دلش خوش میگرد
تا صفا مان و عساق و ماورد

و دستہ شاعرانہ

واندریں حال خنیا سگفت
صد و یک مطلع رنگیں خسرو
شد چو بیج زرق نہاش
مرد فیروزہ خوش شد دل لعل
پیش آن گنج گزیت چو خاک
ذوق چرخ گشت دوزخیش را
اول از داذ خوش رنگ شار

ہم چون نالک موزوں پر درد
گفت بانالہ گرم ددم سہ
رونق و آب گز رفت بگرد
کہم باچوں یرقانی شدہ زرد
گنج خسرو کہ بود باد آورد
اندہیں دفتر معنی بد و مسرور
کرد و آن عقدہ مطلب واکرد

باز با خامہ رنگیں بنوشت
طرفہ تبیج ز سر و آوردہ

قطعہ تاریخ تعمیر چاہ معمرہ محمد شاہ بہار نوی

سید با صفا محمد شاہ
ذوق تاریخ سال دوم ہم
خسرو انیر اقبال کی تیرے غور شنید
تاب کیا بخت سعادت سے تے ہو بہر
دہم تحویل یہ کہتے ہیں عناصر چاروں
پرورش امن کے سایہ میں کیا کرتا ہے
تعبیر دولت سے ترے رخ نظر ریختہ پر

کرد تعمیر طرفہ سجود چاہ
ز در رقم ساخت کعبہ دزمزم
کھائے بخت شرف عز و شرف کی بوند
منزل الیچ پچکے ستا ہاں ہر چند
چار چند ایک ہو مرتبہ بلکہ صد چند
غیر ز بچہ آہو کو بجائے مسر زند
بام حشمت پر ترے کاکہ شان نصیب کنند

قصیدہ مسدس عانیہ

فرد ستور اعظم صدر اعلیٰ سعید اکبر ہو
رمل میر عمارت ترک گرد دل میر لشکر ہو

سریر آرائے گردوں جب تک سلطان قادر ہو
عطار و میر عشق زہرہ ناظر آساں پر ہو

<p>سرفیت آسماں جب تک کہ دو چہفت اختر ہو الطی یہ بادشاہ شاہ ہفت کشور ہو</p>	<p>بے نام سیماں تا گین جس کمرانی سے لے بنام فرید و دل و شمس کا دیانی سے سکندر تا ہونا می سکندرستانی سے</p>	<p>بے نام سیماں تا گین جس کمرانی سے لے بنام فرید و دل و شمس کا دیانی سے سکندر تا ہونا می سکندرستانی سے</p>
<p>ترا لے خسرو والا شمس عالم سحر ہو سریر سلطنت پر تو ہمیشہ داو گستر ہو</p>	<p>رواں پانی سے تادیا ہو اور دیا کو طیفانی پے جو ہر ہر قیمت اور قیمت کو فراوانی</p>	<p>بخارا ارض سے تا ابر ہو اور ابر میں پانی زیر میں ہو کان میں ہو جو کمرانی</p>
<p>تری شمشیر جو ہر دار میں نصرت کا جو ہو تھے قبضہ میں بھر تو گھر ہو کان پر زور ہو</p>	<p>محل تر تا ہو گدلی کی ہے ہوتا گل میں صند میں تا ہو گوہر اور ہوتا آب گوہر میں</p>	<p>رکھیں تا عود کو آتش میں اور آتش کو بھریں ہے نافر میں مشک افروز و بو شک افروں</p>
<p>ترے ابو کرم سے باغ عالم تازہ و نر ہو شمس خلیق سے تیرے جہاں کی عظمت ہو</p>	<p>سارا ہو کونا بھر عرق الیاس کا دامن سیما کا ہو بالا خانہ تا نو شید سے روشن</p>	<p>طریق رہبری میں خضر ہو جب تک است فن ہے اورین تا قطع تعلق سے جاں سکن</p>
<p>چرخ عمر سے تیری جہاں سارا منظور ہو غروب اسلام کو ہو روغن دین ہمیشہ ہو</p>	<p>کرے آراستہ تا شام اپنے منے گیسو کو کرے دھڑے تا قوس قزح سبز اپنے ابرو کو</p>	<p>شفیق محکومہ موجب تک کے رونے نیکو کو ثریا نور تن تا نکشاں کے جوئے بازو کو</p>
<p>بے پاغور وہ دشمن کے لہو سے تیرا خنجر ہو سرد خواہ قدق تیری بگشت سماں پر ہو</p>		

گلستاں میں ہوتا گل اور گل سے شاخ ہوتا نیا لک میں انگو رہو انگو رہو صبا	نیستاں میں تانے اٹونے سے فہر ہوتا نشہ صبا میں ہو اور نشہ جنگ نشاط اٹوا
---	---

شراب عیش سے خالی کبھی تیرا نہ ساغر ہو ہمیشہ جشن جمشیدی سے تیرا جشن بہتر ہو	
---	--

بہتے تھکام دینداروں کو حکام شریعت سے رہے تاحا بدوں کو شوق محراب عبادت سے	خوشی تاحا جو نگو ہو کعبہ کی زیارت سے نماز اہل سنت تاحا ہو مسجد میں جماعت سے
---	--

ترا خلیہ میں ہونا م اور خلیہ زیب نمبر ہو ترا حامی ابو بکر و عمر عثمان و حمید رہو	
---	--

تھم تاراستی پیشہ ہو اور کاغذ صفا آئیں زباں پر تاسخن ہوا در سخن میں معنی رنگیں	فلزن تارہر شک افشان کا قندھکے آگیں سخن تادا دلچہ اور تاراہل سخن خنیں
--	---

ترا علاج دائم خسروا فوق سخنور ہو ہیشہ تسنیت خواں ہو دعا گو ہوشناگر ہو	
--	--

اشعار متفرقات قصائد و قطعات و مخمسات وغیرہ

قطعہ درمخ میسر از شاہ رخ بہاؤ

سیر ز شاہ رخ بہاؤ نے خون بخیر سے ہوا سارا نہ بچا اس شکار انگن سے مغ و دیمخ اور غزال پنگ ہے جگر گوشہ بہادر شاہ سمجھے شیر آپ کو ہزار غنیم شیر گردوں میں اس کے شکر میں	قصید صید افکنی کیا جسم دامن دشت لالہ زار ارم صید کوئی سولے صید جسم ہوئے مسکن پذیر دشت عدم ہو بہادر نہ کیوں وہ نیک شیم اُس کے پر سامنے ہے مثل غنم پاسے ہرگز نہ قدر شیر مسلم
---	--

ہے مانند شیر تالیں کے
ہاتھ میں جب تنگ آئی اُس نے
کئے شیرِ بڑیاں نکا رکشی
ہے بھاگ دلاورانِ جہاں
جیکہ اس جہاں دشماحت کو
تا ہے یادگارِ عالم میں

ایچِ جنت سے اُس کے زیرِ قدم
ہمسراِ دردِ مانے آتشِ دم
اُس غصہِ نکار نے پیہم
کھائیں اُس کی ولادری کی تہم
چاہا اس طرح دل نے کیجے رقم
وصفِ عالی صاحبِ عالم

کھلی سے ذوق میں نے یہ توصیف
مع تاریخِ ثنائی پستہ

لکھتے ہیں کہ کی تمہیں عیدِ مدح خواں

آراستہ ہوا جو قلمِ دانِ آساں

عید میں تھیے نکالے دانتِ گرہِ بنم
گر پے پاؤں پتیرے مہرِ آکر سایہ وار

کام لے زبور کا خاہد سے دستِ ملت
آفتابی سے جو کدے کہ اس کی دست

فضل گل آج ہے وہ سُلطنتِ آراکطرب

کہ لا باغ میں بیل کو ہزاری نصب

ہے اگر بلی سیاہی تو ورقِ عذرا عذار
ہو گیا خورشیدِ مالِ رو میں نو سے
ہاتھ میں بدوق لے جس وقت تو بہرِ نکار

خطِ تراشیرِ کشتا اور قلمِ شایخِ نبات
دی جونے دولتِ انوارِ دانش کی کثرت
شیرِ گردوں کو چو شکل ہاتھ سے سے نبات

پر نہیں پر تراوسنِ فرہی ساں چراں
بو نوی دستِ تے نور سے اسلام اگر
پاتاگر داب سے ہے گردِ دانِ آبی

سیرِ گرجس کے ہے اکثاف سے لیکر تافان
کھینچے شمشیرِ سیرِ کفر پھر مرکزِ کاف
تیری بخشش سے جو دیا کامیں کافان

چنگ نہیں ہیں اگلاتے اسے کیا کیا صراٹ

دستِ بخت لئے ترے سکھائی روپے کی قدر

آتا ہے صاف چوب کی صورت نظر ابل

دیتا ہے تیری فوج میں نقارہ جب ٹلک

منظور تجھ کو جب کہ لشکار بند ہو

ناسر طار ایک پرندہ نہ بچ سکے

مطلع قصیدہ حضرت بادشاہ اکبر شاہ جہاں رامگا

قصیدہ مروتہ الذیل غازیابا تھا۔ والد مرحوم نے ایام جوانی میں ایک بیاض بنائی تھی۔ استاد مرحوم کی غریبیں لکھا کرتے تھے۔ اس میں ایک قصیدہ اکبر شاہ رضوان اللہ علیہ کی مع میں تھا۔ ایک زمانہ تھا کہ بندہ آزاد کو سب یاد تھا۔ انوس کہ نہ وہ ہے۔ نہ وہ ہے۔ نہ بیاض ہی۔ یہ چند اشعار یادگار رہے۔ اللہ۔ ح۔ تو باقی و یادگار باقی ہ

ہر ورق کا خدا کا رنگ گلشن کثیر ہے
ہاتھ کیوں سیدھی سے رنگا برتیدہ فحیر ہے
منتظر مشرق میں مہیا مہر پر تنور ہے
ہر اداں میں شامل اور داخل ہر کجگیر ہے

آج کچھ ایسی بوئے عیش کی تاثیر ہے
گر نہ نالِ شست کو شوقِ خابندی نہیں
مع حاضر میں سامنے مطلع روشن کہ ذوق
نام کو اشر اکبر کیا تری تاثیر ہے

بادشاہی تھہ خانوں میں میر امیر علی نام ایک خوش میان شخص تھے۔ انہوں نے استاد مرحوم سے کہا کہ گھوڑے کی تعریف میں چند شعر کہہ دیجئے کہ داستان میں جب ایسا مرقعہ آتا ہے۔ تو اشفاقِ حبِ کھواہ نہیں آتا۔ جی ڈھوڑتا رہ جاتا ہے استاد مرحوم نے خطبات وعدہ کر لیا مگر پورا کرنے کی فرصت کجا جب کئی کھانسی گزر گئے۔ اور انہوں نے پھر کہا تو ایک دن فرمایا کہ جب ہم بادشاہ کے لئے قصیدہ کہیں تو یوں دلانا۔ اس میں طبیعت پر ذرا زور ڈال کر کہیں گے۔ تمہارا کام ہر جاہلیگا۔ مہارے قصیدہ کا ایک جز تو ہی ہو جا کے کا چنانچہ ایسا ہی ہوا +

تجیدہ کو کور معدوم ہو گیا۔ قدر کے بعد عالم نیا ہی میں ایک دن میر موصوف حافظ دیوان کو مل گئے۔ حافظ کو اشد منفرت کرے ان سے اشعار مفصل ذیل حاصل کئے۔ اور مجھے دئے تین شعر شرف اور بھی ہیں وہ بھی گستاہوں۔

کروں رقم اگر تنہیت کا میں آہنگ ہے تزلزل رعایت کہ پاؤں کو اپنے شما تھے یخ روشن کو کس سے دوں تشبیہ	تو ہو جسے خار سے پیدا صد اکبر بڑ جنگ کرے ہے شیر کی چربی سے مالش آہوے جنگ کہ ہر دم کو گن لازم آئینہ کو رنگ
--	---

مکھڑے کی تعریف میں

کروں میں کیا تھے گل کو کی وصف چاؤ کی نہ پہنچے گرد کو اس کے ڈپک فکر سا چلے ہے یوں کج و مایک او او ناز کے ساتھ ڈھلنے میں ہے قدر و اور آؤ نیں شاہیں نیں پری وہ پری سے ہے سوا پڑاں رواں ہو گروہ بکیر آب دریا پر جو چھپڑے اُسکو تو میداں میں اور کیوں گئے شرارتک نظر سے نشان جو نہ پائے اگر ہو تجھ کو شما اس کے خانہ زیر میں تو اس راہ کے آئے میں لٹک ہو دیو	آڑا ہی جانا ہے وہ تو رنگ طائر رنگ کہ ہو جسے عرصہ مہین جسکی ایک رنگ کہ جیسے مت سے ناز کوئی دلبہر رنگ پکھنے میں ہے آہو پکھنے میں ہے جنگ نہ آدمی لیکن سب آدمی کے جنگ تو شمع بھی تر نہ ہو اس کا چہ جازا نو رنگ بزرغعل شمع اگر شرر فشاں ہو سنگ ڈپٹ کے آؤ روہ پھر آئے سینکڑوں رنگ تمام عرصہ گیتی کی سیر کا آہنگ اور اس کے جاکے پھر آنے میں کچھ نہ ہو رنگ
--	---

میں دغلیں شرماتے سر او رنگ گل	جن پہ کھاتا ہے چمن میں تختہ اور رنگ گل
-------------------------------	--

کرے ہے مہر علی کو مشا پر انوار علی سے بیکو نہ ہو زیر لشکر کفار	طلوع شمس پہ موقوف ہے وجود ہمار علی ہے شکل علی اور علی ہے حرف ہمار
---	--

مخمس در مدح

خسروا چرخ کے سرگبد دواڑا ہلال
خداوند عزت عالی ہے ہر کا ہلال
خداوند عزت عالی ہے ہر کا ہلال
گر زبرد ار ہے خورشید کماند ہلال

آساں یکے سپر چلتا ہے تلوار ہلال
دست ہمت نزا خورشید سے ہے ہلال
تیری بخشش سے ہے نیامنی شرم میں تیر
آئیں تیرے در دولت پہ گدایانہ اگر
اپنے کاسہ میں بھی چنچ میں ملو گھر

اور لکشی میں بھرے درہم و دینار ہلال
ذوق کرتا ہے سخن تیری دعا پر کوتاہ
عید ہر سال ہونچ تجھے باہشت و جاہ
تیرنی دولت سے ہوں خورسند ترے دلخواہ
اور جو حاسد ہیں تیرے واسطے اُن کی ہلاہ

باہنچ پر تیز کرے خنجر خونخوار ہلال

قصیدہ ناتمام در مقببت

لکھوں میں کوئی مضمون ظلم و جح بریں
تو کر ہلاکی زمیں ہو مری خزل کی زمیں
یہ حال ہے مرا ضعف و مبالغہ کہ تجھے
صدائے صور قیامت ہے ہر گس کی طنین
ناتانہ عربہ پر دواز و بہت بدنام ساز
ستارہ بر سر پرکاش و چنچ بر سر کیں

عجب نہیں ہے کہ راسب خط چلیا سے
بنام تیرے ملو بل کے واسطے خرز میں

رباعیات مدح

شاہان تجھے بادولت مجتبیٰ فیروز
فرخ ہوسدا جاں میں شبن نوروز
ہوئے شرف اندوز ترے طالع سے
ہر سال حمل میں ہر عالم انس وروز

اور تجھ سے جہاں روزِ سرت اندوز
اور ہے مہرِ جنتاب کو کیا ہیکر روز

خوشید سے یکروز جہاں میں نوروز
ہے تجھ کو زمانہ میں شرف و واژدہ ماہ

تو ہوصفت اعدایہ مقررِ فیروز
لے شاہِ عدوکش ترا تیرِ دل دوز

کتا ہے یہ فیروز سے رنگِ نوروز
ہو دشمنِ سرکش کے لئے سہمِ الموت

مبارک آپ کو با آفتابی مکرسی
بھق سورہِ دانش و آیۃِ انکرسی

دعا ہے ذوق کی ہو خلعت و لیعدی
یہ آفتابی و کرسی حسدِ کر سے فرخ

اشعارِ قصیدہ

یہ جو کرتے ہیں عروضی فاعلات
ذات ہے تیری شہا شہیدِ آبِیات

لگے تیری طبعِ موزوں کے ہے اک نعلِ مہب
فیض سے تیرے پیکر کو کرک جہاں سب سب

اشعارِ قصیدہ ہفتہ زبان

آب و ایلولہ ہوئے نشوونماے گلشن
اے اُنْبِکَہُ اللہُ بِنَا اَحْسَنًا
خوف سے یوں سے لڑا اُنْکَہُ زِکْرِین

جیکہ سلطان و اسد مہر کا شیر اسکن
جوشِ نعیدگی سبزہ پہ یاد آئی ہے
بس طرحِ شعلہ کا عالم ہو جانوس خال

فرخ یہ تجھ کو ساگرہ چھو سزا رسال
ہوں جس میں بے شمار گرہ بے شمار سال

شاہِ بھرو دولت و اقبالِ عز و جاہ
بلکہ خدا کرے تری عمر اس قدر و راز

چل سیکھ لگ آج پر نقش و آبِ خاکِ باد
چھوڑ دینے کچھ جو خانا ترش و آبِ خاکِ باد

کوہ اور آندھی میں ہیں گرا ترش و آبِ خاکِ باد
ساکر یہ گہرا رہو و طاقِ چست پوں باز

نثر موزون

حد سے آغاز تھا شکر پر انجام ہے کہ فرض نے اپنا حق ادا کیا - اور
 حرموں کی آرزو آج پوری ہوئی - قلم کا مسافر زمین سے آسمان اور
 مکان سے لامکان تک بار بار چڑھتا اور اترتا رہا - ۱۰ جینے کے بعد
 قلمدان میں اگر دم لیا ہے - اس میں اتنی طاقت کہاں تھی - پاکیزت
 کا زور تھا - اور صدق عقیدت نے پر پرواز لگائے کہ یہ مرتبہ
 پائے - استاد کے کلام شاگرد کے لئے حقیقی اور تحقیقی بھائی
 ہوتے ہیں - اب آن سے رخصت کا وقت ہے - ہاں براہِ راز
 عزیز ایک حساب سے دو پشت - اور دلی سے نکل کر
 ۳۴ برس ہم تم ساتھ رہے - پریشانی اور سرگردانی
 حد سے گذری - مگر رفاقتوں میں فرق نہیں آیا - پیار سے
 بھائیو اللہ نے تمہیں ہیبت مجبومی دی ہے - آج تک
 میرے پاس امن و عافیت کے دامن میں سوئے - اب اکیلے
 نکلتے ہو - اور آزادی کے زور سے اٹھتے ہو - رواج کے
 پردوں سے اُڑو - عالم کی وسعت میں پھیلو - شہرت کے شہر
 میں پھرو - وقت کی درازی میں عمر پاؤ - لو اللہ تمہارا
 نگہبان ہے - تم بھی مجھے خدا حافظ کہو - پیار سے بھائیو
 دیکھنا - دیکھنا - دینا ایک مقام ہے - بچ کر چلنا - دشمنوں کا
 شمار نہیں - اور دوست اللہ ہی اللہ ہے - یا اللہ بد نگاہوں
 سے بچائیو - اور بدی کے قلموں کو توڑ دو *
 بے بس آزاد - بیکس آزاد اس وقت ایک نام میں بیٹھا ہے

کس کا دل ہو کہ اس کیفیت کو پائے۔ نیک اُستاد۔ پارک
 استاد کے لکھے۔ پھٹے پرانے کاغذ۔ پرزے سامنے پھیلے ہیں۔
 یہ لڑکپن سے لے کر جوانی۔ اور بڑھاپے تک کی نشانی ہیں
 انہیں سامنے سے اٹھانا کیسے بھائیوں کو الوداع کہنا ہے۔
 یہ درست ہے کہ گراں سنگ قرض تھا۔ اور گراں بہا فرض
 تھا۔ جس سے آج میں ہکا بٹوا۔ لیکن عمروں کا ساتھ ہے
 اور ۱۰ مہینے دن رات آنکھوں کا تیل چپکایا ہے۔ موانست
 رو رو کر دل سے رخصت مانگتی ہے۔ اے! دلگیر محنت مٹی
 لیکن ولپذیر محنت تھی۔ سخت کام تھا۔ مگر مزے کا کام تھا۔
 اور ثواب پر انجام تھا۔ کہ اُستاد کا کلام تھا۔ اب یہ کام کیا
 آہ اُستاد کہاں اُستاد۔ خیر آزاد! بہارِ زندگی کے لطف بھرتے
 ہیں۔ کہ بہارِ نظر اور سماعت۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایک ایک کر کے
 انسان سے رخصت ہوتے جاتے ہیں۔ تب وہ کیا کرتا ہے۔
 صبر کرتا ہے۔ بس صبر کر۔ کہ یہ نعمت بھی رخصت ہوئی۔ اور نہ
 کرو گے تو کیا کر دے۔ بندگی کا عالم بے چارگی کا ماتم
 ہے۔

خاتمہ تحریر اس وعابہ ہے کہ الٹی تو جانتا ہے۔ آزاد نے جو کچھ
 کیا۔ نیک نیت اور پاک عقیدت سے کیا ہے۔ اور تیرے حکم سے
 کیا ہے۔ اس خدمت کو قبول کر۔ کلام کو عمر سے۔ نام کو روشن کر۔
 اور آزاد کے حال پر رحم کر کہ تو اسجد الرحمن ہے۔

نعمت بخیر